ماہنامہ

حنا

اکتوبر 2018ء

ہر گھر کیلئے

ماہنامہ

حنا

جلد: 40 شمارہ: 10
اکتوبر 2018
قیمت -/70 روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامیات

انشاء نامہ

افسانے

سلسلے وار ناول

مکمل ناول

ناولٹ

مستقل سلسلے

☆☆☆

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماہنامہ حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ
اردو بازار لاہور فون: 042-37321690, 042-37310797 ای میل ایڈریس،
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

کچھ قارئین ہماریاں

قارئین کرام! اکتوبر 2018ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔

گزشتہ چند سالوں میں میڈیا کی مادر پدر آزادی کی وجہ سے معاشرتی سطح پر جو تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ انہوں نے ہمارے معاشرتی نظام کا حلیہ بگاڑ دیا ہے، پس ماندہ معاشروں میں کئی برائیاں پائی جاتی ہیں۔ ہمارہ معاشرہ مجموعی طور پر ایسا ہی ہے چوری چکاری اور لوٹ مار کے علاوہ کرپشن بھی اب ایک عمومی سی بات ہو کر رہ گئی ہے۔ جھوٹ بولنا، وقت کی پابندی نہ کرنا، وقت ضائع کرنا، زندگی کسی مقصد کے بغیر بسر کرنا، غیر اخلاقی اطوار اختیار کرنا اور دوسری بہت سی برائیاں زندگی کا حصہ بن گئی ہیں۔ اب ان برائیوں کے ساتھ ساتھ غیر اخلاقی اطوار کا تیزی سے پنپتے جانا انتہائی خطرناک شکل اختیار کر گیا ہے۔ گزشتہ چند برسوں سے جنسی بے راہ روی نے ایسی شکل اختیار کر لی ہے کہ نفسیاتی اور عمرانی علوم کے ماہرین بھی الجھن کا شکار ہیں کہ اس کی کیا توجیہ کریں۔ جنسی بے راہ روی کے اس طرح کے پھیلاؤ نے پورے معاشرے کی ساکھ پر سوالیہ نشان لگا دیا ہے، زیادتی کے واقعات جس طرح بڑے پیمانے پر اور تواتر سے ہو رہے ہیں انہوں نے ہماری معاشرتی زندگی کو داؤ پر لگا دیا ہے۔ مذہبی تعلیمات اور ثقافتی و تہذیبی اقدار کے مثبت اثرات تیزی سے گھٹ رہے ہیں۔ ظلم یہ ہے کہ پڑوس کی طرح ہمارے ہاں بھی ایسا ماحول پروان چڑھایا جا رہا ہے جس میں گناہ کو گناہ نہیں سمجھا جا رہا۔ لوگ ہر برائی کو یوں اپنا رہے ہیں جیسے وہ برائی ہی نہ ہو۔ اخلاقی اقدار ابتری سے دوچار ہیں نئی نسل میں معاشرتی زندگی کے حوالے سے ذمہ داری کا احساس ختم ہوتا جا رہا ہے۔ اگر ہم اپنے معاشرے کو ایک مثالی معاشرہ بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں دینی اور اخلاقی اقدار کی ترویج کے لئے کوشش کرنا ہو گی۔ اس سلسلے میں جہاں حکومت اور دینی حلقوں کو اپنا کردار ادا کرنا پڑے گا وہاں سوشل میڈیا کی مادر پدر آزادی پر بھی قدغن لگانا پڑے گی۔

دعا مغفرت:۔ میری چھوٹی بہن منزہ منیر طویل علالت کے بعد گزشتہ دنوں اپنے ابدی سفر پر روانہ ہو گئیں انا اللہ وانا الیہ راجعون، قارئین سے گزارش ہے کہ ان کی مغفرت کے لئے دعا کریں، اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین۔

اس شمارے میں:۔ دُرِ ثمن، سونیا چوہدری اور سدرہ اعجاز کے مکمل ناول، تحسین اختر اور بشریٰ سیال کے ناولٹ، اسماء بدر، فرحت انصاری، سباس گل اور زرقا سکندر کے افسانے، ام مریم اور نایاب جیلانی کے سلسلے وار ناولوں کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار طاہر محمود

حمد باری تعالیٰ

میرے سینے میں دل مرا بولے
سب ہیں محتاج اس کی رحمت کے

دیکھتا ہے وہ ہر گھڑی سب کو
کون ایسا ہے اس کو جو دیکھے

اس کی رحمت سے ہی ہوا ممکن
رحمتِ دو جہاں یہاں آئے

میں گنہگار ہوں بہت خاطی
بخش دیتا ہے اپنی رحمت سے

مجھ نکمے پہ فضل ہے اس کا
ایسا سجدہ کروں کہ سر نہ اٹھے

آسماں پر ردا ہے تاروں کی
اور زمیں کو دیے ہیں گل بوٹے

ہے وہ خالق وہی مصور پھول
اس نے سب کے بنائے ہیں چہرے

تنویر پھول

نعت رسول مقبول ﷺ

وجود شاہؐ بطحا سے ہی توقیر مدینہ ہے
پگھل جاتا ہے واں ہر دل یہ تاثیر مدینہ ہے

نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا
ہے نازک عرش اعظم سے یہ تقدیر مدینہ ہے

پرانا نام یثرب تھا نجات آزار سے پائی
درود رحمت عالمؐ سے تطہیر مدینہ ہے

بہاریں خلد کی یاں ہیں سمائی ذرے ذرے میں
جناں کا گوشہ گوشہ کیا ہے تفسیر مدینہ ہے

گیا تھا کچھ برس پہلے دیار نور و نکہت میں
ابھی تک قلب کے گوشےمیں تنویر مدینہ ہے

خدا تعالیٰ نے عطا کوثر وہؐ مالک باغ جنت کے
یقیناً کوثر و فردوس جاگیر مدینہ ہے

بکھر جا پھول طیبہ میں ہو قرباں اپنے آقا پر
وہیں کی خاک میں مل جا جہاں میر مدینہ ہے

تنویر پھول

پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں

ادارہ

نبیؐ کو جبرئیل علیہ السلام کا دم کرنا

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیمار ہوتے تو جبرئیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ دعا پڑھتے۔

''اللہ تعالیٰ کے نام سے میں مدد چاہتا ہوں، وہ آپ کو ہر بیماری سے اچھا کرے گا، آپ کو ہر جلنے والے کی جلن سے بچائے گا اور ہر بری نظر ڈالنے والے کی نظر سے آپ کو بچائے گا۔''

سیدنا ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جبرئیل علیہ السلام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے۔

''اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ بیمار ہو گئے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''ہاں۔''

سیدنا جبرئیل علیہ السلام نے کہا۔

''میں اللہ تعالیٰ کے نام سے آپؐ پر دم کرتا ہوں، ہر اس چیز سے جو آپ کو ستائے اور ہر جان کی برائی سے یا حاسد کی نگاہ سے، اللہ آپ کو شفاء دے، اللہ کے نام سے میں آپؐ پر دم کرتا ہوں۔''

یہودیوں کا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جادو

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بنی زریق کے ایک یہودی نے جادو کیا جس کو لبید بن اعصم کہتے تھے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خیال آتا کہ میں یہ کام کر رہا ہوں، حالانکہ وہ کام کرتے نہ تھے، ایک دن یا ایک رات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی پھر دعا کی پھر فرمایا۔''

''اے عائشہ! تجھے معلوم ہوا کہ اللہ جل جلالہ نے مجھے وہ بتا دیا جو میں نے اس سے پوچھا، میرے پاس دو آدمی آئے، ایک میرے سر کے پاس بیٹھا اور دوسرا پاؤں کے پا (وہ دونوں فرشتے تھے) جو سر کے پاس بیٹھا تھا، اس نے دوسرے سے کہا (یا جو پاؤں کے پاس بیٹھا تھا اس نے پیر کے پاس بیٹھے ہوئے سے کہا)۔''

''اس شخص کو کیا بیماری ہے؟''

وہ بولا۔

''اس پر جادو ہوا ہے۔''

اس نے پوچھا۔

''کس نے جادو کیا ہے؟''

وہ بولا۔

''لبید بن اعصم نے۔''

پھر اس نے پوچھا۔

''کس میں جادو کیا ہے؟''

وہ بولا۔

''کنگھی میں اور ان بالوں میں جو کنگھی سے جھڑے اور نر کھجور کے گابھے کے ریشے میں۔''

اس نے پوچھا۔

"یہ کہاں رکھا ہے؟"

وہ بولا۔

"ذی اروان کے کنویں میں۔"

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چند اصحاب کے ساتھ اس کنویں پر گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اے عائشہ! اللہ کی قسم! اس کنویں کا پانی ایسا تھا جیسے مہندی کا زلال اور وہاں کے کھجور کے درخت ایسے تھے جیسے شیطانوں کے سر۔"

میں نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو جلا کیوں نہیں دیا؟" (یعنی وہ جو بال وغیرہ نکلے)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"مجھے تو اللہ نے ٹھیک کر دیا، اب مجھے لوگوں میں فساد بھڑکانا برا معلوم ہوا، پس میں نے حکم دیا، وہ گاڑ دیا گیا۔"

معوذات کا مریض پر پڑھنے اور پھونک مارنے کا بیان

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں۔

"جب گھر میں کوئی بیمار ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر موذات (سورہ فلق اور سورہ ناس) پڑھ کر پھونکتے پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیمار ہوئے، اس بیماری میں جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات پائی تو میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پھونکتی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پھیرتی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ مبارک میں میرے ہاتھ سے زیادہ برکت تھی۔"

اللہ کے نام کا "دم" اور پناہ مانگنے کا بیان

سیدنا عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے ایک درد کی شکایت کی جو ان کے بدن میں پیدا ہو گیا تھا، جب سے وہ مسلمان ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"تم اپنا ہاتھ درد کی جگہ پر رکھو اور تین بار بسم اللہ کہو، اس کے بعد سات بار یہ کہو، "میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں، اس چیز کی برائی سے جس کو پاتا ہوں اور جس سے ڈرتا ہوں۔"

بچھو کے ڈسے آدمی کو سورہ فاتحہ سے دم

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں سے کچھ لوگ سفر میں تھے اور عرب کے کسی قبیلہ کے پاس سے گزرے اور ان سے مہمان نوازی چاہی تو انہوں نے مہمانی نہ کی، وہ کہنے لگے۔

"تم میں سے کسی کو منتر یاد ہے؟"

ان کے سردار کو بچھو نے کاٹا تھا، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں سے ایک شخص بولا۔

"ہاں، مجھے منتر آتا ہے۔"

پھر اس نے سورہ فاتحہ پڑھی تو وہ اچھا ہو گیا اور انہوں نے اس کو بکریوں کا ایک گلہ دیا تو اس نے نہ لیا اور یہ کہا۔

"میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھ لوں۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کیا اور کہا۔
''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اللہ کی قسم میں نے کچھ نہیں کیا، سوائے سورہ فاتحہ کے۔''
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''تجھے کیسے معلوم کہ وہ منتر ہے؟''
پھر فرمایا۔
''وہ بکریوں کا گلہ لے لے اور اپنے ساتھ ساتھ ایک حصہ میرے لئے بھی لگانا۔'' (کیونکہ قرآن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا تھا)۔

ہر زہر کو دفع کرنے کے لئے دم کرنا

اسود کہتے ہیں، میں نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دم کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا۔
''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کے ایک گھر والوں کو زہر کے لئے دم کرنے کی اجازت دی۔'' (جیسے سانپ بچھو کے کاٹنے سے)۔

''نملہ'' (ایک قسم کی پھنسی) کے لئے دم کا بیان

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نظر اور ڈنک (زہر) اور نملہ کے لئے دم کیا، (نملہ ایک پھنسی ہے جس میں جلن ہوتی ہے اور جگہ بدلتی رہتی ہے یا وہ پھنسیاں جو بغل میں ہوں۔)

بچھو کے لئے دم کی اجازت

سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دم سے منع کیا تو عمرو بن حزم کے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور کہا۔
''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس بچھو کا دم ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دم کرنے سے منع فرمایا ہے۔''
راوی کہتے ہیں کہ انہوں نے وہ دم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا، تم میں اگر کوئی اپنے بھائی کو نفع پہنچا سکتا ہو تو پہنچائے۔''
سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا۔
ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور بولا۔
''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھے اس بچھو سے بڑی تکلیف پہنچی جس نے کل رات مجھے کاٹا۔''
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''اگر تو شام کو یہ کہہ دیتا کہ ''اعوذ بکلمات اللہ التامات'' تو تجھے ضرر نہ کرتا۔'' (نہ کاٹتا)

نظر بد کے لئے غسل

سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''نظر سچ ہے (یعنی نظر میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے تاثیر ہے) اور اگر کوئی چیز تقدیر سے آگے بڑھ سکتی تو نظر ہی بڑھ جاتی (لیکن تقدیر سے کوئی چیز آگے بڑھنے والی نہیں) جب تم سے غسل کرنے کو کہا جائے تو غسل کرو، (کیونکہ جس کی نظر بد لگ جائے، اس کے غسل کے پانی سے نظر لگے ہوئے کو غسل کرا دیا جائے تو ٹھیک ہو جاتا

ہے)۔"

نظر بد کا دم

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے نظر (لگ جانے کی وجہ سے) دم کرنے کا حکم دیتے۔

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حزم کے لوگوں کو سانپ کے (کاٹے کے) لئے دم کرنے کی اجازت دی اور اسماء بنت عمیس سے فرمایا۔

"کیا سبب ہے کہ میں اپنے بھائی کے بچوں کو (یعنی جعفر بن ابو طالب کے لڑکوں کو) دبلا پاتا تو کیا وہ بھوکے رہتے ہیں؟"

اسماء نے کہا۔

"نہیں ان کو نظر جلدی لگ جاتی ہے۔"

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"کوئی دم کر۔"

میں نے ایک دم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"ان کو دم کر دیا کرو۔"

نظر بد سے دم کرنے کے متعلق

ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں ایک لڑکی کو دیکھا جس کے منہ پر چھائیاں تھیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اس کو نظر لگی ہے، اس کے لئے دم کرو۔"

زمین کی مٹی سے دم

ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔

"جب ہم میں سے کوئی بیمار ہوتا اس کو کوئی زخم لگتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی شہادت کی انگلی کو زمین پر رکھتے اور فرماتے۔"

"اللہ کے نام سے ہمارے ملک کی مٹی، کسی کے تھوک کے ساتھ اس سے ہمارا بیمار شفاء پائے گا اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔"

سیدہ خولہ بنت حکیم السلمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے۔

"جو شخص کسی منزل میں اترے پھر کہے کہ میں تمام مخلوق کی شرارتوں سے اللہ تعالیٰ کے ان کامل التاثیر کلمات کی پناہ لیتا ہوں، اس کی پیدا کی ہوئی ہر چیز کے شر سے بچنے کے لئے" تو اس کو کوئی چیز نقصان نہ پہنچائے گی، یہاں تک کہ اس منزل سے کوچ کرے۔"

گھر والوں کو بیماری میں دم کرنا

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ جب ہم میں سے کوئی بیمار ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا دایاں ہاتھ اس پر پھیرتے پھر فرماتے۔

"اے مالک! تو اس بیماری کو دور کر دے اور تندرستی دے، تو ہی شفا دینے والا ہے، ایسی شفا دے کہ بالکل بیماری نہ رہے۔"

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیمار ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیماری سخت ہوئی تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ ویسے ہی کرنے کو پکڑا جیسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا کرتے تھے (یعنی میں نے ارادہ کیا

کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا ہاتھ پھیروں اور یہ دعا پڑھوں) تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں سے چھڑا لیا پھر فرمایا۔

''اے اللہ! مجھے بخش دے اور مجھے بلند رفیقوں کے ساتھ کر۔'' (یعنی فرشتوں اور پیغمبروں کے ساتھ)

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ پھر جو میں نے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہو چکی تھی (یعنی اس دعا کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے پاس بلا لیا، انا للہ وانا الیہ راجعون)۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دم پڑھا کرتے۔

''اے مالک تو اس بیماری کو دور کر دے اور تندرستی دے، تو ہی شفا دینے والا ہے، تیری ہی شفاء ہے، ایسی شفاء دے کہ بالکل بیماری نہ رہے۔''

سیدنا عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم جاہلیت کے زمانہ میں دم کیا کرتے تھے، ہم نے کہا۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔''

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اپنے دم کو میرے سامنے پیش کرو۔'' (دم میں کچھ قباحت نہیں، اگر اس میں شرک کا مضمون نہ ہو۔)

تکلیف اور بیماری میں مومن کا ثواب

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بخار تھا، میں نے عرض کیا۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تو سخت بخار آتا ہے۔''

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''مجھے اتنا بخار آتا ہے جتنا تم میں سے دو کو آئے۔''

میں نے کہا۔

''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دو اجر ہیں؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''ہاں۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''کوئی مسلمان ایسا نہیں جس کو بیماری یا کچھ اور تکلیف پہنچی مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہ گرا دیتا ہے جیسے درخت کے پتے گرا دیتا ہے۔''

بیمار پرسی کی فضیلت کا بیان

سیدنا ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''بیمار کی عیادت (اس کے مکان پر جا کر) کرنے والا جنت کے ایک باغ میں ہے، یہاں تک کہ وہ واپس لوٹے۔''

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا۔''

''اے آدم کے بیٹے! میں بیمار ہوا تو نے میری خبر نہ لی۔''

وہ کہے گا۔

''اے میرے رب! میں تیری خبر کیسے لیتا؟

"تو تو سارے جہان کا مالک ہے۔"
اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔
"تجھے معلوم نہیں ہے کہ میرا فلاں بندہ بیمار
ہوا تھا تو نے اس کی خبر نہ لی، اگر تو اس کی خبر لیتا تو
تو مجھے اس کے نزدیک پاتا، اے آدم کے بیٹے!
میں نے تجھ سے کھانا مانگا لیکن تو نے کھانا نہ دیا۔"
وہ کہے گا کہ۔
"اے میرے رب! میں تجھے کیسے کھلاتا؟
تو تو سارے جہان کا مالک ہے۔"
اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ۔
"کیا تو نہیں جانتا کہ میرے فلاں بندے
نے تجھ سے کھانا مانگا تو تو نے اس کو نہ کھلایا، اگر تو
اس کو کھلاتا تو اس کا ثواب میرے پاس پاتا، اے
آدم کے بیٹے! میں نے تجھ سے پانی مانگا لیکن تو
نے مجھ کو پانی نہ پلایا۔"
بندہ بولے گا۔
"میں تجھے کیسے پلاتا تو سارے جہان کا
مالک ہے۔"
اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔
"کیا تو نہیں جانتا کہ میرے فلاں بندے
نے تجھ سے پانی مانگا تو تو نے اس کو نہیں پلایا، اگر
اس کو پلاتا تو اس کا بدلہ میرے پاس پاتا۔"

یوں نہ کہو کہ میرا نفس خبیث (گندا) ہو گیا ہے

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
فرمایا۔
"کوئی نہ کہے کہ میرا نفس خبیث ہو گیا
(یعنی ناپاک اور نجس) بلکہ یوں کہے کہ میرا نفس
کاہل اور سست ہو گیا۔"
(خبیث اور ناپاک کافر کا لقب ہے اور اس
لئے مسلمان کو یہ لفظ اپنے لئے بولنے سے منع کیا
گیا۔)

ہر بیماری کی دوا ہے

سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"ہر بیماری کی دوا ہے جب وہ دوا پہنچتی
ہے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے شفا ہو جاتی ہے۔"

بخار کو پانی سے ٹھنڈا کرو

سیدہ اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت
ہے کہ جب ان کے پاس کوئی بخار والی عورت
لائی جاتی تو وہ پانی منگواتیں اور اس کے گریبان
میں ڈالتیں اور کہتیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"اس (بخار) کو پانی سے ٹھنڈا کرو اور فرمایا
کہ بخار جہنم کی بھاپ سے ہوتا ہے۔"

بخار گناہوں کو دور کرتا ہے

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ام
سائب (یا ام مسیب) رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے
پاس گئے تو فرمایا۔
"اے ام السائب (یا ام مسیب) تو لرز
رہی ہے، تجھے کیا ہوا؟"
وہ بولیں۔
"بخار ہے، اللہ تعالیٰ اس کو برکت نہ
دے۔"

☆☆☆

تاریخ کے چند دور

ابن انشاء

راہوں میں پتھر
جلسوں میں پتھر
سینوں میں پتھر
عقلوں پہ پتھر
آستانوں پہ پتھر
دیوانوں پہ پتھر
پتھر ہی پتھر

یہ زمانہ پتھر کا زمانہ کہلاتا ہے۔

دیگیں ہی دیگیں
چمچے ہی چمچے
سکے ہی سکے
پیسے ہی پیسے
سونا ہی سونا
چاندی ہی چاندی

یہ زمانہ دھات کا زمانہ کہلاتا ہے۔

لوگ سونے چاندی کو زنجیریں بناتے ہیں
ہمیں اور آپ کو پہناتے ہیں
ہم اور آپ پہن کر خوش رہتے ہیں
بلکہ تھینک یو بھی کہتے ہیں

ایک اور زمانہ ہے آئرن ایج

یعنی لوہے کا زمانہ
لوہا وہ دھات ہے
جس کا سب لوہا مانتے ہیں
ہل کا پھل بھی لوہا
کارخانے کی کل بھی لوہا
لوہا مقناطیس بن جاتا ہے
تو چاندی تک کو کھینچ لاتا ہے
سوسنار کی ایک لوہار کی
سونے والے لوہے والوں سے ڈرتے ہیں
لیکن کوئی کہاں تک رکوائے گا
ہمارے ہاں بھی لوہے کا زمانہ آئے گا
کچا لوہا اور کسی کام نہیں
بس اس سے آدمی بناتے ہیں
جو مرد آہن کہلاتے ہیں
ان کو زنگ لگ جاتا ہے

بلکہ کھا جاتا ہے
پھر بھی لوگ گھوڑے پر سے اٹھالاتے ہیں
زندہ باد کے نعروں سے جلاتے ہیں

....

یہ اور دور ہے
لوگ ننگے گھومتے ہیں
کاغذ کا آدمی
کاغذ کے جنگل
کاغذ کے شیر
ذرا نم ہو تو سب کے سب ڈھیر
کاغذ کے نوٹ
کاغذ کے ووٹ
کاغذ کا ایمان
کاغذ کا مسلمان
کاغذ کے اخبار
اور کاغذ ہی کے کالم نگار

یہ سارا کاغذ کا دور ہے

ننگے ناچتے ہیں
ننگے کلبوں میں جاتے ہیں
ایک دوسرے کو جلسوں میں ننگا کرتے ہیں
عوام تک کے کپڑے اتار لیتے ہیں
بلکہ کھال کھینچ لیتے ہیں
کھالوں سے زرمبادلہ کماتے ہیں
گوشت کچا کھا جاتے ہیں
نہ چولھا ہے نہ سیخ ہے

یہ زمانہ قبل از تاریخ ہے

ملاوٹ کی صنعت
رشوت کی صنعت
کوٹھی کی صنعت
پگڑی کی صنعت
حلوے کی صنعت
مانڈے کی صنعت
بیانوں اور نعروں کی صنعت
تعویذوں اور گنڈوں کی صنعت

یہ ہمارے ہاں کا صنعتی دور ہے

کاغذ کے کپڑے
کاغذ کے مکان
اب اس آخری دور کو دیکھئے
پیٹ روٹی سے خالی
جیب پیسے سے خالی
باتیں بصیرت سے خالی
وعدے حقیقت سے خالی
دل درد سے خالی
دماغ عقل سے خالی
شہر فرزانوں سے خالی
جنگل دیوانوں سے خالی

یہ خلائی دور ہے

لوگ تو ہم کے غبارے پھلاتے ہیں
معجون فلک سیر کھاتے ہیں
رویت ہلال کمیٹیاں بناتے ہیں
آسمان کے تارے توڑ لاتے ہیں
ڈٹ کے دبنے نوش فرماتے ہیں
بیت الخلا میں مدار پر پہنچ جاتے ہیں
ہمارے ہاں کا خلائی دور یہی ہے

☆☆☆

دل گزیدہ

اُم مریم

سینتیسویں قسط کا خلاصہ

قدر کی پریگنینسی پر سب سے زیادہ حمدان خوش ہے، وہ قدر کو ہر ممکن طریقے سے منانے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ اس بچے کو ضائع نہ کروائے۔

سحر کار عورت کے حربے کارگر ہوتے ہیں، بالآخر وہ سلیمان سے نکاح کے بندھن میں بندھے ہر کامیابی حاصل کرتی ہے۔

شانزے اپنی چالوں میں مگن ہے، اس کا حسد حشر اٹھانے پہ تلا ہے، اس کے لئے وہ کسی کی جان تک لینے کو بھی تیار ہے اور اس کا نشانہ قدر ہے۔

شانزے کی نفرت رنگ لاتی ہے، انتقام سر چڑھ کر بولتا ہے اور قدر کی جان خطرے میں ڈال کر وہ حمدان کا بچہ دنیا میں آنے سے قبل ختم کر دیتی ہے۔

حقیقت سے سوائے قدر کے کوئی بھی آگاہ نہیں، آیا ماں حمدان اور سلیمان قدر سے بدگمان ہیں، قدر نے کسی پہ بھی حقیقت منکشف نہیں کی اور خود کو ان کی نظروں میں مجرم رہنے دیا ہے۔

غانیہ ہمیشہ کی طرح صبر کرتی ہیں، انہیں اب بھی قدر سے کوئی گلہ نہیں البتہ وہ دکھ میں ضرور مبتلا ہیں۔

اب آپ آگے پڑھیئے

اٹھتیسویں قسط
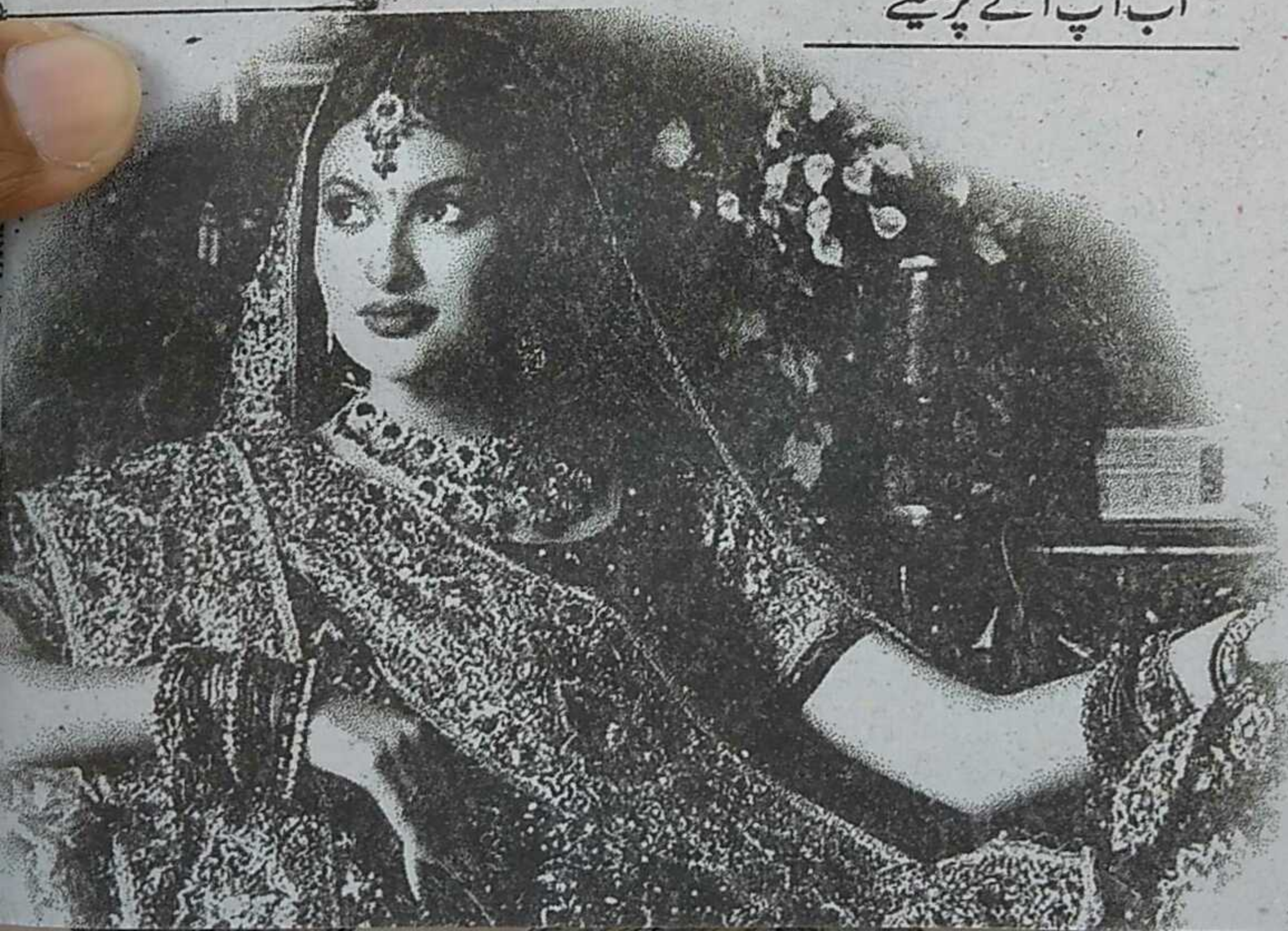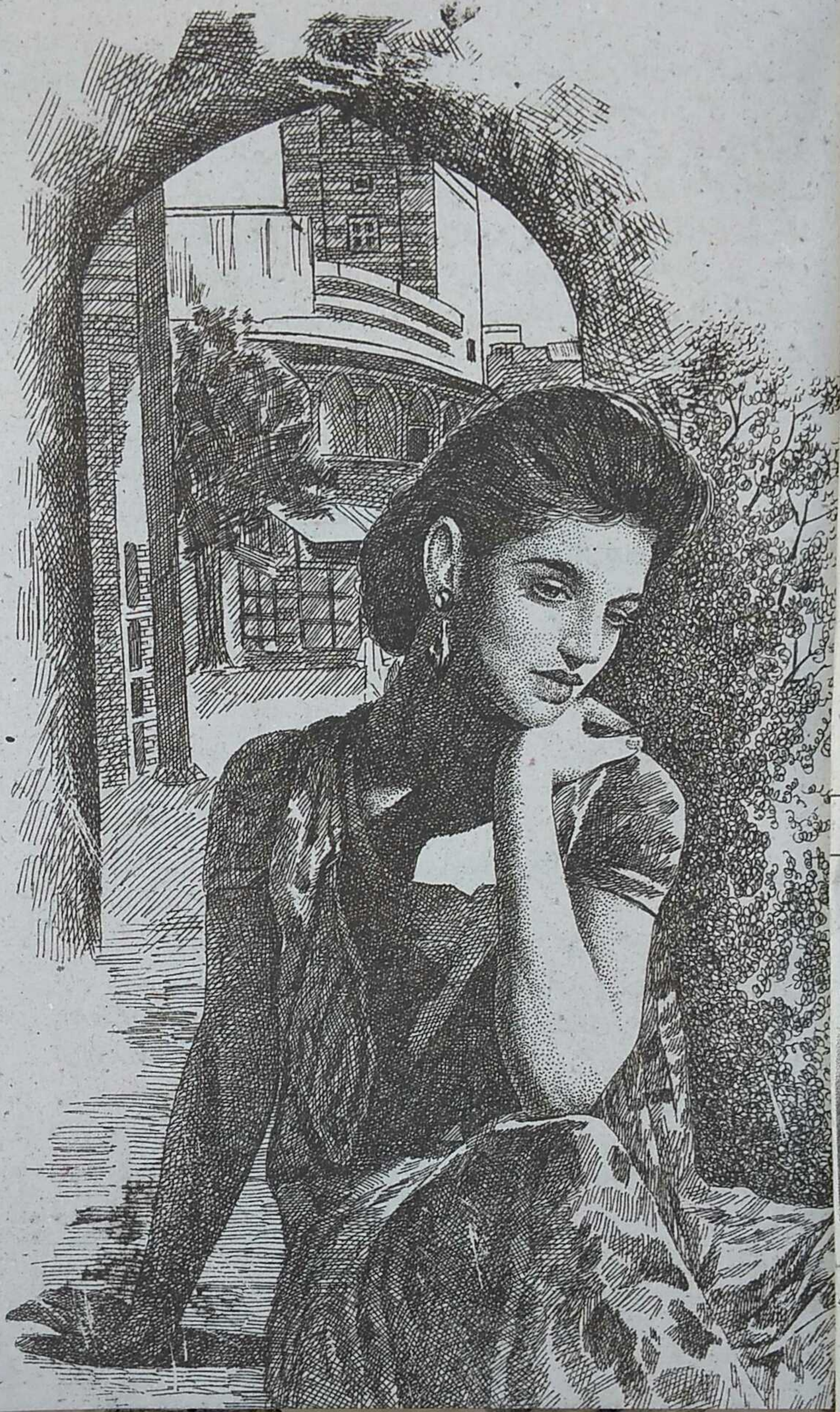
ہوا تھم تھم کر چلتی تھی گویا نخریلی حسینہ ناز و ادا دکھاتی اٹھلا اٹھلا کر قدم اٹھاتی ہو، گاڑی فراٹے بھرتی دھول اڑاتی وہاں آ کر تھمی، یکلخت ناچتی ٹھمکتی قمری کی مانند ہوا کی سرسراہٹ بھی رکی، شاید ہوا کو یوں گاڑی کا مداخلت کرنا پسند نہ آیا تھا، کھلتی ہوئی بیلے کی کلیوں نے چپکے چپکے اپنی خوشبو کو سمیٹ کر منہ بند کلیوں میں چھپالیا تھا کہ دروازہ کھول کر مغرورانہ تاثرات رکھنے والا شخص چھلانگ مار کر تھمے سے باہر نکلا اور پچھلی سیٹ پر بے ہوش لڑکی کو سیٹ پر سے گھسیٹ کر اپنی بانہوں میں اٹھا لیا، فضا میں سبز پتوں کی باس تنہا رہ گئی، اس تنہائی میں ویرانے میں باس زدہ نظروں سے یہ منظر دیکھا اور ایکدم پردہ کر گیا، فضا میں خنکی عود آئی، اس لڑکی کے رخساروں پر کھارے پانی کی جیسی نمی پھیلتی جاتی جسے فضا نرمی سے اپنے اندر سمیٹے جاتی تھی، فضا بس اس کے لئے اتنا ہی کر سکتی تھی شاید، چوڑے شانوں والا مرد گردن اکڑائے لڑکی کو کاندھے پہ ڈالے چلتا تھا، ترمزی پتے شاخوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر اس پہ گرتے تھے، سورج کی اخری نارنجی شعاع ایک الوداعی اداس ناراض نظر اس پہ ڈال کر سرو قد اشجار کی فلک بوس ٹہنیوں کو چھوتی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

سبز پتوں کی باس میں روانی سے گرتے کھارے پانیوں نے شرکت کی اور ہر طرف اداسی کا راج بڑھنے لگا، آوارہ نظر آتے عباس نے حرم کو لے کر محصور کردہ گھر میں قدم رکھا تو اداسیوں نے ہر سو اپنے گھیرے تنگ کر دیئے۔

☆☆☆

اک چہرا میری نگاہوں میں ہے
کوئی یوسف ہے اور چاہ میں ہے

اس نے ایک بار پھر نمبر ملایا اور ناٹ رسپانڈنگ کی ریکارڈنگ سن کر طیش کے عالم میں قیمتی موبائل سیٹ دور پٹخ دیا۔

(وہ آخر اس کے ساتھ کیا ڈرامہ کھیل رہی تھی)۔

اس کا بس نہ چلتا تھا ہر شے کو آگ لگا دے، ایک ذرا سی لڑکی اور اس جیسے جی دار مرد کے ساتھ اک معمولی کھلونے سے بڑھ کر سلوک نہیں روا رکھا رہی تھی۔

(اک بار ہاتھ لگ جاؤ قدر، ایسے نہیں چھوڑوں گا تمہیں، بھاڑ میں گیا رشتہ داری کا لحاظ اور یہ خیال کہ تم میرے بارے میں کیا سوچو گی، دل کے سب ارمان تو ضرور پورے کروں گا، اس کے باوجود کہ تم اب وہ پیور اور خالص نہیں رہیں، کیا فرق پڑتا ہے، میں نے کون سا اب تمہیں عمر بھر گلے میں لٹکا کر رکھنا ہے، اب تو تم بھی ایک ٹشو پیپر سے بڑھ کر حیثیت نہیں رکھتی ہو)۔

اس کی سوچیں زہر آلود ہو رہی تھیں، جب بند دروازے پہ تسلسل سے دستک ہوتی چلی گئی، اس کا پہلے سے خراب موڈ سوا نیزے پہ جا پہنچا۔

"کتنی بار کہوں مجھے بھوک نہیں ہے، بار بار آ کے اب یہ بکواس نہ کرنا اتنا خوفناک رویہ، اتنا عجیب ری ایکشن، دروازے کے پار کچھ ثانیوں کو سناٹا چھا گیا۔"

"چھوٹے صاحب! بیگم صاحبہ کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی ہے، گھر پہ اور کوئی بھی نہیں، ڈسٹربنس کے لئے معذرت لیکن انہیں آپ کو ہی ہاسپٹل لے کر جانا پڑے گا۔"

اب کے ملازمہ جانے کس خوف کے باعث تیز تیز بول کر بات مکمل کر گئی تھی، علی شیر کے چہرے پہ بجائے تشویش کے بے زاری و اکتاہٹ در آئی، ماتھے پہ ناگواری شکنوں کی صورت ابھری۔

''ایک تو والدہ کو بھی چین نصیب نہیں، بیٹھ گئی ہوں گی لیپ ٹاپ لے کر اور سو کولڈ بھائی کے متعلق ساری معلومات حاصل کر کے بستر سنبھال کر لیٹ گئیں، اب وہ ان کا چہیتا تو نہیں آئے گا ان کی تیمارداری کو جس کے صدمے سے بے حال ہو کر بے سدھ ہوئی ہیں، اللہ جانے اس سڑیل میں انہیں نظر کیا آتا ہے، خود چاہے ان پہ ظلم کے پہاڑ توڑ دے، یہ موصوفہ ان کی محبت دل سے نہیں نکالیں گی، بھاڑ میں جائے ان کا فضول بھائی اور اس کی محبت، یہاں تو آرام بھی نصیب نہیں۔''

بڑبڑاتا ہوا وہ ریسکیو ون فائیو پہ کال کر کے ان کی طبیعت کی خرابی کا بتاتا ایڈریس سمجھا رہا تھا۔

''الو کی پٹھی، منہ اٹھا کر مجھے بتانے آ گئی، تم خود کال نہیں کر سکتیں، یہ عوام کے خادم کب کام آنے ہیں، خواہ مخواہ ادارے بنائے ہوئے ہیں حکومت نے اگر ان سے کام نہیں لینا۔'' وہ جلتا کڑھتا پھر سے بستر پہ اوندھ گیا، کمرے کی فضا میں یاسیت آمیز خاموشی چھا گئی، اولاد نا خلف ہو نا فرمان ہو تو ایسی بے حسی بھی ہرگز قابل مذمت نہیں۔

☆☆☆
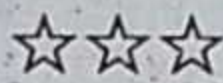
اس نے جب جب بھی مجھے دل سے پکارا محسن
میں نے تب تب یہ بتایا کہ تمہارا محسن
لوگ صدیوں کی خطاؤں پہ بھی خوش رہتے ہیں
ہم کو لمحوں کی وفاؤں نے اجاڑا محسن
ہو گیا جب یہ یقین اب نہیں وہ آئے گا
غم اور آنسوؤں نے دیا دل کو سہارا محسن
وہ تھا جب پاس تو جینے کو بھی دل کرتا تھا
اب تو پل بھر بھی نہیں ہوتا گزارا محسن
اس کو پانا تو مقدر کی لکیروں میں نہیں
اس کو کھونا بھی کریں کیسے گوارا محسن

قطرہ قطرہ پگھلتی رات اور بارش کے پانیوں میں نہائے یہ اندھیرے کسی آسیب کی طرح اسے اپنے پنجوں میں کسے جا رہے تھے، وہ ساکن بیٹھا تھا بالکل پتھرایا ہوا، بچے کے رونے کی آواز میں تسلسل آ رہا تھا، اس کے وجود میں پھر بھی جنبش نہ ہوئی۔

''وہ مجھے پھر ملا ہے، مجھے اپنانے پہ آمادہ ہے، تمہیں میں اس لئے بتا رہی ہوں کہ میں جب بھی یہاں سے جاؤں، مجھے ڈھونڈنے کی حماقت نہ کرنا۔'' وہ اس کے سامنے کھڑی پتا نہیں اسے دھمکی دے رہی تھی یا آگاہ کر رہی تھی، وہ قطعی نہیں سمجھ سکا، اس کے اعصاب ہی مفلوج ہو گئے تھے۔

''میرا نہیں خیال کہ تم روایتی غیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے مجھے روکنے کی کوشش کرو گے اور اگر ایسا کرو گے تو کیا میں تمہیں بتاؤں کہ تم حماقت کرو گے؟'' وہ اس سے سوال کر رہی تھی، طنزیہ

لب و لہجے میں، عمر کچھ نہیں بولا، ہلکا پھلکا سا رنج غصہ اور تھوڑی سی نفرت لئے اسے دیکھتا رہا۔

''میں چاہتی تو بچے کو ساتھ ہی لے کر جا سکتی تھی، مگر میں ایسا نہیں کروں گی، جانتے ہو کیوں؟ میں اپنے پیرنٹس کو سزا دینا چاہتی ہوں، ساری زندگی وہ اس بچے کو پالیں اور سزا بھگتیں کہ انہوں نے مجھ پہ جبر کیا تھا، بچے کی جان نہیں لیں گے وہ یہ یقین ہے مجھے، کہ اگر میری اس جرأت کے جواب میں انہوں نے مجھے قتل نہیں کیا تو اس ننھی جان کا خون کیسے کر سکتے ہیں بھلا وہ۔'' اب کے وہ ہنسی تھی، ایسی ہنسی جو دوسروں کا سکون غارت کر دے، دوسروں کو اذیت سے لبریز کر دے، وہ بھی انسان سے حیوان ہو گئی، عمر کچھ نہ بولا، صرف اس کی آگ کے گولے برساتی آواز کانوں سے ٹکراتی شگاف کرتی محسوس کرتا رہا، اسے لگا صبا نے اس کے ساتھ کچھ بھی غلط نہیں کیا، تھوڑے سے ردوبدل کے ساتھ حجاب بھی تو یہی کر چکی تھی، بے حسی برت چکی تھی، عورت کے لئے مرد بدلنا ہرگز مشکل نہیں ہوتا، یہ بات طے ہو گئی تھی اور طے شدہ باتوں پہ سمجھوتہ کیا جاتا ہے، واویلا نہیں، وفا اس کا جرم تھی، وہ اسے کسی اور کے کھاتے میں ڈال کر حساب مانگتا تو نادانی اس کی تھی۔

☆☆☆

بہاررت میں اجاڑ رستے تکا کرو گے تو رو پڑو گے
کسی سے ملنے کو جب بھی محسن سجا کرو گے تو رو پڑو گے
تمہارے وعدوں نے یار مجھ کو تباہ کیا ہے کچھ اس طرح سے
کہ زندگی میں پھر کسی سے دغا کرو گے تو رو پڑو گے
میں جانتا ہوں میری محبت اجاڑ دے گی تمہیں بھی ایسے
کہ چاندراتوں میں جب کسی سے ملا کرو گے تو رو پڑو گے
برستی بارش میں یاد رکھنا تمہیں ستائیں گی میری آنکھیں
کسی ولی کے مزار پر جب دعا کرو گے تو رو پڑو گے

وہ جھولے پہ بیٹھی ہلکورے لیتی بلند آواز سے گاتی تھی، بلکہ اس ہی سناتی تھی حمدان کو وہ ہرگز کسی سزا سے کم نہ لگی، اس نے ایک خشک سی نگاہ اس پہ ڈالی اور منہ پھیر کر آگے بڑھ گیا، وہ ذرا بھی بدل نہ ہوئی، بددل ہونے والی ہوتی تو یہاں نہ ہوتی، ابھی وہ قدر کا سر کھا کے آئی تھی، تاک تاک کر نشانے لگاتی ہوئی۔

خود بخود چھوڑ گیا تو چلو ٹھیک ہوا
اتنے احباب کہاں تم سے سنبھالے جاتے
تم بھی غالب کی طرح کوچہ جاناں سے ساقی
نہ نکلتے تو کسی روز نکالے جاتے

وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے عین اس کے سامنے آ کر ایسے کھڑی ہوئی کہ قدر کے لئے راہ فرار بھی کوئی نہ بچی، قدر کی نظروں سے الجھن اور اضطراب چھلکنے لگا، کیا شک وہ اس سے خائف رہنے لگی تھی، شانزے اسے بغور دیکھ رہی تھی، نظروں کا انداز طنزیہ تھا، گو کہ وہ آدھی بھی نہ رہ

گئی تھی، نہ رنگ روپ ہی وہ تھا اس کے باوجود اک تمکنت اک شاہانہ پن اور اک دبدبہ اس کی شخصیت کا خاص حصہ محسوس ہوتا تھا، حسن ماند ہو کر بھی چھایا ہوا لگتا تھا۔

''چچ چچ چچ......ترس آتا ہے مجھے تم پہ۔'' وہ اسے ترحم آمیز نظروں سے دیکھنے لگی۔

''کتنی پیاری ہو تم، اتنی خوبصورت اتنی حسین اور ایسی ہوش ربا کہ جو ایک بار دیکھے مبہوت رہ جائے، مگر ایسے حسن کا فائدہ جسے اک نگاہ بھی سراہنے والی میسر نہ ہو، ایسا حسن تو ردی کا ڈھیر ہے، تم لاکھ چھپاؤ مگر میں جانتی ہوں، حمدان کی دلچسپی تم سے ختم ہو چکی ہے، میری ایک معمولی سی کوشش تمہیں آسمان سے فرش پہ پھینک گئی، یہ تھی تمہاری اوقات؟'' اس کی ہنسی میں ایسا کٹیلا زہر تھا کہ قدر توہین سے اذیت سے شق ہوتی چلی گئی، تیز کرنے کے لئے ایک سے ایک طریقہ موجود ہے، بس کسی کو استعمال کا طریقہ آتا ہو، اور شانزے کو یہ گر آتا تھا۔

''تم نے اپنے لئے اس کی آنکھوں میں وہ نفرت دیکھی ہے؟ میں نے دیکھی ہے، وہ اب تم سے نفرت کرتا ہے، وہ دن بھی دور نہیں جب وہ تم سے جان چھڑا کر مجھے اس مسند پہ بٹھائے گا جس کو تم نے عارضی سہی مگر چھین لیا تھا مجھ سے اور میں معاف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔''

اور وہ بھی ضرور کچھ کہتی، اس کی سماعتوں میں مزید صور پھونکتی مگر قدر آنکھوں میں آنسو لئے پلٹ کر وہاں سے بھاگ گئی تھی، وہ مسکرائے گئی، گنگنائے گئی۔

اے جذبہ دل گر میں چاہوں
ہر چیز مقابل آ جائے
منزل کی طرف دو گام چلوں
اور سامنے منزل آ جائے
اے جذبہ دل گر میں چاہوں

وہ آ کر جھولے پہ بیٹھ گئی، حمدان کی بے رخی کو محسوس کیا تو زعم سے ہنس دی۔

(کب تک بھاگو گے حمدان منصف، آنا تو تمہیں اک دن میری باہوؤں میں ہی ہے) اس کی سوچوں میں تکبر کے رنگ تھے، معاً کچھ خیال آنے پہ فون اٹھایا اور کچھ نمبر ڈائل کرنے لگی، مسلسل ٹرائی اور صبر آزما انتظار کے بعد جا کے عباس کی سوئی جاگی آواز سننے کو ملی۔

''ہیلو۔''

''وعلیکم ہیلو...... اچھی دوستی کا رشتہ باندھا ہے بھئی، کیا باقی معاملات کا حشر بھی تم ایسا کرتے ہو؟ جب جی چاہا ہاتھ ملایا گلے لگایا اور جب جی چاہا نظریں پھیر لیں، لات ماری، تو کون میں کون۔'' وہ تو شروع ہی ہو گئی، ایسے لتے لئے کہ عباس کی ہنسی چھوٹ گئی۔

''ماشاء اللہ، لگتا ہے خوب سیر ہوئے ہو من پسند قربت سے۔'' وہ پہلے چہکی اور پھر بے تحاشا سطحی ہو گئی، جواباً عباس نے سرد آہ بھری۔

''اپنے ایسے بھاگ کہاں، اسے وہاں چھوڑ آیا ہوں، دوبارہ جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے، اس کی گمشدگی کی خبر پھیل گئی ہو گی، دھر نہ لیا جاؤں۔'' اس جواب نے شانزے کو جی بھر کے بدمزا تو کیا ہی تھا، بدمزاج بھی بنا دیا۔

''ہزار بار لعنت ہو تم پہ، میں نے یہاں جان ہتھیلی پہ رکھ کر یہ کام کیا، یہاں سب یہی سمجھ رہے ، وہ گھر پہنچ گئی، ڈرائیور کو تائید کی تھی اسے عین اس جگہ پہ اتارے جہاں تم منتظر تھے، خراب گاڑی کا تو بہانہ تھا، کسی کو مکھن سے بال نکالنے میں بھی تردد کرنا پڑتا ہوگا تمہیں تو ایسی مشقت بھی نہ کرنا پڑی اور گوہر نایاب ہاتھ آ گیا، جواب میں ایسی ناقدری، بزدلوں کے ہاتھ کچھ نہیں آتا تو تم بھی بغلیں ہی جھانکو گے مجھے یقین ہے۔'' وہ تو پھٹ پڑی تھی، عباس بوکھلا اٹھا۔

''اچھا سوری یار، کیوں خفا ہوتی ہو، جاتا ہوں وہاں ہی، ویسے تمہارے مشورے اور تمہارے تعاون بھی بالکل تمہاری طرح ہیں، منحوس اور خرانٹ۔'' خجالت مٹانے کو وہ اس کا مضحکہ اڑا رہا تھا، آگ تو شانزے کو بہت لگی مگر مجبوری تھی، اس کم ظرف کا ساتھ لینا پڑتا تھا، اکیلی وہ یہ سب بھلا کہاں اور کسی حد تک کر پاتی اور دشمن کو سبق بھی ایسا سکھاتا تھا، ایسی چوٹ لگاتا تھا کہ وہ پانی بھی نہ مانگ سکے۔

☆☆☆
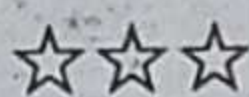
کہنا ہے جناب سے
پیار سے آداب سے
دل کی آواز سے
بڑے اطمینان سے
کہوں اپنی جان سے
آئی لو یو ایمان سے

وہ مسکراتا گنگناتا ہوا ٹوٹی پھوٹی دھول مٹی سے اٹی سڑکوں سے ہوتا کچے پکے مٹی کے گھروں کے آگے سے گزرتا ایک سڑا ہوا دو چار کھوکے والا بازار عبور کرتا، دیہاتی گندی سندی عورتوں اور ننگ دھڑنگ بچوں کو دیکھتا کوڑے کے بلند و بالا ڈھیروں سے بھنبھناتی مکھیوں کی یلغار کے ترانے سنتا بالآخر وہاں پہنچ گیا، بقول شانزے جہاں اس کا گوہر مقصود تھا، لکڑی کا کواڑ سختی سے بند تھا، جسے اس نے کھولا تو ترنگ ہی اور ہونے لگی، اندر حرم موجود تھی جو دمے کے مریض کی طرح کھانس کھانس کر بے حال ہو رہی تھی، اس کا دل اس غم سے ناسور بن گیا تھا، اس خیال نے اس کے اندر آگ لگا دی تھی، کہ وہ اس جگہ پہ اس لئے بند ہے کہ اس نے عباس کو کبھی اس انداز میں اہمیت نہ دی تھی جیسی وہ چاہتا تھا، اگر اس کے ہاتھ پیر آزاد ہوتے تو وہ اور کچھ نہ بھی کرتی خود کو کسی بھی طریقے سے ختم ضرور کر دیتی، ایک اغواء شدہ لڑکی کی حیثیت سے ذلت آمیز انداز میں جینا اور لوگوں کی نظروں کا طنز و ترحم سہنا اس کے بس سے باہر کی بات تھی، اس کا منہ کپڑے سے کس کر بندھا ہوا نہ ہوتا تو وہ بلند آواز سے چلا کر دنیا کو اس ظلم کے بارے میں ضرور خبر دیتی مگر چٹائی پر اوندھی گری وہ کچھ بھی کرنے سے قاصر تھی، عباس کو روبرو دیکھ کر وہ اتنا سہم جائے گی اسے اندازہ نہ تھا، جس تیزی سے اس کے منہ سے چیخ نکلی ایسی ہی اس کے جسم سے جان نکل گئی تھی۔

آنکھ کہتی ہے میری
حسین یوسف کی قسم

ساری دنیا میں نہیں
کوئی حسین تجھ سا صنم
او...... دلربا
نہیں ہے کوئی دوسرا
بخدا...... بخدا ہے کوئی دوسرا

وہ اس کے سامنے بیٹھ گیا، اسے مٹھی لو دیتی نظروں سے دیکھتا اس کا ضبط آزمانے لگا، حرم کی بے بسی عروج پہ جا پہنچی، ایسی گھن اسے کبھی کسی سے محسوس نہ ہوئی، جیسی اس پل اس سے ایسی حقارت کا مظاہرہ کرنے کا اس کا کبھی تصور بھی نہ تھا، جو اس پل اس کے جی میں اٹدا کہ کاش اس کا منہ کھلا ہوتا اور وہ اس کے چہرے پہ تھوک دیتی۔

آپ مسکائیں تو پھولوں کا رنگ نکھرتا ہے
آنکھ جب کھولیں تو دنیا میں دن نکلتا ہے
او ...... دلربا ....
نہیں ہے کوئی دوسرا ....
بخدا بخدا...... نہیں ہے کوئی دوسرا

اس نے کھینچ کر دوپٹہ حرم کے جسم سے الگ کیا تو حرم بے اختیار گھبرا گئی، آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔

''بہت خوش تھیں تم کہ میں نے تمہیں طلاق دے دی، مجھ سے جان چھوٹنے پہ جشن تو خوب منایا ہوگا ہے نا؟'' وہ نزدیک آیا اور اس کے ریشمی کھل کر بکھر جانے والے بالوں کو بے دردی سے مٹھی میں جکڑ لیا، حرم کسمسانے لگی، اپنے آپ میں سمٹنے لگی، رنج کی شدید کیفیت اس کے پورے چہرے پر پھیلی ہوئی تھی۔

''آج میں جشن مناؤں گا، تمہیں دوبارہ حاصل کر کے۔'' وہ مکروہ ہنسی ہنسنے لگی، حرم کا رنگ بالکل پیلا پڑ گیا، ایسے گویا لہو کا ایک قطرہ نہ بچا ہو۔

''محبت شبنم ہوتی ہے...... تھی...... جب تک تم میرے نکاح میں تھیں، اب یہ محبت آگ ہے اور آج میں تمہیں اس آگ میں جلا دوں گا، خاکستر کر ڈالوں گا۔'' وہ اپنے عزائم بتا رہا تھا، حرم کو لگا، جان اس کے حلق میں اٹک گئی ہے، باہر دن ایک دم اندھیرے کی لپیٹ میں آ گیا، اسے سانس لینا دشوار محسوس ہوا تھا۔

☆☆☆

تذلیل سہیں گے کب تک
کیوں جینا یہاں آسان نہیں
وہ خواب تھا لاکھوں آنکھوں کا
یہ وہ تو پاکستان نہیں
یہاں قوم کو بیچنے والے بھی

سونے میں تولے جاتے ہیں
دروازے ان کی پلکوں کی
جنبش پہ کھولے جاتے ہیں
ہم پوچھتے ہیں زر والوں سے
کیا ہم مفلس انسان نہیں
جو خواب تھا لاکھوں آنکھوں کا
یہ وہ تو پاکستان نہیں
دن کاٹ کے ذلت میں شب کو
جاگتے ہیں فٹ پاتھوں پر
کچھ ٹوٹی آس کے ٹکڑے ہیں
کچھ پھوٹے چھالے ہاتھوں پر
جو لوگ وطن کی جان ہیں کیوں
ان ہی کے بدن میں جان نہیں
جو خواب تھا لاکھوں آنکھوں کا
یہ وہ تو پاکستان نہیں

اس کے نمبر پہ بار بار کال آ رہی تھی، نمبر قدر کا تھا، وہ اگنور کیے گیا، اسے وقت وہ ایک اسکول کی تقریب میں وی آئی پی کی حیثیت سے مدعو سلیمان خان کی سیکورٹی کے دستے کی نگرانی پہ مامور تھا، ڈائس پہ موجود بچہ جو نظم پڑھ رہا تھا اس کا سارا دھیان اسی جانب تھا، کال پھر آنے لگی، اس نے پھر ڈسکنکٹ کی تھی، وہ سلیمان خان کی نشست کے پیچھے بالکل الرٹ کھڑا تھا، پتا نہیں وہ بار بار ڈسٹرب کیوں کر رہی تھی، حالانکہ اب اس کے حوالے سے کم از کم وہ ڈسٹرب ہونا نہیں چاہتا تھا مگر وہ تھی کہ بار بار اس کے راستے میں آ جاتی، جیسے ابھی صبح وہ پھر از خود اسے مخاطب کر گئی تھی۔

''مجھے...... آپ سے کچھ کہنا ہے۔''

وہ شاید نہائی تھی، اس کے سیاہ بے حد سلکی اور ریشمی بال بالکل سیدھے اس کے کاندھوں سے نیچے تک گرتے تھے، پنک بہت پیارا سا سوٹ پہنے تھی، اس کی رنگت پھر سے سوٹ کے رنگ میں بدلنے لگی تھی جیسے، یعنی اس کے زخم مندمل ہو رہے تھے، مگر حمدان کے نہیں، حمدان نے محض اسے اک نظر دیکھا، کچھ بولا نہیں، اسے اس پہ بہت غصہ تھا، وہ اس کا ناقابل تلافی نقصان کر چکی تھی۔

''اپنی کزن کو یہاں سے بھیج دیں، مجھے اس سے ڈر لگتا ہے۔'' اٹک کر رک کر سہی مگر وہ کہہ گئی تھی، جواباً حمدان کی نظروں کا تمسخر سہنا پڑا۔

''حیرت کا مقام ہے، ڈرانے والے ڈرنے لگ گئے ہیں۔'' اس کا لہجہ خشک تھا، قدر کی آنکھیں بھر آئیں، وہ واقعی بدل گئی تھی۔

''میرا اس پہ کوئی اختیار نہیں، وہ اپنی مرضی کی مالک ہے، یہ سمجھوتہ تمہاری مجبوری ہے۔''

جواب مل گیا تھا، جو ہرگز اس قابل نہ تھا کہ حوصلہ افزا کہا جا سکتا، قدر دکھ سے شل ہو گئی، یقین

نہ آتا تھا، وہ اتنا بے حس بھی ہوسکتا ہے، ایسے بدل بھی سکتا ہے، اس نے اپنا بچہ کھودیا تھا اور اصل سازش کا علم نہ کرسکا، کہنے کو پولیس میں تھا، اک دن وہ قدر کو بھی دفنا دے گا اور اسے حادثہ یا اس کی خودکشی سمجھ کر ان سازشوں کی موجد سے شادی رچا کر بیٹھ جائے گا، ایسے لوگوں کے ساتھ شاید یہی ہونا بھی چاہیے، یہ یہی ڈیزرو کرتے ہیں، اس نے سوچا اور خاموشی اختیار کرلی اور حمدان کو علم بھی نہ ہوسکا، وہ کس گھاٹے میں جا رہا ہے سو وہ اس وقت بھی لاعلم تھا، مطمئن تھا، قدر کے نمبر سے آنے والی مسلسل کالز کو ڈسکنکٹ کرنے کا اسے ذرا بھی ملال نہ تھا، اس کی توجہ پھر نظم پڑھتے بچے کی جانب تھی جو اس کے لئے اپنے دل کی آواز بنتی جا رہی تھی۔

یہ نگری دہشت والوں کی
یہ دیس نہیں مجبوروں کا
جہاں ذلت ہونا داروں کی
جہاں غلبہ ہونا سوروں کا
جہاں سکہ جھوٹ کا چلتا ہو
سچ کی کوئی پہچان نہیں
جو خواب تھا لاکھوں آنکھوں کا
یہ وہ تو پاکستان نہیں

فون ایک بار پھر کال کے آنے کی خبر دینے لگا، اس نے دانستہ وائبریشن پہ لگا دیا تھا تاکہ بیل کی آواز سے ماحول میں ڈسٹربنس نہ ہو، اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر فون نکالا ارادہ آف کرنے کا تھا مگر چونک گیا، اب کی مرتبہ کال غانیہ کے نمبر سے تھی، وہ ہرگز نظر انداز نہ کرسکا۔

''ہیلو...... جی ممی......؟''

''جانتی ہوں بیٹے آپ ڈیوٹی پہ ہو، کبھی ڈسٹرب نہ کرتی مگر اس بار ڈاکہ محافظ کے گھر پہ پڑا ہے، غضب ہوگیا ہے۔''

وہ بات کم کر رہی تھیں روزیادہ رہی تھیں، بہت سے الفاظ تھے ان کی کراہوں اور سسکیوں میں ہی گم ہوگئے، حمدان جو بھی جتنا بھی سمجھا یہ ضرور جان گیا کچھ غلط ہوچکا ہے۔

''کنٹرول یور سیلف والدہ، مجھے آرام سے بتایئے ہوا کیا ہے؟'' اسے اپنے اعصاب پہ بہت کنٹرول تھا، اپنی جگہ پہ اپنے ساتھی کو کھڑا کر کے وہ خود سائیڈ پہ ہوا، غانیہ کی سسکیوں میں اضافہ ہی ہوا تھا بجائے اس تسلی و ڈھارس پہ کمی آنے کے۔

''اب آرام کہاں، ہم تو لٹ گئے ہیں، سمجھو برباد ہوگئے ہمیشہ کو، حرم کل کی گئی ہوئی ہے یہاں سے گاؤں مگر گھر نہیں پہنچی۔'' وہ زار و قطار رو پڑی تھیں، زمین تو حمدان کے قدموں تلے سے بھی سرکی، فنکشن کی رنگارنگی ایکدم غائب ہوگئی، وہ پلٹ کر دیکھے بنا تیز قدموں سے چلتا ہال سے باہر آگیا۔

''کیا کہہ رہی ہیں آپ...... ڈرائیور سے پوچھیں، وہ گھر چھوڑ کر نہیں آیا تھا حرم کو۔'' چہرے پہ اڑنے والی ہوائیوں کے ساتھ وہ سراسیمہ سا سوال کر رہا تھا، خبر ایسی تھی کہ اس کے حواس سلامت

نہیں رہ سکے تھے۔

''وہ تو پتا نہیں کیا کچھ کہہ رہا ہے، اتنی غیر ذمہ داری، مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہی، آپ خود اس سے پوچھ لیں آ کر۔'' غانیہ نے اسی ہیجان زدہ کیفیت میں کہہ کر فون بند کر ڈالا، حمدان کے سر میں دھماکے سے ہونے لگے، اسے نہیں خبر تھی وہ گھر کیسے پہنچا، ڈرائیور بیچارا اس صورت حال سے خود گھبرایا ہوا تھا، قدر کے سوالوں کا جواب دیتا ہوا، حمدان نے جاتے ہی اسے کلائی سے پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹ لیا۔

''مجھے صرف سچ سننا ہے، ورنہ میں تمہارے اتنے ٹکڑے کروں گا کہ موت کے بعد بھی قرار نہیں پا سکو گے بتاؤ حرم کو گھر نہیں چھوڑا تو کہاں چھوڑا۔'' وہ بولا تھا کہ گرجا تھا، قدر کو اس سے خوف محسوس ہوا، سرخ رنگت سرخ انگارہ آنکھیں، وہ تو پہچانا نہیں جاتا تھا۔

''صاحب قسم لے لو، ہم نے جو کہا سچ کہا ہے، گاڑی خراب ہو گئی تھی، ہم ٹھیک کروا کے بی بی کو گھر پہنچانا چاہتے تھے مگر...... شانزے بی بی نے منع کر دیا، انہوں نے کہا تھا واپس آ جاؤ یہاں سے حرم بی بی خود گھر جا سکتی ہیں۔''

''اور تم نے اس بدذات کی بات مان لی۔'' حمدان کا وزنی ہاتھ گھوما اور ڈرائیور کو تیورا کے رکھ گیا، قدر کے منہ سے چیخ نکل گئی، بے اختیار سہم کر وہ کئی قدم پیچھے ہوئی تھی، اس وقت وہ ایک سفاک اور روایتی پولیس والے کے سوا کچھ نہیں لگتا تھا، جن کے اندر انسانیت نہیں ہوتی۔

''تمہیں بعد میں پوچھتا ہوں میں۔''

وہ غرایا اور اسی جارحانہ موڈ میں اندرونی حصے کی جانب بڑھ گیا، جب تک وہ گھبراتی بوکھلاتی اس کے پیچھے بھاگی آئی حمدان لاپرواہ بے نیاز نظر آتی شانزے کو زبردستی سہی مگر اپنی عدالت میں گھسیٹ چکا تھا۔

''تم گھٹیا ہو، مگر اس قدر گر جاؤ گی اندازہ نہیں تھا مجھے، بتاؤ حرم کے ساتھ کیا کیا ہے تم نے، بتاؤ ورنہ میں تمہارا خون پی جاؤں گا۔'' وہ اتنی زور سے دھاڑا تھا کہ قدر کو لگا وہ واقعی اسے جان سے مارنے سے گریز نہیں کرے گا، وہ سہمی ہوئی مگر فق چہرے کے ساتھ دونوں کو دیکھتی تھی، شانزے کا سکون بھی زیر و زبر ہوا، بنا سوچے سمجھے وہ اٹھ کر باہر جانے کو لپکی تو حمدان نے اسے بازو سے پکڑ کر اتنی زور سے جھٹکا دیا کہ شانزے کو اپنا بازو جڑ سے اکھڑتا محسوس ہوا، وہ جن خونخوار نظروں سے اسے دیکھتا تھا، جس بے ہنگم انداز میں اس کی سانسوں کا شور اٹھتا تھا اندازہ کرنا مشکل نہ تھا وہ کتنے غصے کس درجہ طیش میں مبتلا ہے۔

''دیکھ لو قدر، تمہارا شوہر کیسے میری عزت پہ ہاتھ ڈال رہا ہے گواہ رہو کہ میں نہیں یہ میرے پاس آیا ہے اور میرا ہاتھ پکڑا ہے، اب یقین آیا کہ اسے کوئی بھی بہانہ چاہیے مجھے چھونے......'' اس کی بات مکمل نہیں ہو سکی، جیسے غیض و غضب کا حمدان شکار تھا، ایسا ہی زناٹے کا تھپڑ بنا لحاظ کے اس کی تواضع کر سکتا تھا، جس نے کی، وقتی سہی مگر شانزے کا دماغ ضرور اپنی جگہ سے ہل گیا، سبکی کے احساس سے ماتھے پہ پسینہ دھاریوں کی صورت نمودار ہوا۔

''طے ہو گیا کہ جن کی اپنی عزت نہیں ہوتی وہ دوسروں کی بھی عزت دو کوڑی کی کرنے کے

لئے کوئی بھی گھٹیا حربہ اختیار کر سکتے ہیں، یاد رکھنا اگر حرم کی آن پر عزت پہ ذرا سا بھی حرف آیا، میں تمہیں جہنم واصل ضرور کروں گا۔" لال بھبھوکا چہرے کے ساتھ اسے انجام سے آگاہ کرتا وہ اسی جارحیت بھرے انداز میں پلٹا تو راستے میں کھڑی قدر کو بھی اس جارحیت کا نشانہ بناتا سامنے سے دھکیلتا آندھی طوفان کی طرح بگولے کی طرح وہاں سے نکل گیا۔

"جو مرضی کرلو، یہ اپنے اونچے ناک کو کٹنے سے دامن داغدار ہونے سے نہیں بچا سکتا، اب تک تو وہ میلی بھی ہوگئی ہوگی، کیچڑ سے لتھڑ بھی گئی ہوگی۔"

قدر ابھی پہلے دھچکے سے نہیں سنبھلی تھی، شانزے کے ہذیانی لہجے پہ چونک کر بلکہ خوف زدہ ہو کر اسے غیر یقین نظروں سے دیکھنے لگی، اسے یقین نہ آتا تھا کوئی انتقام میں ایسا اندھا بھی ہوسکتا ہے، اتنا بھی گر سکتا ہے۔

"تم بھی بے فکر نہ رہنا، ایک کانٹا نکل گیا، اگلا ہدف تم اور حجاب ہی ہو، میں اپنے دشمنوں کو مہلت اور رعایت دینا پسند نہیں کرتی۔" وہ سفاکی کی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی، قدر کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر دوڑنے لگی، کچھ کہے بغیر وہ مضطرب سی وہاں سے پلٹی تو غانیہ کے کمرے کے سامنے سے گزرتی ٹھٹک گئی۔

"یارب العالمین! کوئی بھی بری خبر سنانے سے قبل مجھے موت دے دینا، میری بچی کی حفاظت فرمانا، اس کی عزت بچا لینا، مالک...... میرے مالک...... ساری زندگی تیری رضا میں راضی رہی ہوں، اب میری مرضی کے مطابق فیصلہ کردے، حرم کی عزت بچالے، اس کی حفاظت فرما۔" آہیں سسکیاں بے قراری، خشوع وخضوع کا ایسا عالم جو کبھی اس کے دیکھنے میں نہیں آیا، وہ آگے نہیں بڑھ سکی، دل غم سے بھر گیا، اس نے جانا زندگی میں بہت سے سانحات حادثات اور نقصانات سے بچنے کے لئے ماں کا ہونا کتنا ضروری ہے، کس قدر اہم ہے، ربا...... ماؤں کو ہمیشہ سلامت رکھنا آمین۔

اب بھلا حرم کو کیا ہوسکتا تھا، ہاں اسے کچھ نہیں ہوسکتا اسے یقین ہوا۔

☆☆☆

عجیب شخص تھا وہ زندگی میں
جسے سمجھ کر بھی میں نہ سمجھ سکا
مجھے چاہتا بھی غضب کا تھا
مجھے چھوڑ کر بھی چلا گیا

ہر سو خامشی اور سناٹا تھا، رات کا جانے کون سا پہر، آسمان پر موجود چاند ستارے اس سے بے نیاز اپنی ہی انجمن میں مگن تھے، رات کے اس پہر آسمان کا جوبن اپنے عروج پہ تھا، ایک پل کو وہ سب کچھ بھول کر آسمان کی نرالی چھب دیکھنے لگی، گہری نیلی تاحد نگاہ پھیلی جگمگاتے ستاروں نے روشن آسمان کی چادر جیسے اسے اپنی طرف کھینچنے لگی، آسمان کا یہ سجیلا روپ بے حد متاثر کن تھا وہ مگن سی ہونے لگی، فضا میں شاید کوئی پرندہ چیخا تھا کہ وہ چونکی اور گہرا سانس بھرتی اپنے خالی ہاتھ دیکھنے لگی۔

حرم کی گمشدگی کا احساس ایسا شاک میں گھبراہٹ و اضطراب میں مبتلا کر دینے والا تھا کہ اسے اپنے حواس سلامت رکھنا ممکن نہ رہا، حمدان کے گھر لینڈ لائن پہ کال کرنے سے جو اطلاع غانیہ نے اسے دی اس کے مطابق تو حرم کل کی آ گئی تھی، پھر وہ کہاں گئی، گھر کیوں نہ پہنچی، اس نے محسوس کیا تھا کچھ بھی اپنی جگہ پہ سلامت نہیں رہا، نہ زمین نہ آسمان نہ ہی کون و مکاں۔

تو کیا اب اس ذلت کی کمی باقی رہ گئی تھی، اسے کچھ نہ سوجھا سوائے اس کے کہ وہ حمدان کو اس اہم بات سے آگاہ کر دے، اپنی طرف سے تو اس نے حمدان کا ہی نمبر ملایا تھا مگر جانے کیسے اس کی بجائے سرمد سے رابطہ بحال ہو گیا اور وہ تو جیسے منتظر ہی تھا اس کی کال کا، کچھ بولے بنا بس اسے سننے کا متمنی اور جو اس نے سنایا وہ اتنا انوکھا تھا جس کا وہ گمان بھی نہ رکھتا تھا۔

''حرم کے ساتھ کچھ غلط ہو گیا ہے بھائی! اور ایسا کروانے والی شانزے کے سوا کوئی نہیں ہو سکتی، کیونکہ ممی نے بتایا ہے اسی ضد پہ حرم کو اکیلے یہاں بھیجا گیا، مگر حرم گھر نہیں پہنچی، نہ ڈرائیور......'' بات مکمل ہونے سے بھی پہلے وہ رو پڑی تھی، دوسری طرف صرف سانسوں کی آواز تھی پھر باقاعدہ گلا کھنکارا گیا۔

''کیا شانزے آپ کی وہی شکل سے شاطر نظر آنے والی کزن ہی ہے اگر میں صحیح جج کر رہا ہوں تو وہ حجاب......؟''

سوال ہوا تھا اور حجاب اسے اس کی آواز کو پہنچاتی بوکھلا کر فون کان سے ہٹا کر دیکھنے اپنی غلطی کا احساس ہونے پہ وحشت زدہ ہوتی نہ صرف فون بند کر گئی بلکہ اسی وحشت میں گھرتے اس نے اپنے بال مٹھی میں جکڑ لئے تھے۔

یہ کیا ہو گیا تھا، اتنی نازک بات اس نے جذبات میں بنا سوچے سمجھے کہاں پہنچا دی، حد تھی حماقت کی بھی، پھر اس کا فون آتا رہا بار بار مگر اس نے بات نہیں کی، پیچھے کیا رہ گیا تھا، سوائے گھبراہٹ ندامت اور خوف کے وہ انہی احساسات کا شکار تھی، دل دعا مانگنے دعا کے الفاظ بھولنے لگتا تھا، ایک ایک پل بھاری تھا منیب چوہدری کے ساتھ حمدان کو بھی خبر ہو گئی، پرکھوں کی بچائی سنبھالی عزت کی چادر داغدار ہونے کو تھی، مگر پھر اک معجزہ ہو گیا، حرم باحفاظت صحیح سالم لوٹ آئی، اس کی پاک دامنی کا گواہ اس کے ساتھ تھا۔

سرمد شاہ...... اسے لانے والا وہی تھا، نیا نیا پولیس میں بھرتی ہونے والا، بے حد چاک و چوبند اور ایکٹو نظر آتا تھا، سب سے پہلا سامنا بھی حجاب سے ہوا، جو حرم کو روبرو پا کے اگر بے یقین ہوئی تھی تو سرمد کے ساتھ دیکھ کر خوفزدہ بھی ہو گئی۔

''یہ سنبھالیں اپنی بہن کو، الحمدللہ جیسی پاک صاف گئی تھیں ویسی ہی واپس بھی آئی ہیں۔'' وہ ایک پل کو مسکرایا تھا اور پلٹ کر پراعتماد چال چلتا بیٹھک میں منیب چوہدری کے پاس چلا گیا۔

''تم ٹھیک ہو؟'' حرم کو حجاب نے بانہوں میں بھر لیا تھا، وہ کچھ نہ بولی، بس اس کی بانہوں کے گھیرے میں سہمی چڑیا کی مانند کانپتی رہی۔

''یہ...... تمہیں کہاں مل گئے تھے؟'' حجاب کا تحیر ختم نہ ہوتا تھا، حرم کے چہرے پہ اضطراب چھا گیا۔

''اگر یہ نہ آتے تو شاید سب ختم ہو جاتا، میں لوٹ کر زندہ نہ آئی، حجاب میری چلتی سانسیں میری عزت کے محفوظ ہونے کی علامت ہیں، گواہ رہنا۔'' اپنی صفائی پیش کرتی وہ رو پڑی تھی، حجاب نے بے ساختہ اسے پھر بازوؤں میں بھرلیا۔

''کیا شک...... کیا مجھے تمہاری بہادری اور وقار کا علم نہیں۔''

''لیکن لوگوں کو کیسے یقین دلاؤں گی، کیا وہ مجھے تمہاری طرح نہیں جانتے۔'' وہ اور شدت سے بلک پڑی۔

''ہم نے اس خبر کو پھیلنے نہیں دیا، ڈونٹ وری گھر کے لوگوں کے سوا کوئی نہیں جانتا۔'' حجاب نے اس کا سر تھپک کر تسلی دی۔

''وہ ہے نا شانزے سب کو بتانے کے لئے؟'' حرم کی تسلی کسی طور نہ ہوتی تھی، نہ آنسو رکتے تھے۔

''اس سے پہلے اس ناگن کا سر کچل دوں گی میں، اس بار معاف نہیں کروں گی؟'' حجاب کے لہجے میں غراہٹ در آئی تھی، گھر میں کئی دن موت کا سناٹا رہا، سب خیریت گزر جانے کے باوجود سب ایک دوسرے سے نظریں چراتے تھے، شانزے نے اپنی صفائی میں بہت کچھ کہنے کی کوشش کی، واویلا کیا مگر اب کی مرتبہ اس شخص کی محبت نے بھی جوش نہ مارا اور اسے اس گھر سے ہمیشہ کو بے دخل کر دیا گیا کہ پس پردہ سہی وہ جرم میں شریک نکلی تھی، چند دن اور گزرے تو گھر میں ایک انوکھی خبر گردش کرنے لگی۔

حرم اور سرمد کے نکاح کی خبر، حجاب نے سنا تو جیسے یقین نہ آسکا۔

سرمد شاہ اور حرم...... یہ کیسے ممکن تھا، وہ تو اس کا طلبگار تھا، اس سے محبت کرتا تھا، کیا کچھ یاد نہ آیا، منگنی کے بعد متعدد بار اس کا فون کرنا۔

''میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں، کہیں باہر۔''

''مگر میں ایسی باتیں پسند نہیں کرتی۔'' دوٹوک قطعی جواب وہ مسکراتا۔

''آپ کے پیرنٹس سے اجازت لینا میرا کام، نو ٹینشن۔''

''میں پھر بھی ساتھ نہیں جاؤں گی، کہا نا اچھا نہیں سمجھتی یہ سب۔''

''آپ مجھے شاید اچھا انسان نہیں سمجھتیں جبھی گریزاں ہیں، شاید آپ یہ سمجھتی ہیں کہ میں محبت میں نہیں حرص اور ہوس میں مبتلا ہو کر آپ سے ملنا چاہتا ہوں تو ٹھیک ہے، میں دوبارہ ایسی بات نہیں کہوں گا۔''

پتا نہیں اس نے کتنی ناراضگی سے یہ بات کہی تھی، البتہ حجاب نے اسے اس کی بات کو اتنی اہمیت نہیں دی تھی، پھر جب حمدان کے ولیمہ کی تقریب میں وہ شریک ہوا تو اس کی آنکھوں میں ہر رنگ صرف حجاب کے لئے ہی تھا۔

''اگر میں کچھ کہوں تو آپ سن لیں گی؟'' کتنی معصومیت سے وہ اس سے سوال کر رہا تھا یا اجازت طلب کر رہا تھا، وہ بھی سمجھی نہیں، البتہ نخوت سے جواب ضرور دیا۔

''فرمائیے۔'' انداز ایسا تھا گویا پتھر چھوڑے ہوں۔

”آپ اس اندھیرے میں بیٹھی دور سے یوں جگمگا رہی تھیں جیسے چودھویں کا مکمل چاند ہو اور آپ کے عقب میں جو پیڑ ہیں ان میں ٹمٹماتے جگنو ایسے دکھائی دے رہے تھے جیسے چاند کے گرد جھلملاتے ستارے۔“ سگریٹ پیتا وہ مخمور نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا، پھر اسی بے خود انداز میں مزید گویا ہوا تھا۔

وصل کی رات ہے خدارا چہرے سے نقاب مت ہٹانا
تمہارے رخ کا یہ اجالا سحر سے پہلے سحر نہ کر دے

اور حجاب اس کی بے حجابی کے مظاہرے پہ لو دیتی نظروں سے اتنا گھبرائی تھی کہ اس جگہ سے ہٹ گئی، پھر وہ ساری تقریب میں اس سے کتراتی رہی تھی۔

دو دن مزید گزرے اور اس نے حرم کا انکار سن لیا، گھر کی خاموشی اور سناٹے گہرے ہو گئے، جنہیں محسوس کرتی حجاب بہت مضطرب رہنے لگی۔

”ایسا مت کر حرم......شادی کر لو۔“

”اس لئے کہ اب میرے لئے کوئی اور رشتہ نہیں آئے گا؟“ اس کی آنکھوں میں کتنی بربادی کتنی یاس تھی، حجاب نظریں چرا گئی۔

”سرمد اچھا لڑکا ہے اور......“

”اور تمہارا منگیتر ہے، میں کیسے اور کیونکر تمہارے حق پہ ڈاکہ مار سکتی ہوں حجاب، تم مجھے ایسا کیوں سمجھ بیٹھیں۔“ وہ رو پڑی، آج کل تو اسے جیسے رونے کا بہانہ چاہیے تھا۔

”پاگل ہو بالکل، منگیتر تھا شوہر نہیں، اسلام نے تو شوہر پہ بھی ایک عورت کو قبضہ جما کر بیٹھنے کی اجازت نہیں دی، وقت اور حالات کے پیش نظر مرد کو مزید تین نکاح کی اجازت ہے اور پھر تم جانتی ہو، سرمد سے میری کسی قسم کی کوئی جذباتی یا قلبی وابستگی نہیں ہے۔“ اس کا ہاتھ ہاتھوں میں لئے قائل کرنے کی کوشش کر رہی تھی مگر حرم نے بے رخی سے اپنا ہاتھ چھڑوا لیا۔

”تم کچھ بھی کہو، مجھے قائل نہیں کر سکتیں۔“

”یہ کیا بات ہوئی؟“ حجاب نے خفگی سے اسے دیکھا جواب میں خاموشی اور نظر اندازی تھی جس نے حجاب کو تھکا ڈالا، شاید حرم کا انکار سرمد شاہ تک پہنچ گیا تھا جو اسی شام چلا آیا تھا وہ، حرم سے ملاقات کی خواہش لے کر اور یہ اجازت مل بھی گئی۔

”اگر آپ اسے اس شادی پہ قائل کر لیں تو میں یہ احسان نہیں بھولوں گی کبھی۔“ حجاب خود اس کو حرم کے کمرے میں چھوڑنے آئی تھی، جواب میں سرمد شاہ نے تھم کر اسے بغور دیکھا تھا، پھر گہرا سانس بھرا۔

”اگر یہ ایثار ہے تو قابل تحسین ہے، اگر مجھ سے جان چھڑانے کا بہانہ تو اس بہانے کا بھی اب مجھے ملال نہیں رہے گا۔“ حجاب کا رنگ بالکل پھیکا پڑ گیا، وہ کچھ نہیں بولی، وہیں سے پلٹ گئی تھی، حرم اسے یوں روبرو دیکھ کر ایک دم سراسیمہ ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی، اضطراری کیفیت میں اپنا دوپٹہ درست کرنے لگی۔

”گھبرائیں نہیں، میں آپ پہ سلامتی بھیجتا ہوں، تشریف رکھیئے۔“ اسے وحشت زدہ ہوتا

محسوس کر کے ہی تسلی کی خاطر مزید گویا ہوا۔
''آپ کے پیرنٹس کی مرضی کے بعد یہاں ہوں اور حجاب مجھے آپ کے کمرے تک چھوڑ کر گئی ہیں، مقصد آپ سے انکار کی وجہ معلوم کرنا تھا۔'' وہ کتنے رسان سے بولتا تھا، اس کے انداز میں کسی درجہ تحمل تھا، نرمی تھی، ایک بار پھر وہ حرم کو اللہ کا بھیجا فرشتہ لگا، وہ فرشتہ جو اس کی بد دکو بھیجا گیا تھا، اس وقت جب اس کی عزت کی چادر تار تار ہونے لگی تھی، اس کا لباس عباس جیسے بے غیرت کے ہاتھوں دھجیوں کی صورت اڑ رہا تھا، وہ اس کی وحشت کا نوالہ بننے کو تھی، اللہ نے اسے بھیج دیا تھا، اگر دیکھا جاتا تو اس کی پاک دامنی کا گواہ اللہ کے سوا ایک وہی تھا، وہی تھا جس کے سامنے اسے وضاحت اور صفائی نہ دینی پڑتی کہ اس کی عزت محفوظ رہی ہے، وہ پاک تھی پاک ہے، وہ تب بھی اس کے سامنے بے بسی کے احساس سمیت رو پڑی تھی، وہ اب بھی یہی کر سکی۔

اسے کہنا امیر شہر کبھی سر نیچا نہیں کرتے
انا کا ہم کسی بھی حال میں سودا نہیں کرتے
اگر غم حد سے بڑھ جائے تو آنسو آہی جاتے ہیں
مگر ہم اپنی آنکھوں کو کبھی دریا نہیں کرتے
خوشی کے سارے موسم دوسروں میں بانٹ دیتے ہیں
فقط اک درد کی دولت ہے جو بانٹا نہیں کرتے
ہماری اس فطرت سے سارے لوگ واقف ہیں
کہ ہم کچھ کر گزرتے ہیں مگر سوچا نہیں کرتے
کریں گے تم سے ہم ترک تعلق کیسے ممکن ہے
کہ ہم تو دشمنوں کا ساتھ بھی چھوڑا نہیں کرتے

وہ گمبھیر تر آواز میں کہتا رہا تھا پھر گلا کھنکار کر مسکرایا۔
''مت روئیں ابھی یوں حرم، کہ میرے پاس ابھی ان آنسو کو صاف کرنے کا حق نہیں ہے، وعدہ کرتا ہوں کبھی آپ کو آنسو بہانے کی ضرورت نہیں رہے گی ایسا تعلق اور ساتھ نبھاؤں گا انشاء اللہ۔'' بات ایسی تھی کہ حرم گھبرا کر اسے دیکھنے لگی، آنسو بھری حسین آنکھیں۔
''مم...... مگر میں تو شادی کی حامی نہیں بھری ہے۔'' وہ جیسے احتجاج کرنے لگی، سرمد شاہ کھل کر مسکرانے لگا، اس کا چہرا مزید روشن لگنے لگا تھا۔
''اور آپ کا کیا خیال ہے، میں یہاں سے یونہی اٹھ جاؤں گا، آپ کو منائے بغیر ہی۔''
''حجاب...... کیا سوچے گی۔''
''یہی کہ شکر ہے باگڑ بلے سے میری جان چھوٹ گئی۔'' وہ ہنسنے لگا، حرم خفیف سی ہوگئی تو وہ ایکدم سے آنکھیں دکھانے لگا۔
''اور بات سنیں، آپ کے ساتھ میں ذرا بھی رعایت نہ برتوں گا اگر اب بھی انکار کا سوچا تو۔''
''ک...... کیا مطلب......؟'' بے حد دھیمی نمی گھلی آواز میں بمشکل بولی، جو گھبرائی اور ٹھٹکی وہ الگ۔
''مطلب یہ کہ میں آپ کا گلا دبا دوں گا، یا زبردستی نکاح نامے پہ آپ کے سائن کروالوں گا،

یا آپ کے والد گرامی کو آپ کے خلاف ایسی پٹی پڑھاؤں گا کہ آپ کے انکار کے باوجود وہ آپ کو میرے ساتھ زبردستی رخصت کر دیں۔" بظاہر سنجیدگی سے مگر وہ جس طرح بن بن کر بول رہا تھا، حرم پہلی بار مگر بہت بے ساختہ مسکرائی اور اس کی مسکراہٹ کو دیکھتا مطمئن ہوتا سرمد شاہ سوچ رہا تھا، اس مظلوم لڑکی کے دکھوں پہ مرہم رکھ کر مجھے جو روحانی مسرت نصیب ہوسکتی ہے وہ اپنی محبت حجاب کو حاصل کر کے بھی شاید کبھی نہ ملتی، زندگی اپنے لئے جینے سے زندگی میں کیا چارم، اصل زندگی تو وہی ہے جو کسی کے کام آ جائے۔

☆☆☆

ہوا بہت تیز تھی، شاں شاں کی آواز کے ساتھ بارش کی بوچھاڑ بھی آ رہی تھی، وہ اپنے ہی دوپٹے سے الجھ کر گرنے لگی مگر گری نہیں، اس نے اچک کر منڈیر سے جھانکا، کچی پکی پگڈنڈیاں، اندھیرے میں ڈوبے کھیت، اونچے سرسبز درخت، مسجد کے دو سفید مینار اور مٹیالے رنگ کا گنبد، گیلی مٹی سے آتی سوندھی سوندھی خوشبو، اسے کچھ بھی نہ بھا رہا تھا، دل میں تو آگ لگی تھی، بھانبڑ مچ رہے تھے، اس گھر سے وہ دوسری بار نکالی گئی تھی، وہ بھی ذلیل ہو کر، عباس الگ نامراد جیل میں بند تھا، دل پہ نارسائی کا زخم لئے، اس کی طرح ہی، اویس کا بس نہ چلتا تھا کسی ایک کا خون کر دے، آخر یہ ناکامی اس کے خاندان کا حصہ کیوں بن گئی تھی۔

"کم از کم وہ ہار تسلیم نہیں کرے گا، حرم کا نکاح کر کے چاچا کیا سمجھتا ہے اپنی عزت محفوظ کر لی، ابھی تیسرا حدف تیسرا شکار باقی ہے اور اس بار ہرگز نشانہ چوکنے نہیں دوں گا، ایسا زخم لگاؤں گا کہ ہم پہ دوسروں کو ترجیح دینے والے عمر بھر زخم چاٹتے جائیں گے۔"

"اس بار مقابلہ نہ تو شانزے سے ہے جس کی حکمت عملی کمزور تھی نہ ہی بزدل عباس سے، اس بار میں مقابل ہوں اور ہر کوئی یاد رکھے کہ میں ہارنے کے لئے میدان میں نہیں اترا کرتا۔" اویس صحن میں کھڑا چنگھاڑتا تھا، ہتھیلی پہ ہاتھ کا مکہ مارتا ہوا طیش سے ابلتا، تاؤ جی نے پھنکارتی نگاہ اس پہ ڈالی اور حقے سے چلم اٹھا کر صحن میں دے ماری۔

"اسی عشق کی آگ میں جل کر ایک ایک کر کے مر جاتا مگر ڈھنگ کا کوئی کام نہ کرتا، کھیت فصلوں کی بیجائی کے انتظار میں ویران پڑے ہیں ان سب کو نام نہاد عشق اور انتقام نے اندھا کیا ہوا ہے، اس سے بہتر تھا تم پیدا ہی نہ ہوتے یا ہو گئے تھے تو اسی وقت مر جاتے اور حرام دے پلے، میری گل سن، او پڑھیا لکھیا تے وکیل آ وکیل، تو ادے ہر داؤ توں بچ جاندا اے، ہن وی بچ جائے گا دیکھ لینا، میں سنوں اونے چھوٹی دے وی نکاج دی گل اندر وای اندر کر لئی اے، پتا اے کدے نال؟" تاؤ جی نے سسپنس پھیلایا، ہر سو سناٹا چھا گیا، بارش کی آواز کے سوا۔

"اسی پڑھا کو عمر نال، اپنی سالی دے پتر عمر نال، جیڑی مر کھپ گئی سی یاد آ؟" ان کی سانپ سونگھ بننے والی حالت سے حظ لیتے اب وہ محفوظ ہو کر بات کو بڑھا چڑھا کر پیش کر رہے تھے۔

(جاری ہے)

تم میرے پاس رہو

دُرِ شمن بلال

رنجش ہی سہی دل ہی دکھانے کے لئے آ
آ پھر سے مجھے چھوڑ کے جانے کے لئے آ
پہلے سے مراسم نہ سہی پھر بھی کبھی تو
رسم و رہ دنیا ہی نبھانے کے لئے آ
کچھ تو میرے پندار محبت کا بھرم رکھ
تو بھی تو کبھی مجھ کو منانے کے لئے آ
کس کس کو بتائیں گے جدائی کا سبب ہم
تو مجھ سے خفا ہے تو زمانے کے لے آ
مانا کہ محبت کا چھپانا ہے محبت
چپکے سے کس روز جتانے کے لئے آ
جیسے تجھے آتے ہیں نہ آنے کے بہانے
ایسے ہی کسی روز نہ جانے کے لئے آ
اک عمر سے ہوں لذت گریہ سے بھی محروم
اے راحت جاں مجھ کو رلانے کے لئے آ
اب تک دل خوش فہم کو تجھ سے ہیں امیدیں
یہ آخری شمعیں بھی بجھانے کے لئے آ

رنجش ہی سہی دل ہی دکھانے کے لئے آ
آ پھر سے مجھے چھوڑ کے جانے کے لئے آ

رات کی سیاہ چادر پہ سفید برف کی تہہ جمتی جا رہی تھی صبح کا اجالا رات کی چادر میں کہیں منہ چھپائے بیٹھا تھا آسمان سے گرتی روئی کے گالوں جیسی برف اور برف کے ریزوں نے گھروں، درختوں اور زمین پہ دبیز سی تہہ جما دی تھی، زندگی گویا مفلوج ہو کر رہ گئی تھی۔

لوگ گھروں میں دبکے بیٹھے تھے خاموش فضا میں گھڑی کی ٹک ٹک کرتی سوئیاں گزرتی رات کا پتہ دے رہی تھیں، لیکن ان کی زندگی اٹھارہ سالوں سے گھڑی کی ان سوئیوں میں رکی ہوئی تھی، اٹکی ہوئی تھی، الجھی ہوئی تھی۔

کوئی بھی موسم نوید سنائی نہ دیتا تھا، زندگی کا سفر خود ذوریز آفندی کو طے کر رہا تھا، انہیں یوں لگتا جیسے وہ تپتے صحرا میں سفر کر رہے ہوں ریزہ

مکمل ناول
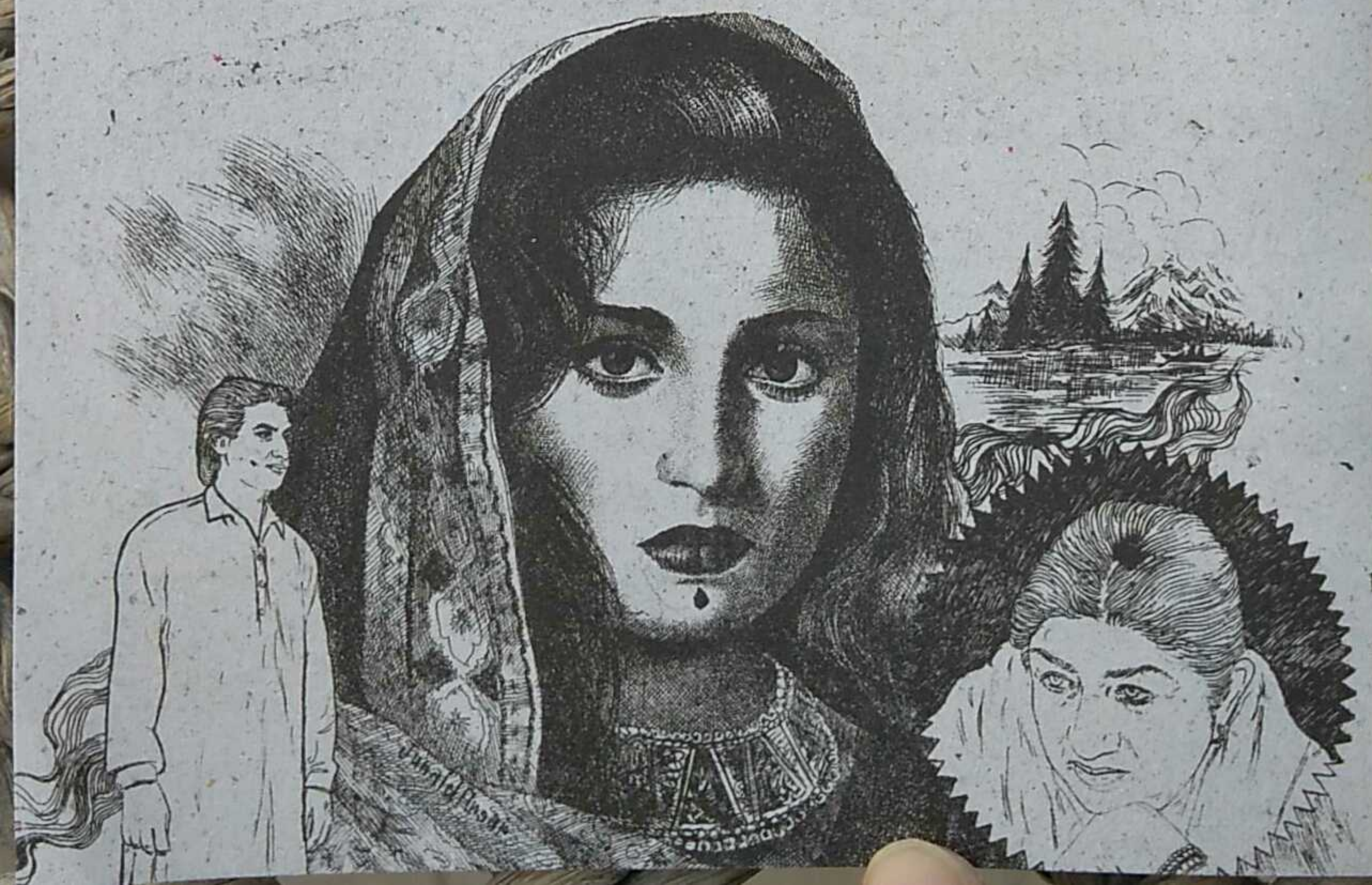
ریزہ کر کے ٹوٹتا بدن اب تھکنے لگا تھا، یوں لگتا اک عرصے سے وہ خود سے لاپتہ تھے اپنی بچھڑی ہوئی زندگی سے دوبارہ ملنے کی آخری امید کسی بجھے ہوئے چراغ کی آخری کراہ بنتی جا رہی تھی۔

محبت نے انہیں کسی گہری اور تکلیف دے خموشی پہ نصب کر دیا تھا ان کی محبت کی کہانی گویا جلاوطنی دیوانے کی کہانی تھی، وہ اپنی زندگی سے دور اپنی محبت سے دور اپنے ملک سے دور تھے ان کی محبت کی کہانی ایسی راتوں کی کہانی تھی جب چاند تو نکلتا ہے لیکن آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں۔

زندگی صدیوں کے انتظار میں کہیں دفن ہو رہی تھی، رات خاموشی سے اپنی مسافت طے کر رہی تھی۔

لیکن ذوریز آفندی کی آنکھوں میں رات گویا ٹھہر گئی تھی، وقت جامد ہو گیا تھا، آتش دان میں سلگتی ہوئی لکڑیاں جل جل کر اب راکھ بن رہی تھیں، ان کی تھکی ہوئی آنکھیں ان کے ہاتھوں میں اک دلنشین و دلربا شخصیت کی تصویر پہ مرکوز تھیں جس کی یادوں نے انہیں ان گنت خواہشوں، خیالوں، تمناؤں اور آرزوؤں کے سپرد کر رکھا تھا، راکنگ چیئر پہ جھولتا ان کا دل گرفتہ سا ساکت وجود، آنکھوں میں اشک لئے اس تصویر سے نا جانے کتنے سوال کر رہا تھا، وہ سوال جن کے جواب نہ ان کے پاس موجود تھے نہ اس عزیز شخصیت کے پاس، گویا قسمت نے سب الفاظ چھین لئے تھے زندگی مسافر ہو گئی تھی عمر بھر کے لئے۔

اور جب زندگی مسافر ہو جائے تو وہ دکھوں اور غموں کی فضاؤں سے کبھی باہر نہیں نکلتی، وقت کا چابک روز اک نیا زخم زندگی کی برہنہ پیٹھ پہ اپنا نشان چھوڑ جاتا ہے اور پھر وہ زخم وہ نشان کبھی نہیں بھرتے۔

ذوریز آفندی، گزشتہ اٹھارہ برس سے ان زخموں کا علاج ڈھونڈ رہے تھے، جس کا مرہم ان کے ہاتھوں میں فریم میں سجی تصویر میں ہنستی مسکراتی اس شخصیت کے پاس تھا جو ان کی محبت تھی ان کی زندگی تھی، ان کی خوشی تھی، ان کا حاصل تھی، لیکن وقت کی سنگدلی نے ان کی محبت ان سے چھین لی تھی، ان کی زندگی ان کی خوشی اور ان کا حاصل چھین لیا تھا۔

☆☆☆

رات بھر ہونے والی بارش نے موسم سرد کر دیا تھا، یہی وجہ تھی کہ اس کا بستر چھوڑنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔

ماہین دروازہ کھول کر اس کے کمرے میں آئیں تو وہ منہ کے بل لیٹی گہری نیند سو رہی تھی۔

''انوش! اٹھ جاؤ اب، صبح کے آٹھ بج چکے ہیں۔'' ماہین نے لائٹ جلانے کے بعد اس کا کمبل کھینچا۔

''مام! یہ آٹھ اتنی جلدی کیوں بج جاتے ہیں؟'' اس نے کسمسا کر نیند میں ڈوبی آواز کے ساتھ کروٹ بدلی۔

''مجھے نہیں پتہ، بس تم جلدی سے اٹھ جاؤ۔'' ماہین نے پردے ہٹائے۔

''مام پلیز سونے دیں ناں۔'' ہنوز نیند میں التجاء کی گئی۔

''انوش بس اب کوئی منت سماجت نہیں، جلدی سے اٹھ جاؤ، آیا بی نے ناشتہ بنا دیا ہوگا، تم ٹھیک پندرہ منٹ میں نیچے ڈائننگ روم میں آ رہی ہو۔'' ماہین نے حتمی انداز میں کہتے ہوئے اس کے بکھرے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

''قسم سے بہت ظالم ہیں آپ۔'' چہرے پہ بےزاریت لئے وہ مجبوراً اٹھ کے بیٹھی تو ماہین دھیرے سے مسکرائیں۔

''اس معاملے میں، میں ظالم ہی بہتر ہوں۔''

''مام آپ بھی ناں، مجھے پی ایچ ڈی کروا کر ہی چھوڑیں گی۔'' بیڈ سے اٹھ کر جوتا پہنتے ہوئے اس نے منہ پھیلایا، تو ماہین نے دھیرے سے اس کے سر پہ محبت بھری چپت رسید کی۔

''بالکل اپنے باپ پہ گئی ہو، اسے بھی صبح جگانا دنیا کا سب سے مشکل کام ہوا کرتا تھا اور......'' روانی سے بولتے بولتے وہ ایک لخت خاموش ہوگئی تھیں۔

''اور کیا مام؟ بتایئے ناں؟'' انوش نے اشتیاق سے پوچھتے ہوئے ماہین کے گلے میں بازو ڈالے تو وہ نظریں چرا گئیں، تھوڑی دیر پہلے جو چہرے محبت اور ملاحت موجود تھی وہ اس شخص کے ذکر پہ غائب ہوگئی تھی۔

''کچھ نہیں۔'' مختصر جواب۔

''مجھے ڈیڈ کا ذکر کرنے سے منا کرتی ہیں اور خود بہانے بہانے سے انہیں یاد کرتی ہیں۔'' انوش نے ٹروٹھے انداز میں شکوہ کیا، تو ماہین نے غصے اور تنفر سے اس کے بازو جھٹک دیئے۔

''یاد اور میں، میں کیوں اس شخص کو یاد کروں گی جس نے میری زندگی برباد کر دی، یاد انہیں کیا جاتا ہے جن سے محبت ہو، نفرت بھرے رشتے کو یاد نہیں کیا جاتا۔'' نفرت ان کے لہجے سے عیاں تھی۔

انوش خاموش ہوگئی تھی، بچپن سے لے کر آج تک وہ باپ جیسے مقدس رشتے کے پیار کو ترس تھی، اس کے اندر آج بھی باپ کی کمی ایک محرومی بن کر اسے ستایا کرتی تھی، لیکن اس دکھ اور محرومی کا اس نے ماہین کے سامنے کبھی اظہار نہیں کیا تھا، وہ جانتی تھی اس کی یہ خواہش، ماہین کی بے پایاں نفرت کے آگے ہار جائے گی، دم توڑ جائے گی، سو وہ خاموشی سے باتھ روم کی طرف بڑھ گئی تھی اور ماہین جب نیچے ڈائننگ روم میں آئیں تو ان کے چہرے پہ ناپسندیدہ خیالوں کے عکس درج تھے۔

''السلام علیکم آپا جی!'' ناشتہ لگاتی آپا بی تھکی تھیں۔

''وعلیکم السلام، بیٹیا کیا بات ہے؟ کچھ پریشان لگ رہی ہو؟''

''بس ایسے ہی آپا بی، رات بھر نیند نہیں آئی۔'' ڈائننگ چیئر گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے وہ دھیرے سے بولیں۔

''کیوں بیٹیا خیریت تو ہے؟ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' وہ پریشان ہوئیں۔

''کوئی ایک سوچ ہو تو بتاؤں آپا بی، انوش کے مستقبل کے بارے میں سوچ سوچ کر دل دہلتا ہے میرا، اس کی زندگی کا فیصلہ کیسے کروں گی میں؟'' اپنے کپ میں چائے ڈالتے ہوئے وہ متفکر انداز میں گویا ہوئیں تو آپا بی ان کے پاس ہی چیئر پہ بیٹھ گئیں۔

''بیٹیا اللہ کی ذات پہ بھروسہ رکھو، زندگی کا اتنا کٹھن وقت تنہا گزار کر مایوس ہو جانا کہاں کی عقلمندی ہے بھلا؟ سیانے کہتے ہیں وقت سے پہلے اور نصیب سے زیادہ ملنے کو کوئی ٹال نہیں سکتا پھر کیوں پریشان ہوتی ہو؟''

''آپا بی انسان ہوں، خود کو بہادر بناتے بناتے اندر سے بزدل ہوتی جا رہی ہوں، عورت کتنی ہی بہادر کیوں نہ ہو، جب ماں بنتی ہے تو اولاد کے سامنے مسمار ہونے لگتی ہے اس کے سارے حوصلے پست ہونے لگتے ہیں۔'' ماہین کی نظریں کسی غیر مرائی نقطے پہ مرکوز تھیں، لہجے میں شکست تھی، اس سے پہلے کہ آپا بی ان کے پلو سے کوئی دلاسہ کوئی تسلی باندھتی، انوش ڈائننگ

روم میں داخل ہوئی۔
''گڈ مارننگ آپا بی۔'' انوش نے خوش گوار موڈ میں آپا بی کے گلے میں بازو ڈالے۔
''جیتی رہو میری بچی۔'' آپا بی نے اس کے ہاتھوں پہ بوسہ لیا۔
''جلدی سے میرے لئے چائے بنائیے۔'' چیئر گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے اس نے گھڑی دیکھی۔
''دھیرج میری جان ابھی بناتی ہوں تم ناشتہ تو کرو۔'' آپا بھی مسکرائیں
''ٹائم نہیں ہے آپا بی، نو بجے میری کلاس ہے۔'' انوش نے جلدی سے ٹوسٹ پہ جیم لگایا۔
''تو کون کہتا ہے تمہیں گدھے گھوڑے بیچ کر سونے کو؟ جلدی کیوں نہیں اٹھ جاتیں؟ تاکہ ناشتہ تو ڈھنگ سے کرو۔'' ماہین نے چائے پیتے ہوئے اس کی جلد بازی پہ خفگی سے کہا۔
''او کم آن ماما، جب تک صبح آپ کی محبت بھری ڈانٹ نہ سن لوں میری آنکھ کہاں کھلتی ہے؟'' انوش نے مسکراتے ہوئے ماں کو دیکھا، تو ماہین بھی دھیرے سے مسکرادیں۔
''ڈرامے باز۔''
''اب یہ مت کہہ دیجئے گا، باپ پہ گئی ہے۔'' نروٹھے انداز میں تنبیہ کی گئی تو ماہین اسے گھور کر رہ گئی۔
''اس شخص کا ذکر کر کے صبح یہ صبح میرا موڈ خراب مت کرو۔'' ماہین نے چیئر سے اٹھتے ہوئے کہا۔
''او کے یار نہیں کرتی آپ کا موڈ خراب، ڈرائیور سے کہیں گاڑی نکالے، راستے میں مجھے ثمل کو بھی پک کرنا ہے۔'' عجلت میں چائے پیتے ہوئے اس نے وضاحت کی۔
''گاڑی ڈرائیور ورکشاپ لے کر گیا ہوا ہے، میں آفس کے لئے نکل رہی ہوں تم جلدی سے اٹھو، میں تمہیں چھوڑ دیتی ہوں۔'' ماہین گاڑی کی چابی اٹھائے ڈائننگ روم سے نکلیں۔
''جسٹ آ منٹ ینگ لیڈی۔'' انوش نے نیپکن سے منہ صاف کیا اور چیئر سے اٹھ کھڑی ہوئی۔
''ایک تو تمہاری Buttering ختم ہونے کا نام نہیں لیتی۔'' ماہین مسکرائیں۔
''قسم سے آپ میری ماں نہیں بہن لگتی ہیں۔'' انوش ماہین کے پیچھے لپکی۔
''فضول باتوں میں ٹائم ویسٹ مت کرو، اپنے ساتھ ساتھ مجھے بھی آفس سے دیر کرواؤ گی۔''
''او کے ماما ریلیکس، ایویں چھوٹی چھوٹی باتوں پہ ہائپر ہو جاتی ہیں۔'' انوش بھی ان کے پیچھے ڈائننگ روم سے باہر نکل گئی تھی۔

☆☆☆

''آج بی جان ٹیبل پہ نہیں آئیں؟'' ملک عرفان نے ناشتہ کرتے ہوئے حمیرا بیگم سے دریافت کیا۔
''ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی کہہ رہی تھیں ناشتہ وہ اپنے کمرے میں ہی کریں گی۔'' حمیرا بیگم نے چائے بنا کر پیالی ان کے آگے رکھی۔
''کیا ہوا ان کی طبیعت کو؟'' ملک عرفان متفکر ہوئے۔
''بی پی اور شوگر دونوں ہائی کر رکھے ہیں بی جان نے۔'' حمیرا بیگم نے سلائس ان کی جانب بڑھاتے ہوئے اطلاع دی۔
''جب سے پاکستان شفٹ ہوئے ہیں بی جان کی طبیعت نہیں سنبھل رہی۔'' ملک عرفان کے چہرے پہ ماں کے لئے تفکر تھا۔
''مجھے تو لگتا ہے ماہین کو یاد کرتیں ہیں۔''

حمیرا بیگم نے قیاس ظاہر کیا۔
''بیس سال ہو گئے، ماہین کا نام کبھی ان کے لبوں پہ نہیں آیا، اگر ایسی بات ہوتی تو وہ ماہین کو یاد کرتیں، مجھ سے اظہار کرتیں۔'' ملک عرفان نے بیوی کی بات کی نفی کی۔
''عرفان ماں اپنی اولاد کو یاد کرنے کا بہانہ نہیں ڈھونڈتی اولاد کی محبت اس کی تڑپ تو ماں کے دل کے ساتھ دھڑکتی ہے اور جو اولاد ماں سے دور ہو اس کے لئے وہ زیادہ تڑپتی ہے۔'' حمیرا بیگم کے لہجے میں ممتا کی تڑپ تھی کیونکہ وہ خود بھی اک ماں تھیں۔
''جو رشتے عزت پہ بدنما داغ بن جائیں انہیں زندگی سے نکال دینا ہی بہتر ہوتا ہے۔'' بولتے ہوئے ملک عرفان کے لہجے میں سختی در آئی تھی۔
''اولاد وہ رشتہ ہے جو ماں کی جان لے کر ہی دل سے نکلتا ہے۔'' حمیرا بیگم نے چائے کا گھونٹ بھرا۔
''ہاں تم ٹھیک کہتی ہو، جس طرح ہمارا چھوٹا صاحبزادہ اپنی حرکتوں سے ہماری زندگی اجیرن کر رہا ہے، ہمیں سولی پہ لٹکا رہا ہے ہماری جان نکال رہا ہے۔'' ملک عرفان کے اعصاب تن گئے تھے۔
''بس آپ کی سوئی تو لے دے کر میرے شاہ ویر پہ اٹک جاتی ہے۔'' حمیرا بیگم جھنجھلائیں۔
''تمہارے لاڈلے کے کرتوت ہی ایسے ہیں، سمجھایا کرواسے۔''
''اب کیا کر دیا ہے، شاہ ویر نے؟''
''تم بہت اچھی طرح سے جانتی ہو۔'' ملک عرفان نے غصے سے حمیرا کو دیکھا جو جان بوجھ کر انجان بنی ہوئی تھیں۔
''آپ نے جو دو ماہ سے اس کی پاکٹ منی بند کر رکھی ہے، گاڑی نہ بیچتا تو اور کیا کرتا وہ بے چارہ؟''
''تم نے اپنے بے چارے بیٹے سے پوچھا کہ پینتیس لاکھ کی گاڑی بیچ کر رقم کہاں اڑائی ہے اس نے؟'' لہجہ ہنوز خفگی لئے ہوئے تھا۔
''یقین کسی ضرورت مند کی ہیلپ ہی کی ہو گی اس نے۔'' حمیرا یقین سے بولیں۔
''تمہارے صاحبزادے کو چیرٹی کا اتنا ہی شوق ہے تو این جی او کیوں نہیں بنا لیتا؟ میری محنت سے کمائی ہوئی دولت کو ریوڑوں کی طرح بانٹنے کا اسے کوئی حق نہیں ہے۔'' ملک عرفان نے اپنی نشست چھوڑتے ہوئے کہا، تو حمیرا ایک طویل سانس لے کر رہ گئیں۔
''آپ نے کبھی شاہ ویر کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی، ہمیشہ پارس اور شاہ ویر میں فرق رکھا ہے آپ نے، ہمیشہ پارس کو اس پہ فوقیت دی ہے ہمیشہ شاہ ویر کو ڈی گریڈ کیا ہے آپ نے۔'' حمیرا بیگم نے دکھ اور تاسف سے شکوہ کیا۔
''پارس نے بچپن سے لے کر اب تک میرا سر فخر سے بلند کیا ہے، ٹاپر رہا ہے کبھی کوئی شکایت کا موقع نہیں دیا مجھے پارس نے، اپنی ایجوکیشن کمپلیٹ کرتے ہی اس نے میرا بزنس جوائن کر کے میرا آدھا بوجھ بانٹ لیا، اپنی محنت سے میرے بزنس کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے اور شاہ ویر بچپن سے ہی ہمیں ذلیل کرتا آیا ہے، اتنا خود سر اور ضدی ہے مر مر کر ایم بی اے کمپلیٹ کیا ہے، سارا دن آوارہ گردی سے فرصت نہیں نواب صاحب کو۔'' ملک عرفان کے لہجے میں اس کے لئے انتہا کا غصہ عود آیا تھا۔
''عرفان پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں، ہر بچے کی نیچر مختلف ہوتی ہے ایک صابر ہے تو ضروری نہیں دوسرا بچہ بھی صبر والا ہو، آپ کی

ضرورت سے زیادہ روک ٹوک اور سختی اسے ایسا بنا دیا تھا ورنہ میری اور بی جان کی کبھی نافرمانی نہیں کی اس نے۔'' حمیرا بیگم نے ہمیشہ کی طرح شاہ ویر کی وکالت کی۔

''ہاں میں تو جیسے اس کا دشمن ہوں، خدا واسطے کا بیر ہے اسے مجھ سے، مجال ہے جو میری کسی بات کو اس نے اہمیت دی ہو۔'' ہنوز غصہ۔

''عرفان آپ سے تو بات کرنا ہی فضول ہے، کبھی کبھی تو مجھے لگتا ہے شاہ ویر آپ کی سوتیلی اولاد ہے۔'' حمیرا بیگم بھی پھٹ پڑی تھیں۔

''اس الزام کی کسر باقی تھی تم نے یہ بھی پوری کر دی۔''

''تو اور کیا کہوں میں؟ میری کوئی بات سننا ہی نہیں چاہتے آپ۔'' حمیرا بیگم نے خفگی سے کہا۔

''کیا تماشہ لگا رکھا ہے بھئی تم دونوں نے؟ کیوں بحث کر رہے ہو ایک دوسرے کے ساتھ۔'' بی جان چھڑی کے سہارے چلتی ہوئی آئیں۔

''بس چھوڑیں بی بی جان، یہ بتایئے آپ کی طبیعت کیسی ہے؟'' ملک عرفان نے ماں کا ہاتھ تھام کر انہیں چیئر پہ بٹھایا۔

''بہتر ہوں اب، تم ابھی آفس نہیں گئے؟'' بی جان نے پوچھا۔

''آفس کے لئے ہی نکل رہا ہوں، حمیرا بی جان کے لئے ناشتہ لگواؤ۔'' بی جان چیئر پہ بیٹھتے ہوئے بولیں۔

''او کے بی جان، میں اب چلتا ہوں، اپنا خیال رکھیے گا۔'' ملک عرفان نے ماں کا ہاتھ تھام کر عقیدت سے بوسہ لیا۔

''جیتے رہو میرے بچے، اللہ تمہیں اپنی امان میں رکھے۔'' بی جان نے ان کے سر پہ ہاتھ پھیرا اور پھر وہ اپنا بریف کیس اٹھائے آفس روانہ ہو گئے تھے۔

☆☆☆

ماہین آئینے کے سامنے بیٹھی تھیں اور ہاتھوں پہ لوشن لگا رہی تھیں، اچانک ان کی نظر آئینے میں نظر آتے اپنے چہرے پہ پڑی تھی، اٹھتیس برس کی عمر میں بھی وہ چھبیس ستائیس برس کی لگتی تھیں، اکثر لوگ انوش کو ان کی چھوٹی بہن سمجھ لیتے تھے، اپنے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے غیر ارادی طور پہ انہوں نے اپنے ماتھے پہ آئے بالوں کو ہٹایا تھا، کوئی خیال انہیں ماضی میں لے گیا تھا، جب وہ صرف بیس برس کی تھیں۔

''میں تمہیں کبھی بوڑھا نہیں ہونے دوں گا، تم ہمیشہ ایسے ہی خوبصورت اور جوان رہو گی۔'' ان کا چہرہ ہاتھوں میں تھامے ان کے سامنے بیٹھا وہ شخص محبت پاش نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے بڑے دعوے سے بولا تھا اور وہ دھیرے سے مسکرا دی تھی۔

''عجیب بچکانہ بات ہے، بالکل غیر حقیقی، میری محبت، میرا عشق تمہیں کبھی بوڑھا نہیں ہونے دے گا۔''

''دیکھ لینا تم۔'' مقابل شخص نے دھیرے سے اس کے کانوں میں جھولتے بندے کو ہلایا تھا۔

''وقت بہت ظالم چیز ہے، یہ پل بھر میں انسان کے دعوؤں کو ریت کی دیوار کی طرح ملیا میٹ کر دیتا ہے۔'' اس کی بات پہ مقابل شخص نے اس کے ہاتھ تھام لئے تھے اور اسے خود سے قریب کرتے ہوئے سرگوشی کے انداز میں کہا تھا۔

''محبت'' وقت کی لگاموں کو روک لینے کی سبھی طاقتیں رکھتی ہے جس زندگی میں صرف

خوشیاں ہی خوشیاں اور محبت لکھی ہو وہاں وقت چھو کر نہیں گزرتا۔

''تم اور تمہاری محبت۔'' تب وہ اس کی وارفتگی پہ ہنس دی تھی، لیکن آج وہ خاموش تھی، بے اختیار اس نے اپنے بالوں کو کنپٹی سے ہٹا کر دیکھا، کہیں کہیں بالوں میں چاندی اتر رہی تھی، دل کٹ کر رہ گیا تھا۔

اور بے دلی سے آئینے کے سامنے سے ہٹ گئی تھی، کھڑکی کے پردے برابر کرتے ہوئے اس کی نظر رات کے سیاہ آنچل پہ پوری آب و تاب سے چمکتے ہوئے چودھویں کے چاند پہ پڑی تھی اور وہ نا چاہتے ہوئے بھی رک کر اسے دیکھنے لگیں تھی۔

''چودھویں کا چاند مجھے بالکل تمہاری طرح لگتا ہے خوابناک، پر کشش، مدہوش کر دینے والا، اپنے سحر میں جکڑ لینے والا۔'' ایک بار پھر اس شخص کی سرگوشی نے اس کا پیچھا کیا تھا اور گھبرا کر وہ کھڑکی سے ہٹ گئی تھیں۔

دل بے چین ہو گیا تھا، کھڑکی سے ہٹ جانے سے یادوں کے در بند نہیں ہو سکتے تھے، سو ایک کے بعد ایک یاد ماہین کا سکون برباد کرنے لگتی تھی، اب وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی تھیں۔

''جانتی ہو تمہیں اپنے مقابل اپنے روبرو ہر لمحہ دیکھنے کی حسرت تھی جو اب پوری ہو گئی ہے، دل نہیں چاہتا گھر سے باہر جانے کو۔'' کوئی محبتوں سے چور لہجے میں اسے بتا رہا تھا۔

''محبت کا خوبصورت اظہار، پاؤں کو زنجیر کیسے کرتا ہے؟ سانس کیسے روک لیتا ہے، دھڑکتے دل کو بے حال کیسے کرتا ہے؟ کوئی تم سے سیکھے۔'' تب اس نے دھیرے سے اس کے سینے پہ مکا مارا تھا اور مقابل شخص کی خوبصورت مسکراہٹ اس کے دل میں قید ہو کر رہ گئی تھی۔

آہستہ آہستہ اس شخص کی سوئی ہوئی یادیں اس کی باتیں ماہین کے کمرے میں جاگنے لگی تھیں، انہیں ایسا لگ رہا تھا جیسے بستر پہ کانٹے اگ آئے ہوں، وہ اس شخص کو کبھی یاد نہیں کرنا چاہتی تھی جس کی وجہ سے زندگی اک سزا ہو گئی تھی، اک ترسا ہوا دشت ہو گئی تھی، اک غیر آباد جزیرے پہ بھٹکی ہوئی روح ہو گئی تھی۔

لیکن وہ یاد ہی کیا؟ جو پل پل ڈستے رتجگوں کی ہمسفری میں آرزوؤں کو روگ نہ لگا دے؟ سونا چاہتے ہوئے بھی اس شخص کی یاد بن بلائے مہمان کی طرح اس کے دل کے دروازے پہ بنا دستک دیئے، چلی آتی تھی اور وہ...... دل کی نگری کے ہزاروں خدشوں، اندیشوں، وسوسوں، دکھوں اور اپنے اور اس کے ادھورے تعلق کو، بھیگی آنکھوں کے ساتھ کمرے کے اک کونے میں رکھے رائیٹنگ ٹیبل پہ موجود کورے کاغذوں کو اپنے کانپتے ہاتھوں سے، لمبی گہری چپ جیسی رات کے آنچل تلے صفحہ قرطاس پہ بکھیر دیتی تھی، دل کا بوجھ اس کے لفظ بخوبی اٹھا لیتے تھے اور وہ تھوڑی دیر کے لئے ہی سہی پرسکون ہو جایا کرتی تھیں، اب بھی وہ اپنی جستجو میں لفظوں سے کھیلنے لگیں تھیں، قلم خود بخود لفظوں میں رنگ بھرنے لگا تھا، دل کی بے چینی اس شخص کی تصویر بنانے لگی تھی جو کبھی ان کی زندگی ہوا کرتا تھا، وہ زندگی جس میں اب ان کی زندگی نہ تھی۔

تم پاس رہو میرے
تم پاس اگر ہو گے
غم پاس نہ آئیں گے
اس زیست کے موسم میں
بے کیف سے کچھ لمحے
جب مجھ پہ گراں گزرے

میں ان کی یہ بے کیفی
اور ان کی گراں باری
یہ سوچ کے سہہ لوں گی
یہ قرض ہے قربت کا
جو مجھ کو چکانا ہے
تم پاس رہو میرے
جب صبح کی اذانیں ہوں
اور آنکھ کھلے میری
تم سامنے بیٹھے ہو
دیدار کروں تیرا
ہر دن کا اسی طرح
آغاز کروں جاناں
تم پاس رہو میرے

لکھتے لکھتے قلم رک گیا تھا اور شاید وقت بھی، اس کی نفرت کے ہاتھ پاؤں باندھ کر محبت نے ایک بار پھر اسے کسی پاتال میں پھینک دیا تھا اور اس کے دل کو اپنی مٹھی میں جکڑے، محبت اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے، اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی اور اپنا اظہار کر رہی تھی، لفظوں کے روپ میں۔

☆☆☆

اسے بارشیں بہت پسند تھیں لیکن اس نے یہ کبھی چاہ نہیں کی تھی کہ وہ اس کے اندر برسا کریں گلاس وال سے لگی وہ ویران آنکھوں سے بھیگتے لان کو دیکھ رہی تھی، نکھرا ہوا منظر اس کے سامنے تھا لیکن اندر غم کا دھواں گھٹن بن رہا تھا۔

کسی برباد بستی کی طرح اندر کا موسم اجڑا اجڑا سا تھا، زندگی کی شام ہجر کے موسم میں گھر گئی تھی جیسے، دل سے اک ہوک سی اٹھی تھی۔

کوئی رات یاد نہیں رہی
کوئی شام پاس نہیں رہی
تیرے عشق میں
میرے دل کی ساری ریاضتیں
کسی گہری دھند میں کھو گئیں
مجھے میرے دکھ میں ڈبو گئیں

محبت نے پریشے کو منزل پہ پہنچا کر بے آسرا کر دیا تھا بڑا ظلم کیا تھا اس کم بخت محبت نے، مسافت ایک بار پھر اس کا مقدر بن گئی تھی، لیکن سمیرا اسے محبت کے کھوئے ہوئے نشاں دوبارہ ڈھونڈنے پہ مجبور کر رہا تھا۔

پریشے یہ بھی جانتی تھی کہ یہ مجبوری خود اس کے لئے ایک کٹھن امتحان بننے والی تھی، اسے اذیتوں کے راستوں پہ دوبارہ گزرنا ہوگا، غم کے ریگستانوں میں اسے ننگے پاؤں چلنا پڑے گا۔

لیکن وہ محبت ہی کیا جو امتحان لے اور رعایت کر دے؟ دفعتاً اس کے کمرے کے دروازے پہ دستک ہوئی تھی اور اس کی ساری سوچیں منتشر ہو گئی تھیں، چند لمحے وہ خالی نظروں سے دروازے کو دیکھتی رہی دروازے پہ دوسری بار دستک ہوئی تھی۔

وہ یہ دستک بخوبی پہچانتی تھی وہ چند ثانیے خالی نظروں سے بند دروازے کو دیکھتی رہی اسے ایسا لگ رہا تھا اگر اس نے دروازہ کھول دیا تو اس کی محبت کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے گا اور وہ ایسا نہیں کرنا چاہتی تھی، وہ محبت کا دروازہ کھلا رکھنا چاہتی تھی کیونکہ وہ زندہ رہنا چاہتی تھی۔

''پری کہاں ہو تم؟ دروازہ کھولو۔'' باہر سے عارفہ بیگم کی جھنجھلائی ہوئی آواز نے اسے دروازہ کھولنے پہ مجبور کر دیا تھا، عارفہ بیگم خوبصورت ساڑھی میں ملبوس کمرے میں آئیں اور پری کو رف سے حلیے میں دیکھ کر حیران ہوئیں۔

''تم تیار نہیں ہوئی؟''

''نہیں۔'' بے دلی سے نفی میں سر ہلایا گیا۔

''مگر کیوں؟''

''میرا دل نہیں چاہ رہا۔'' بے زاریت۔
''تمہارا دماغ تو نہیں خراب؟ صوفی نے یہ لنچ رکھا ہی تمہارے لئے ہے اور تم کہہ رہی ہو دل نہیں چاہ رہا؟'' عارفہ بیگم برہم ہوئیں۔
''مام پلیز کوئی بہانہ بنا دیجئے گا، میرا بالکل بھی موڈ نہیں ہے جانے کو۔'' اس کی بات پہ عارفہ نے اپنی اکلوتی خودسر بیٹی کو دیکھا۔
''کیا مطلب ہے تمہارا؟ تم کوکی کو کیوں Avoid کر رہی ہو؟'' اب کے تفتیش کی گئی تھی۔
''مام آپ اچھی طرح سے جانتی ہیں، کوکی کبھی بھی میری گڈ بک میں شامل نہیں رہا، زہر لگتا ہے وہ مجھے۔'' پری کے لہجے میں کوکی کے لئے ناپسندیدگی محسوس کرتے ہی عارفہ کا پارہ ہائی ہو گیا تھا۔
''تو اب اسے اپنی گڈ بک میں شامل کر لو، کیونکہ میں تمہاری شادی کوکی سے کرنا چاہتی ہوں، بہت کر لیں تم نے اپنی مرضیاں، اب اور نہیں کھیلنے دوں گی میں تمہیں تمہاری زندگی سے۔'' ان کا انداز حتمی تھا۔
''مام اس بار بھی میرا جواب انکار میں ہو گا۔''
''مجھے سمجھ نہیں آتی تمہیں کوکی سے مسئلہ کیا ہے؟ کیا کمی ہے کوکی میں؟ کروڑوں کی جائیداد کا اکلوتا وارث ہے Well educated ہے اور سب سے بڑھ کر تم طلاق یافتہ کو دل و جان سے چاہتا ہے عزت کے ساتھ تمہیں اپنانا چاہتا ہے۔''
عارفہ بیگم نے اسے کھری کھری سنائیں، تو وہ لفظ طلاق یافتہ پہ ہنسی اس کی ہنسی میں کرب تھا، بے پناہ تکلیف تھی۔
''آپ بھول گئی ہیں شاید، طلاق جیسی سولی پہ بھی مجھے آپ ہی کی وجہ سے لٹکایا گیا تھا۔''
''جسٹ شٹ اپ پری، اپنے باپ کی طرح ہر بات کا الزام مجھ پہ تھوپنا چھوڑ دو، تمہارے اس یوسف ثانی شوہر نے کیا، کیا تمہاری محبت کے ساتھ؟ تمہیں طلاق دیتے ہوئے ایک لمحے کے لئے بھی اس نے تمہارے بارے میں نہ سوچا اور تم اس اسٹوپڈ اور بے وفا شخص کی جدائی کا غم سینے سے لگائے زندگی کو دوسری بار ٹھکرا رہی ہو اور اس بار تمہیں کچھ بھی غلط نہیں کرنے دوں گی۔'' عارفہ بیگم غصے میں حتمی فیصلہ سناتے ہوئے بولیں۔
''سمیر سے شادی کرنا، میری غلطی نہیں مام، وہ آج بھی مجھے اتنا ہی چاہتا ہے جتنا شادی سے پہلے۔''
''تم آج بھی اس گھٹیا شخص کی حمایت کر رہی ہو؟ جس نے محض شادی کے ایک ماہ بعد تمہیں طلاق کا میڈل پہنچا کر اس گھر میں بھیج دیا تھا؟ پری میں نے تم جیسی بے وقوف لڑکی نہیں دیکھی، میری بیٹی ہو کر محبت کے نام پہ دھوکا کھا رہی ہو؟''
''مام میں آپ سے بحث نہیں کرنا چاہتی، صرف اور صرف کوکی کے بارے میں اپنی رائے دینا چاہتی ہوں، وہ نہ کل میری پسند تھا نہ آج'' پریشے نے بھی فیصلہ سنایا۔
''غلطی میری ہی ہے خواہ مخواہ تمہیں اپنے پاس رکھ لیا تھا میں نے، تم جیسی خودسر لڑکی کو تمہارے باپ کے پاس چھوڑ دیا ہوتا تو آج یہ دن نہ دیکھنے پڑتے مجھے، بہر حال میری ایک بات یاد رکھنا، اگر اس بار تم نے میرے بھانجے کو ٹھکرایا تو میں تمہیں عاق کر دوں گی کوئی تعلق واسطہ نہیں رکھوں گی تم سے۔'' عارفہ بیگم غصے میں تن فن کرتیں اسے دھمکی دے کر کمرے سے باہر نکل گئیں تھیں اور وہ بے جان وجود کے ساتھ بیڈ

پہ بیٹھ گئی تھی۔
دھوپ چھاؤں کا موسم اس کے اندر ہی کہیں رک سا گیا تھا اور روح میں کچھ ٹوٹ جانے کی چبھن تھی۔
دفعتاً اس کے موبائل کی بپ خاموش کمرے میں گونج اٹھی تھی، اس نے فون نہیں اٹھایا تھا، کیونکہ وہ جانتی تھی، سمیر اسے کال کررہا تھا۔

☆☆☆

''ایک ہفتے سے تم مجھے نظر انداز کررہی ہو؟ کیوں؟'' سمیر کے شکوے پہ وہ کتنے ہی پل اسے دیکھتی رہی تھی۔
''ایک لمحے میں تم نے مجھے اپنی زندگی سے نکال باہر کیا اور میں تمہیں نظر انداز بھی نہ کروں؟'' بین کرتا شکوہ بلبلا اٹھا تھا اس کے لبوں پہ۔
''اسی غلطی کا ہی تو ازالہ کرنا چاہتا ہوں میری جان۔'' جواباً وہ کچھ نہیں بولی تھی اک تکلیف زدہ خاموشی کا راج تھا اس کے اندر پری اتنی خاموشی؟
''بات تو کرو؟'' سمیر نے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے گردن موڑ کر گم صم سی بیٹھی پریشے کو دیکھا۔
''کیا بات کروں؟ ساری باتیں تو ختم ہو چکی ہیں ہمارے بیچ اب کیا کہوں؟ کچھ بھی تو نہیں رہنے دیا تم نے۔'' پری نے رندھی ہوئی آواز میں شکوہ کیا تو سمیر نے گاڑی پارکنگ میں لگانے کے بعد رخ پری کی جانب موڑا اور اس کے ہاتھ تھامتے ہوئے بولا۔
''کچھ بھی ختم نہیں ہوا ہے تمہارے اور میرے بیچ، تین لفظ کہہ دینے سے میری محبت فنا نہیں ہوسکتی، میں آج بھی اتنی ہی شدت سے تمہیں چاہتا ہوں اور نہیں رہ سکتا تمہارے بغیر، میرا گھر میرا دل میرا وجود ادھورا ہے تمہارے بغیر پلیز کم بیک پری۔'' سمیر جذب میں اس کے ہاتھ تھامے التجا کررہا تھا۔
''تو پھر کیوں ظلم کیا تم نے میرے اور اپنے ساتھ؟ تمہارے نکاح میں آنے کے لئے کیا کیا جتن نہیں کیے تھے میں نے، تم ایک لمحے میں سب بھول گئے؟'' آنسو اس کی آنکھوں سے شکوہ بن کر بہنے لگے تھے، سمیر تڑپ گیا تھا۔
''دماغ خراب ہوگیا تھا میرا...... پاگل ہو گیا تھا میں اور تم بھی تو مسلسل مجھ سے بحث کر رہی تھی، وکالت کررہی تھی اپنی مام کی، غصے میں آؤٹ کنٹرول ہوگیا تھا میں اور اسی غصے نے تمہیں مجھ سے دور کردیا، میں...... میں تمہیں کیسے بتاؤں پری میں کس قدر شرمندہ ہوں پشیمان ہوں، ساری رات جاگ کر گزارتا ہوں، احساس ندامت مجھے سونے نہیں دیتا، پلیز میری زندگی میں واپس آجاؤ۔'' سمیر کے لہجے میں اس کے لئے تڑپ تھی وہ از حد شرمندہ تھا، والہانہ اس سے اظہار کررہا تھا، سمیر اب شاید یہ ممکن نہ ہو۔
''مام میری شادی کوکی سے کرنا چاہتی ہیں۔'' انہوں نے اپنا حتمی فیصلہ سنا دیا ہے۔
''اگر میں نے اب کی بار کوکی سے شادی نہ کی تو وہ مجھے عاق کردیں گی اور ساری زندگی مجھے معاف نہیں کریں گی۔'' کرب گویا پری کی شریانوں سے پھوٹ رہا تھا۔
''کم آن ڈارلنگ ایسا کچھ نہیں ہوگا، وہ صرف تمہیں اموشنل بلیک میل کررہی ہیں۔'' سمیر نے اسے تسلی دینی چاہی تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔
''نہیں سمیر، مام کا انداز حتمی ہے انہوں نے مجھے اپنا فیصلہ سنا دیا ہے۔''
''پری یہ صرف تمہارے خدشات ہیں،

دیکھ لینا، ایسا کچھ بھی نہیں ہو گا، دو چار ہفتے کی ناراضگی کے بعد سب کچھ نارمل ہو جائے گا۔'' سمیر اسے تسلیاں دے رہا تھا اور اس کی آواز رندھ گئی تھی۔

''سمیر تمہارے پاس واپس آنے کا راستہ بہت کٹھن ہے، میں اس وقت عجیب کشمکش کا شکار ہوں۔'' اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

''پری...... پری میری جان پلیز، ایسے ہمت مت ہارو، مت رو مجھے بہت تکلیف ہو رہی ہے، تمہارے یہ آنسو میرے دل پہ گر رہے ہیں۔'' سمیر نے گھبرائے ہوئے انداز میں اسے چپ کروانے کی کوشش کی۔

''پلیز چیئر اپ پری، اپنے ذہن کو مت الجھاؤ، سب معاملات بہت آسانی سے حل ہو جائیں گے، میرے ہوتے ہوئے تمہیں پریشان ہونے کی ہرگز ضرورت نہیں ہے۔'' سمیر نے اس کا ہاتھ لبوں سے لگانا چاہا تھا لیکن پری نے دھیرے سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا تھا۔

''پتہ نہیں کیسے ہو گا یہ سب؟'' اس کے حوصلے پہ اعتبار کرنا پری کو اب بھی مشکل لگ رہا تھا۔

''ہم کوئی ضرورت مند شخص ڈھونڈ لیں گے، اسے رقم کا لالچ دے کر اگیری منٹ کر لیں گے، شادی کے دو چار دن کے بعد وہ شخص تمہیں طلاق دے دے گا اور پھر...... ہم دونوں ایک ہو جائیں گے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔'' سمیر کی تسلیوں اور دلاسوں نے اس کی آنکھیں خشک کر دی تھیں۔

''مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہا، دماغ ماؤف ہو رہا ہے میرا۔'' پری نے الجھے انداز میں اپنا ہاتھ کنپٹی پہ رکھا۔

''کم آن یار، یہ لو اپنی آنکھیں صاف کرو۔'' سمیر نے ٹشو اس کی طرف بڑھایا۔

''اور پلیز اپنا موڈ بھی ٹھیک کر لو، تمہارے فیورٹ ریسٹورنیٹ لایا ہوں تمہاری پسند کا کھانا کھلانے، ایسے لگ رہا ہے تمہیں گڈنیپ کر کے لایا ہوں۔'' سمیر کی بات پہ دھیرے سے مسکراتے ہوئے اس نے ٹشو اس کے ہاتھ سے لے کر اپنا چہرہ صاف کیا تھا اور اس کے ساتھ گاڑی سے باہر نکل آئی تھی، بلیو جینز پہ وائٹ اسٹائلش سی شرٹ پہنے، ریڈ لیدر کے شوز ریڈ ہی لپ اسٹک اور نیل پالش لگائے، ڈارک براؤن بالوں کی اونچی سی پونی ٹیل بنائے وہ خاصی پریٹی لگ رہی تھی۔

موسم خاصا سہانا ہو رہا تھا، درخت ہوا سے جھول رہے تھے وہ سمیر کے ساتھ ریسٹورنٹ کے اندر جا رہی تھی جب دو تین منچلے نوجوان لڑکوں میں سے ایک نے اسے دیکھتے ہوئے آنکھ کا کونا دباتے ہوئے ویسلنگ کی تھی اور گنگنانا شروع کر دیا تھا۔

دو نمبر میں دیواں تیری اوچی لمبی ہیل نوں
دو نمبر میں دیواں تیری سلم فٹ جینز نوں
دو نمبر میں دیواں تیری سوڑیں کیٹ واک نوں
دو نمبر نے جیڑے دیواں تیرے توں وارنی
قل ملا کے سوڑیں توں حسنا دی سرکار نی

پری ان بدتمیز لڑکوں کو دیکھ کر پیچ و تاب کھا کر رہ گئی تھی۔

''سمیر میرا جی چاہ رہا ہے لگاؤں اس لڑکے کو ایک زور کا تھپڑ، مجھے گھورتے ہوئے بے ہودہ سونگ گنگنا رہا تھا۔'' پری نے اپنے ساتھ چلتے سمیر کو مخاطب کیا تھا۔

''دفعہ کرو میری جان، ایسے گھٹیا لوگوں کے منہ نہیں لگتے، ایسے بے ہودہ لوگوں سے الجھنا بے کار ہے۔'' سمیر اسے بہلاتے ہوئے اس کا ہاتھ

تھامے ریسٹورنٹ میں داخل ہو گیا تھا۔

☆☆☆

وہ جب یاد آئے
بہت یاد آئے
غم زندگی کے اندھیرے میں ہم نے
چراغ محبت جلائے بجھائے
وہ جب یاد آئے
بہت یاد آئے
آہٹیں جاگ اٹھیں راستے ہنس دیئے
تھام کر دل اٹھے ہم کسی کے لئے
وہ جب یاد آئے
بہت یاد آئے
دل سلگنے لگا، اشک بہنے لگے
جانے کیا کیا ہمیں لوگ کہنے لگے
وہ جب یاد آئے
بہت یاد آئے
ہم جدا کیا ہوئے زندگی کھو گئی
شمع جلتی رہی روشنی کھو گئی
بہت کوششیں کیں مگر دل نہ بہلا
کئی ساز چھیڑے کئی گیت گائے
جب یاد آئے
بہت یاد آئے

ریکھا نے دروازے سے اندر قدم رکھے تو محمد رفیع کی گونجتی آواز نے اسے چونکا دیا، اس نے اپنا رین کورٹ اور لانگ شوز اتارے اور راہداری سے اندر کی جانب قدم بڑھائے، لیکن راہداری میں لگی آدھی دیوار جتنی فریمنڈ تصویر اور تصویر میں موجود اس ساحرہ نے اس کی توجہ مبذول کروالی تھی اور ہمیشہ کی طرح اندر کی جانب اس کے اٹھتے قدم رک گئے تھے۔

''ماہی تم ہمیشہ ذوریز کی جانب میرے اٹھتے قدموں کو روک لیتی ہو، مجھے راس نہیں آتا اس سے ملنا، تم اگر اس کے ہاتھوں کی لکیریوں میں نہ لکھی ہوتی تو چھین لیتی میں اسے، لیکن کیا کروں؟ تم اس کی نس نس میں بسی ہوئی ہو، تمہاری یادیں اس سے چھیننا آسان ہوتا تو میں انہیں اس شہر کے گلی کوچوں میں تقسیم کر دیتی انہیں ریزہ ریزہ کر کے کسی دریا میں بہا دیتی، پھر تمہاری جدائی کا دکھ اسے تلاش کرتا اور کبھی کامیاب نہ ہوتا، مگر تم کیا جانو ماہی، وہ صدیوں سے تمہاری محبت میں قید ہے، وہ آج بھی تمہارے حسن کے در و بام میں قیام پذیر ہے اس کی ویران آنکھوں میں آج بھی تمہارا صرف تمہارا عکس ہلکورے لیتا ہے، اس کی محرومیاں آج بھی صرف تمہاری راہ دیکھتی ہیں۔''

''اس کی راتیں آج بھی تم سے بچھڑنے کا سوگ مناتی ہیں، ان کی بیمار پڑی شاموں میں تمہاری محبت مسکراتی ہے تو وہ بھٹک جاتا ہے، وہ تمہاری تصویر دیکھتا ہے تو بے بسی اس کے لبوں پر کپکپانے لگتی ہے، بڑا حسد محسوس ہوتا ہے مجھے تم سے تم اس کے لئے روگ نہ ہوتی تو میں ذوریز کو کسی معصوم بچے کی طرح اپنی بے پایاں محبت سے بہلا لیتی، قید کر لیتی اسے مگر کیا کروں تمہاری محبت کی جڑیں اس کے اندر تک اتری ہوئی ہیں کس کس کو کاٹوں؟ کیا کروں ماہی؟ دیئے کی لو کی طرح تنہا جلنا اور جل کر بجھ جانا میرا مقدر ہے شاید۔'' اجڑی آنکھوں اور شکستہ دل کے ساتھ وہ ماہی کی تصویر سے مخاطب تھی۔

''ارے ریکھا تم کب آئیں؟'' ذوریز کی حیرت میں ڈوبی آواز ریکھا کے کانوں سے ٹکرائی تو اس نے چونک کر رخ موڑا۔

''ابھی تھوڑی دیر پہلے۔'' وہ مسکرائی، اسے دیکھ کر آنکھیں یونہی روشن ہو جایا کرتی تھیں ریکھا کی۔

''یہاں کیوں کھڑی ہو اندر آؤ ناں۔''
ذوریز نے اسے راستہ دیا۔
''کاش تمہارے دل میں آنے کا راستہ بھی ایسے ہی آسان ہوتا۔'' ریکھا بولی نہیں تھی بس سوچ کر رہ گئی تھی۔
''دو دن سے آفس نہیں آ رہے ہو، موبائل بھی بند کر رکھا ہے، پھر مجھے تو آنا ہی تھا۔''
''مجھے معلوم تھا تم آج ضرور آؤ گی، اسی لئے دروازہ کھلا رکھا۔'' ذوریز نے ٹی وی لاؤنج کے صوفے کی طرف اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا، آتش دان حسین الاؤ دہک رہا تھا، آج کل کینیڈا میں خوب برف باری ہو رہی تھی۔
''لیکن دل کا دروازہ ہمیشہ بند رکھتے ہو۔'' صوفے پہ بیٹھتے ہوئے ریکھا نے مسکرا کر شکوہ کیا۔
''اختیار سے باہر صرف ایک ہی ہستی ہوتی ہے اور اسی ہستی کے لئے دل کا دروازہ کھلتا ہے اور اس ہستی کا نام تم اچھی طرح سے جانتی ہو ریکھا۔'' اس کے مقابل بیٹھتے ہوئے ٹیبل سے سگریٹ کی ڈبیا اٹھاتے ہوئے انہوں نے مسکرانے کی کوشش کی تھی۔
''ہم کب انکاری ہیں ماہی کی خوش نصیبی سے۔'' ریکھا نے اپنے کھلے بال دائیں کندھے پہ ڈالتے ہوئے اعتراف کیا۔
''تو سامنے بیٹھا۔'' چھ فٹ کا بیالیس سالہ شاید دنیا کا سب سے پرکشش مرد بے بسی سے ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔
''کتنی بار کہا ہے کیوں پیتے ہو اتنی سگریٹ، سخت نقصان دے ہے تمہارے لئے۔'' ریکھا نے جھنجھلا کر اس کی انگلیوں میں دبے سگریٹ کو دیکھا۔
''کم آن ریکھا، میں اب بہتر ہوں۔'' اس نے تسلی دی۔
''کہاں بہتر ہو؟ حالت دیکھو ذرہ اپنی۔'' اس نے خشمگیں نگاہوں سے سامنے بیٹھے دشمن جاں کو دیکھا۔
''تمہیں وہم کی بیماری ہے، میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' ذوریز مسکرایا۔
''اینی وے تم بیٹھو، میں تمہارے لئے کافی بناتا ہوں۔'' وہ اپنی نشست سے اٹھا۔
''رہنے دو میں بناتی ہوں۔'' ریکھا نے اسے منصوعی خفگی سے گھورا۔
''ایمان سے تمہارے ہاتھ کی کافی پینے کو دل چاہ رہا تھا۔'' ہنوز مسکراہٹ اس کے لبوں پہ تھی۔
''تو فون کر کے فرمائشیں ہی کر دیتے، میں فوراً آ جاتی۔'' کچن کی جانب جاتے ہوئے وہ دل ہی دل میں مسرور ہوئی۔
''تم میری بیوی تھوڑی ہو، جو فرمائشیں کرتا؟'' وہ سگریٹ کا کش لیتے ہوئے اس کے پیچھے آیا، ریکھا کے قدم رک گئے، دل کی تڑپ نے اسے پلٹ کر دیکھنے پہ مجبور کر دیا تھا۔
''مذاق کر رہا ہوں یار۔'' وہ مسکرایا۔
''تم اور تمہارے مذاق، کبھی یاد کرو گے مجھے۔'' وہ کچن میں آ گئی۔
''ہاں جب تمہاری شادی میت سے ہو جائے گی۔'' اس نے جان بوجھ کر میت کا نام لے کر اسے چھیڑا۔
''تم اچھی کافی پینا چاہتے ہو کہ نہیں؟'' ریکھا نے چڑ کر سوس پین اس کے آگے لہرایا تو ذوریز قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

☆☆☆

''محبت اور شادی ہمیشہ کسی جی دار بندے سے کرنی چاہیے جسے نہ سماج کی پروا ہو نہ زمانے

کے فرسودہ رواجوں کی فکر، جو آپ کے لئے ساری دنیا سے لڑ جانے کی ہمت رکھتا ہو، جو محبت کرے تو لازوال۔" پریشے ساحل سمندر پہ ننگے پاؤں چلتی ہوئی دھیرے سے بولی پانی کی لہریں اس کے پیروں کو چھو کر واپس لوٹ رہی تھیں، اس کی بات پہ می می اور ماہ رخ مسکرائیں، بہت دنوں کے بعد وہ تینوں فرینڈ چل آؤٹ کے لئے سی ویو آئی تھیں۔

"پری، اجے دیوگن، سنی دیول اور شاہ رخ خان جیسے ہیروز ریل لائف میں ہرگز نہیں ملتے، اس لئے زیادہ فلمی ہونے کی ضرورت نہیں۔" ماہ رخ کے مشورے پہ وہ ایک بار پھر مسکرائی۔

"مجھے ایسے فلمی ہیروز کی ضرورت بھی نہیں ہے، سمیر ہے ناں میرا سب کچھ۔" اس کے لہجے میں سمیر کے لئے محبت ہی محبت تھی، می می نے حیرت سے اس کے ساتھ چلتے ہوئے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"سمیر سب کچھ تھا، اب نہیں ہے پری، طلاق دے چکا ہے وہ تمہیں سمیر مجھے دوبارہ اپنانا چاہتا ہے۔" اس کے انکشاف نے می می اور ماہ رخ کو حیران کیا تھا۔

"مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ تو تمہیں چھوڑ چکا ہے۔" می می نے اپنی حیرت کا اظہار کیا۔

"بہت محبت کرتا ہے وہ مجھ سے، اسی لئے دوبارہ اپنانا چاہتا ہے وہ مجھے۔" اس نے دھیرے سے بتایا۔

"اگر اسے تم سے اتنی ہی محبت ہوتی تو وہ تمہیں کبھی طلاق نہ دیتا۔" ماہ رخ نے بھی اسے یاد دلایا۔

"طلاق اس نے مجھے غصے میں دی تھی اور جہاں تک محبت کی بات ہے تو وہ سمیر مجھ سے بے تحاشا کرتا ہے، اسی لئے تو......" وہ بولتے بولتے رکی۔

"یاد ہے تم دونوں کو اس نے مجھے پانے کے لئے اپنا گھر اپنی ماں کو چھوڑ دیا تھا۔" پریشے کے انداز میں غرور تھا۔

"ہاں یاد ہے اور اسی مان کی خاطر اس نے تمہیں بھی تو چھوڑ دیا تھا۔" می می کی یاد دہانی پہ اس کے ماتھے پہ بل پڑ گئے تھے۔

"میں سمیر سے مسلسل بحث کر رہی تھی، اس سے لڑ رہی تھی، غصے میں اس نے مجھے طلاق دے دی، وہ اس وقت ہوش میں نہیں تھا اور......"

"پری پلیز، مت وکالت کرو سمیر کی، طلاق ہمیشہ غصے میں ہی دی جاتی ہے پیار سے کوئی کسی کو طلاق نہیں دیتا۔" ماہ رخ نے اسے ڈپٹا تو وہ چند لمحوں کے لئے خاموش ہوئی، ان تینوں کے قدم اب پارکنگ کی طرف اٹھ رہے تھے۔

"میں مانتی ہوں اس نے میرے ساتھ بہت غلط کیا تھا لیکن، سمیر مجھے دوبارہ اپنانا چاہتا ہے اپنی غلطی کو سدھارنا چاہتا ہے اور اس میں ایسا کیا غلط ہے؟ وہ میرے بغیر نہیں رہ سکتا۔" پری نے ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھتے ہوئے کہا۔

"اس بار جو بھی قدم اٹھاؤ سوچ سمجھ کر اٹھانا۔" می می نے اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پہ بیٹھتے ہوئے مشورہ دیا، تو وہ اثبات میں سر ہلا کر گاڑی پارکنگ سے نکالنے لگی۔

"عارفہ آنٹی کیا کہتی ہیں اس سلسلے میں؟" پیچھے بیٹھی ماہ رخ نے استفسار کیا۔

"مام تو سمیر کا نام بھی سننا گوارا نہیں کرتیں اور مصیبت یہ کہ اس بار مام کوکی سے میرا رشتہ طے کرنے کا حتمی فیصلہ کر چکی ہیں۔" گاڑی اب سڑک پہ دوڑ رہی تھی۔

"مجھے تو سمجھ نہیں آتی تمہاری مام کوکی جیسے زلیخا ہی ملا داماد بنانے کے لئے۔" می می نے

پھلایا۔
"پری تم اپنے فادر سے کونٹیکٹ کیوں نہیں کرتی؟" ماہ رخ نے مشورہ دیا۔
"کیا تھا میں نے ڈیڈ سے کونٹیکٹ۔" پری نے ایک جگہ یوٹرن لیا۔
"وہ بھی مام کی طرح خودغرض ہیں، صرف اپنی اور اپنے خاندان کی پروا ہے انہیں۔" پری نے تاسف سے کہا۔
"کیا کہا انہوں نے؟"
"ڈیڈی میری شادی اپنے پینڈو بھتیجے اعجاز سے کرنا چاہتے ہیں، سمیر سے شادی کے حق میں تو وہ پہلے بھی نہیں تھے۔" پری کے استفسار پہ می می حیران ہوئی۔
"ویسے مجھے حیرت ہوتی ہے تمہارے پیرنٹس پر اعجاز اور کوکی جیسے نمونے ہی ملے ہیں انہیں تمہارے لئے؟"
"تمہاری حیرت بجا ہے می می، کبھی کبھی تو مجھے لگتا ہے میں Adopted child ہوں، اعجاز ایک Typical میٹرک فیل دیہاتی مرد ہے جو آج بھی عورت کو اپنے پیر کی جوتی سمجھتا ہے اسے ڈیڈی نے میرے لئے منتخب کر رکھا ہے۔"
"اور کوکی پیرس سے فیشن ڈیزائنگ جیسی ماسٹر ڈگری لایا ہے لیکن اسے دیکھ کر بندہ Confused ہو جاتا ہے کہ موصوف کا تعلق کس جنس سے ہے؟ اور مام اسے میرے شوہر کے روپ میں دیکھنے کی خواہش رکھتی ہیں۔" اس کا انداز کچھ ایسی بے چارگی لئے ہوئے تھا کہ می می اور ماہ رخ دونوں ہی ہنسنے لگیں تھیں۔
"مجھے اپنی قسمت پہ رونا آتا ہے اور تم دونوں ہنس رہی ہو؟" پری نے خفگی دیکھائی۔
"قسم سے ہمیں دلی ہمدردی ہے تم سے۔" ماہ رخ نے یقین دلایا۔
"مجھے تم دونوں کی خالی ہمدردی نہیں چاہیے، اس مصیبت سے نکلنے کا حل بتاؤ۔" پری نے التجاء کی۔
"تمہیں حلالہ کرنا پڑے گا۔" می می نے سنجیدگی سے بتایا۔
"ہاں جانتی ہوں میں، مگر اس کے لئے ہمیں ایک ایسا شخص ڈھونڈنا ہوگا جسے ہم رقم کا لالچ دے کر شادی کریں گے اور وہ دو چار دن کے بعد مجھے ہمیشہ کے لئے چھوڑ دے گا، طلاق دے دے گا مجھے۔" پری نے سمیر کی پلاننگ انہیں بتائی۔
"یہ پلاننگ تمہیں کس نے بتائی؟" ماہ رخ نے پوچھا۔
"بھئی ظاہر ہے سمیر نے۔" پری نے کندھے اچکائے۔
"مگر میں نے تو سنا ہے کہ حلالہ کے لئے اس طرح نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔" ماہ رخ نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔
"کم آن یار، جائز اور ناجائز کی بات مت کرو، ہم روزانہ نا جانے کتنے ہی ناجائز کام دھڑلے سے جائز سمجھ کر رہے ہوتے ہیں، تب تو ہم نے کبھی یہ بات سمجھنے کی کوشش نہیں کی، دراصل میں صرف اپنا ٹوٹا ہوا گھر دوبارہ بنانا چاہتی ہوں، اپنے اور سمیر کا ادھورا رشتہ دوبارہ جوڑنا چاہتی ہوں، میں نہیں چاہتی کہ زندگی کے کسی موڑ پہ میری اولاد خصوصاً بیٹی وہی طعنے کھائے جو میں مام کے حوالے سے اب تک کھاتی آئی ہوں۔" بولتے بولتے اس کی آواز رندھ گئی تھی۔
"ڈونٹ وری پری جان، ہم دونوں کے ہوتے ہوئے تمہیں پریشان ہونے کی بالکل بھی

ضرورت نہیں ہے۔'' می می نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے اسے تسلی دی تھی اور وہ دھیرے سے اثبات میں سر ہلا گئی تھی، ذہن بری سے منتشر تھا، گاڑی کی اسپیڈ بھی تیز تھی۔

یہی وجہ تھی کہ اگلے ہی لمحے ایک بائیک والا اس کی گاڑی کی زد میں آ گیا تھا اس اچانک افتاد پہ پری نے گھبرا کر فوراً بریک لگائی تھی مگر وہ بائیک اور اس پہ بیٹھا نوجوان گاڑی کی ٹکر سے گھسیٹتا ہوا کئی گز کے فاصلے پہ جا گرا تھا۔

وہ تینوں حواس باختہ سی ہو کر گاڑی سے نکلی تھیں اور اس نوجوان کی طرف لپکی تھیں، پری کا دل سوکھے پتے کی طرح لرز رہا تھا، جب وہ تینوں اس کے پاس پہنچی تو وہ نوجوان سر سے ہیلمٹ اتارے سڑک سے اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''محترمہ لگتا ہے بہت شوق ہے آپ کو اپنی گاڑی کے نیچے لوگوں کو کچلنے کا؟'' اس نوجوان نے غصے میں کھا جانے والی نظروں سے اپنے سامنے کھڑی ان تینوں الٹرا ماڈرن لڑکیوں کو دیکھا۔

''نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے وہ ایکچوئیلی۔'' می می گڑبڑائی۔

''ویسے جس طرح سے آپ لوگوں نے مجھے اوورٹیک کیا ہے اگر اللہ نے میری سانسیں مزید نہ لکھی ہوتیں تو آپ لوگوں نے مجھے اوپر پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔'' وہ جو کوئی بھی تھا نہایت غصے میں ان پہ برس رہا تھا، اس کے ہاتھ بازو چھیل گئے تھے، آہستہ آہستہ ان کے گرد لوگوں کا ہجوم اکٹھا ہو رہا تھا۔

''مسٹر غلطی میری نہیں سراسر آپ کی تھی، نا جانے کہاں سے آپ غلط ٹرن لے کر میرے سامنے آ گئے۔'' پری نے جواباً اسے باور کروایا۔

''واہ محترمہ اسے کہتے ہیں الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے، اوورٹیک بھی مجھے کیا، چوٹ بھی مجھے لگی، نقصان بھی میرا ہوا اور قصور بھی میرا ہی نکالا جا رہا ہے، سبحان اللہ بگڑے ہوئے طبقے کی بگڑی ہوئی اولادوں کے کیا کہنے؟'' وہ شخص ہنوز غصے میں ہاتھ جھاڑتا ہوا اپنی گری ہوئی بائیک اٹھانے لگا۔

''جسٹ شٹ اپ مسٹر، تمہیں لڑکیوں سے بات کرنے کی تمیز نہیں ہے کیا؟'' پری چلائی۔

''محترمہ مجھے تمیز کا لیکچر دینے کی بجائے کسی اچھے سے ڈرائیونگ سکول میں ایڈمیشن لینے کا پروگرام بنائیے، بھلا ہو جائے گا بہت سوں گا۔'' اس نوجوان کی زہریلی باتوں نے پری کا دماغ گھما دیا تھا۔

''اے مسٹر تمہیں اندازہ ہے کہ تم اس وقت کیا اول فول بک رہے ہو؟، اگر میں چاہوں تو ابھی ایک فون کال سے تمہیں حوالات کی سیر کروا سکتی ہوں۔'' پری نے غصے میں اسے دھمکی دی۔

''ویسے حد ہے ڈھٹائی کی، مجھ سے معافی مانگنے کی بجائے الٹا مجھے دھمکیاں دے رہی ہیں آپ؟ محترمہ یہ میڈیا کا دور ہے میری بنائی ایک ہی وڈیو ٹی وی پر بریکنگ نیوز چلا دے گی۔'' اس نوجوان کا اعتماد دیکھ کر می می نے اس کا بازو کھینچا۔

''پری ہولڈ اون، کیوں بات کو بڑھا رہی ہو؟''

''میں بڑھا رہی ہوں بات؟ دیکھا نہیں، بدتمیز انسان کیسی گھٹیا گفتگو کر رہا ہے؟''

''پری غلطی تمہاری ہی تھی، اوورٹیک بھی تمہی نے اسے کیا تھا اور بات کو آگے بھی تم بڑھا رہی ہو۔'' ماہ رخ نے بھی اسے ڈپٹا۔

''پری جلدی سے گاڑی میں بیٹھو، معمولی یہ واقعہ، سچ مچ بریکنگ نیوز بن جائے گا۔'' می اسے بازو سے پکڑ کر گاڑی کی طرف بڑھی۔

''تم دونوں کو نا جانے کیوں اس شخص سے ہمدردی کا بخار چڑھ رہا ہے؟'' وہ بڑبڑاتے ہوئے ڈرائیونگ سیٹ پہ آبیٹھی تھی۔

☆☆☆

تم پاس رہو میرے
تا کہ میرے ہونے کا
آغاز بھی تم سے ہو
انجام بھی تم سے ہو
میری صبح بھی ہو تم سے
ہر شام بھی تم سے ہو
تم پاس رہو میرے
تم عشق بھی میرا
تم میرا جنون بھی ہو
میرے جسم کی رگ رگ میں
بہتا ہوا خوں بھی ہو
بے تابی دل تم سے
اور دل کا سکوں بھی ہو
تم پاس رہو میرے
میرا دین تمہی سے ہے
ایمان تمہی سے ہے
میرا جسم بھی تم سے ہے
میری جان تمہی سے ہے
یہ ''پر'' میرے لفظوں کے
یہ اڑان تمہی سے ہے
میرا نام تیرے دم سے
پہچان تمہی سے ہے
میرے قلم کی یہ شہرت
یہ شان تمہی سے ہے
میرے سوچ سمندر میں
طوفان تمہی سے ہے
جو رہتی ہے ہونٹوں پر
مسکان تمہی سے ہے

لفظ ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے، دل کے سارے موسموں کو صفحہ قرطاس پہ بکھیر رہے تھے، ماہین حیران تھیں، جس شخص کی نفرت انہیں رائٹنگ ٹیبل تک لے کر آئی تھی قلم تھامتے ہی لفظ ان سے بغاوت پہ اتر آئے تھے، اس کی یادوں سے جڑی ساری خوشیاں، ہنستے ہنستے ان کی آنکھوں کو آنسوؤں سے بھر دیتی تھیں، نفرت کی جگہ وہ شخص خواہش ضرورت اور آرزو بن کر ان کی شاعری میں دھڑکنے لگتا تھا، جینے لگتا تھا سانس لینے لگتا تھا، وہ شخص جس سے کبھی ماہین نے محبت بھی انتہا کی، کی اور نفرت لمبی غضب کی۔

معاً دروازے پہ دستک ہوئی تھی اور پھر انوش ان کے کمرے میں آئی۔

''ہیلو مام، کیا ہو رہا ہے؟'' انوش نے عقب سے آکر ماں کے گلے میں بازو ڈالے، کچھ خاص نہیں۔

''جب آپ کہتی ہیں ناں، کچھ خاص نہیں، تو یقیناً کچھ خاص ہی لکھ رہی ہوتی ہیں۔'' انوش نے ان کے رائٹنگ ٹیبل پہ بکھرے سفید پیپرز پہ نگاہ ڈالی تو ماہین رائٹنگ ٹیبل کی چیئر سے اٹھتے ہوئے مسکرائیں۔

''رات کے بارہ بج رہے ہیں سوئی کیوں نہیں؟ پھر صبح آنکھ نہیں کھلے گی تمہاری۔'' ماہین بیٹی کو بازو کے حصار میں لئے بیڈ پہ آئیں۔

''نیند نہیں آ رہی تھی، میں نے سوچا آج آپ کو ڈسٹرب کیا جائے۔'' انوش لاڈ سے ماں کے بیڈ پہ لیٹتے ہوئے بولی۔

''تم تو جان ہو میری، زندگی ہو میری، تمہارے آنے سے میں کوئی ڈسٹرب ہونے لگی۔'' ماہین اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں۔

''مام یار آپ کی شاعری کی نئی بک کب آ

رہی ہے؟ اردو ڈیپارٹمنٹ کی میم رخسار گل پوچھ رہی تھیں مجھ سے۔"

"بس آج کل ایک نظم لکھ رہی ہوں، وہ مکمل ہو جائے تو اسی کے عنوان سے بک بھی آ جائے گی۔"

"عنوان کیا ہوگا؟" انوش کے استفسار پہ چند لمحوں کے لئے ماہین کے لبوں پہ خاموشی چھا گئی تھی، دفعتاً وہ آہستگی سے بولیں تھیں۔

"تم پاس رہو میرے۔"

"واؤ واٹ، آ بیوٹی فل نیم، ویسے آپ کو نہیں لگتا، بک کا نام تھوڑا متضاد ہے آپ کی زندگی سے۔" انوش نے بے ساختہ تعریف کی اور پھر پرسوچ انداز میں بولی۔

"کیا مطلب؟ میں کچھ سمجھی نہیں۔" ماہین نے حیرت سے بیٹی کو دیکھا۔

"سمپل آپ کی بک کا عنوان ہے تم پاس رہو میرے، حالانکہ آپ نے انہیں ملک بدر کر رکھا ہے، پاس تو اسے رکھا جاتا ہے ناں جس سے بے پناہ محبت ہو؟" انوش نے اپنی معصومیت اور بھول پن میں بہت خاص بات کہہ دی تھی، ماہین پہلو بدل کر رہ گئیں۔

"شاعری اور نثر میں ضروری نہیں ہوتا، لکھنے والا اپنا ذاتی تجربہ ہی تحریر کرے، کچھ چیزیں فرض بھی کی جاتی ہیں۔"

"اینی وے تم یہ باتیں نہیں سمجھو گی، یہ بتاؤ تمہارا ٹرپ کب جا رہا ہے؟" ماہین نے بات بدلی۔

"انشاء اللہ نیکسٹ ویک، ایک دو دن میں پیکنگ شروع کر دوں گی اور میں تمہارے بغیر ایک ہفتہ کیسے گزاروں گی؟" ماہین نے پیار سے بیٹی کو دیکھا۔

"آرام سے گزار لیں گی، آپ کا آدھا دن تو ویسے ہی آفس میں گزرتا ہے اور رات کو آپ لکھے بغیر سوتی نہیں ہیں، صرف ناشتے کی ٹیبل اور رات کے کھانے پہ آپ سے ملاقات ہوتی ہے۔" انوش نے نروٹھے سے انداز میں شکوہ کیا۔

"جاب نہ کروں تو گھر کو کیسے چلاؤں گی؟ تمہاری زندگی آسان بنانے کے لئے یہ قربانی تو دینا ہی تھی مجھے۔"

"جب ڈیڈ میرے تمام اخراجات بخوشی اٹھانا چاہتے تھے تو آپ نے کیوں انکار کیا؟ میں ان کی ذمہ داری تھی، میرا حق تھا ان پہ، کیوں ان کو اپنا حق ادا نہیں کرنے دیا آپ نے؟" انوش کے لہجے میں شکوے کے ساتھ ساتھ تجسس بھی پوشیدہ تھا۔

"ایکچوئیلی میں تمہارے باپ سے کسی بھی قسم کا کوئی تعلق واسطہ نہیں رکھنا چاہتی تھی، میں نہیں چاہتی تھی کہ وہ تمہارے بہانے میری زندگی میں انٹرفیر کرے اور ویسے بھی جب نفرت دل کی دیواروں پہ جگہ جگہ اپنے اشتہار اور بینر لگا دے تو دیواریں بھر جاتی ہیں اور رہے سہے تعلق کا بھی دم گھٹنے لگتا ہے، بس یہی سمجھ لو، وہ تعلق بھی دم توڑ گیا تھا میری نفرت کے آگے۔" بولتے بولتے نفرت، غصہ اور سختی اس کے چہرے پہ عود آئی تھی، سو مزید کچھ بولنا یا پوچھنا انوش نے مناسب نہ سمجھا تھا۔

☆☆☆

گزشتہ چار گھنٹے سے لائٹ بند تھی یو پی ایس بھی بند ہو چکا تھا، بڑے سے آنگن میں سکھ چین کے پیڑ تلے چارپائیاں بچھ چکی تھیں۔

"اللہ غرق کرے ان واپڈا والوں کو، ایک ہی بار جان نکال لیں یہ ہماری، جس دن جتنی گرمی ہوتی ہے لائٹ بھی اتنی ہی جاتی ہے۔"

گرمی اور حبس سے دادی کا دماغ بھی تندور کی طرح تپا ہوا تھا، سو ہینڈ فین جھلتے ہوئے

بڑبڑائیں۔

''بے جی کتنی بار کہا ہے آپ سے، آپ کی بددعائیں واپڈا والوں کا کچھ نہیں بگاڑنے والیں، کیوں خواہ مخواہ دل جلا کر اپنا بلڈ پریشر بڑھاتی ہیں آپ؟'' دوسری چارپائی پہ ستارہ سلائی مشین رکھے کپڑے سلائی کرتے ہوئے مسکرائی۔

''تو اور کیا ستارہ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے بے جی۔'' بے جی کی پائنتی پہ بیٹھی قمیض پر ترپائی کرتے ہوئے صابرہ بیگم نے بھی تائید کی۔

''میں تو سوچ سوچ کر پریشان ہو جاتی ہوں، جن بے چارے لوگوں کے گھر میں یہ موئی مشین (یو پی ایس) نہیں وہ کیا کرتے ہوں گے؟''

''بس بے جی انسان کو اللہ نے بڑا عجیب بنایا ہے یہ ہر حالات میں خود کو ڈھال لیتا ہے۔'' صابرہ بیگم نے آہ بھرتے ہوئے کہا۔

''بے جی ہم بھی تو ہر چیز کا الزام اپنی حکومتوں کو سونپ دیتے ہیں کچھ غلطیاں ہماری اپنی بھی تو ہیں، جن کی سزا ہمیں مل رہی ہے، جو معاشرے میں بگاڑ پیدا کر رہی ہیں۔'' ستارہ نے سلائی مشین روکتے ہوئے کہا۔

''نہ بھلا کون سی غلطیاں؟'' بے جی نے تکیہ درست کرتے ہوئے ستارہ کو دیکھا۔

''بے حیائی کتنی بڑھ گئی ہے ہمارے معاشرے میں؟ سروں سے دوپٹے اتر گئے ہیں، عجیب بے ہودہ لباس پہننے لگے ہیں ہم۔''

''عبائے کو فیشن بنا لیا ہے، گویا پردے کا مذاق اڑاتے ہیں ہم انسان کو انسان سمجھنا چھوڑ دیا ہے ہم نے، عورتوں اور بچوں تک کی عزتیں محفوظ نہیں رہیں، احساس، مروت، بھائی چارہ یہ سب تو ہماری زندگی سے نکل ہی چکا ہے، دل مردہ ہو گئے ہیں، احساس مر گیا ہے، مروت کہیں کھو گئی ہے اور بھائی چارہ کہیں ڈوب مرا ہے، عجیب بے حسی کا دور آ گیا ہے اب ہم دوسروں کے دکھوں میں شریک نہیں ہوتے اور دوسروں کی خوشیاں تو ہمیں ویسے بھی اچھی نہیں لگتیں کسی کو ترقی کرتے ہوئے ہم نہیں دیکھ سکتے اور مظلوم کی مدد کرنے کا حوصلہ نہیں رہا ہم میں۔'' اپنی بات مکمل کرنے کے بعد ستارہ نے ایک بار پھر سلائی مشین چلائی۔

''ہاں ستارہ بات تو تو نے سولہ آنے ٹھیک کی ہے۔'' بے جی نے بھی تائید کی۔

''بے جی جو قومیں اپنے اخلاقی اور مذہبی اقدار سے ہٹ جائیں، وہ قومیں ہماری طرح برباد ہو جایا کرتی ہیں، کیا خوب کہا ہے کسی نے اینٹ کا اینٹ سے ربط ختم ہو جائے تو دیواریں اپنے ہی بوجھ سے گرنے لگتی ہیں۔'' ستارہ کی باتوں پہ بے جی اور صابرہ بیگم نے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔

''اللہ ہم سب کو سدھرنے اور نیک اعمالوں کی توفیق دے۔'' صابرہ کی دعا پہ بے جی نے بلند آواز میں آمین کہا۔

''یہ لو ستارہ اس قمیض کی ترپائی تو ہو گئی، میں اب ذرہ کچن میں جاؤں اور ہانڈی چڑھا دوں، انزک گھر آتے ہی کھانا مانگے گا۔'' صابرہ بیگم چارپائی سے اٹھتے ہوئے بولیں۔

''بھابھی یہ کومل اور زارا اندر گرمی میں بیٹھی کیا کر رہی ہیں؟'' ستارہ نے انہیں اندر جاتا ہوا دیکھ کر پوچھا۔

''کومل اپنے پیپر کی تیاری کر رہی ہے اور زارا اس کے پاس بیٹھی ہوم ورک کر رہی ہو گی، میں جا کر دیکھتی ہوں۔''

''چلیں یہ بھی اچھا ہے، بھابھی آپ ذرہ خیال رکھیئے گا زارا کہیں کھیلنے کودنے محلے میں نہ نکل جائے، آج کل حالات اتنے خراب ہیں میں

زرہ پڑوس کی زری آپا کے پاس جا رہی ہوں۔"
ستارہ نے مشین روکتے ہوئے اطلاع دی۔
"تم بالکل بے فکر ہو جاؤ، زارا کہیں نہیں جائے گی۔" صابرہ بیگم اسے تسلی دے کر اندر چلی گئی تھیں۔
"نہ تو اب کدھر چلی ہے سیر سپاٹے کرنے؟" بے جی نے ستارہ کو حیرت سے دیکھا۔
"بے جی سیر سپاٹے کرنے بھلا کہاں جاؤں گی؟ زری آپا کا بڑا بھائی کسی بہت بڑی کمپنی میں بہت بڑا افسر ہے، میں انزک کے لئے انہیں نوکری کا کہنے جا رہی ہوں، زری آپا اور چاندنی سے میرا پیار ہے، میری گزارش کی کچھ تو لاج رکھیں گی۔" ستارہ نے دوپٹہ اتار کر تار پہ لٹکی اپنی چادر اتار کر سر پہ لیتے ہوئے کہا۔
"انزک کو دیکھ کر میری تو ہڈیاں تک جل جاتی ہیں، میرا شہزادہ سارا دن ذلیل و خوار ہوتا ہے، لیکن نوکری نہیں ملتی۔" بے جی نے روہانسی انداز میں کہا۔
انزک آفاق ان کا اکلوتا پوتا تھا ان کے مرحوم بیٹے کی نشانی، ان کی جان اٹکی رہتی تھی انزک میں۔
"بے جی اسی لئے تو جا رہی ہوں۔" ستارہ داخلی دروازے کی جانب بڑھی۔
"ضرور جا میری بچی، اللہ کرے میرے انزک کو اچھی سی نوکری مل جائے سارے محلے میں مٹھائی بانٹوں گی۔" بے جی کے لہجے میں انزک کے لئے بے پناہ محبت تھی۔
"انشاء اللہ بے جی اللہ آپ کی دعائیں ضرور سنے گا۔" اندر سے سبزی کی ٹوکری اٹھائے صابرہ بیگم صحن میں آئیں، ان کی آنکھیں نم ہو گئیں تھیں، انزک ان کا قابل اور ذہین ترین بیٹا

جس نے ایم فل کر رکھا تھا، لیکن نوکری کے لئے دھکے کھا رہا تھا وہ گھر بھر کا لاڈلہ تھا گھر کا اکلوتا مرد تھا سو اس کے خوب ناز نخرے اٹھائے جاتے تھے اسے صرف حکم دینے کی عادت تھی اس کی ایک آواز پہ بے جی سے لے کر کومل تک لبیک کہنے کو تیار ہوتے۔
اس کی معمولی سی تکلیف پہ بھی سب تڑپ جایا کرتے تھے وہ بچپن ہی سے محبتوں کو اپنا حق سمجھ کر وصول کرتا تھا اسی لئے اس کے مزاج میں حاکمیت تھی، وہ دیکھنے میں جتنا اکھڑ مزاج لگتا تھا، اس کا دل اتنا ہی نرم تھا، زرہ سی محبت پہ پیج جانے والا۔

☆☆☆

شام کے سائے رخصت ہو رہے تھے اداسی رات سے کرب لئے اپنی چادر پھیلانے کو بے تاب تھی جب انزک آفاق بائیک لئے گھر میں داخل ہوا تھا، برآمدے میں آٹھ سالہ زارا اس کی بائیک کا ہارن سن کر آئی تھی اور اسے دیکھ کر دوڑتے ہوئے اس سے لپٹ گئی تھی۔
"انزک بھیا۔"
"انزک بھیا کی جان، لے لو اپنی آئس کریم۔" انزک نے مسکراتے ہوئے آئس کریم زارا کو دی تھی جسے پکڑتے ہی وہ اندر بھاگ گئی تھی، اتنے میں کومل بھی برآمدے میں آ چکی تھی۔
انزک کے ہاتھوں، بازوؤں پہ چوٹیں اور خراشیں دیکھ کر وہ گھبرا گئی تھی۔
"انزک بھیا! یہ کیا ہوا آپ کو؟"
"کچھ نہیں ہوا کومل، تم جا کر میرے لئے ٹھنڈا پانی لاؤ، بہت گرمی ہے آج۔" وہ بائیک کھڑی کرنے کے بعد برآمدے میں بچھے دادی کے تخت پہ بیٹھ چکا تھا۔
"انزک بھیا آپ کہہ رہے ہیں کہ کچھ نہیں

ہوا، آپ کو تو اچھی خاصی چوٹیں آئیں ہیں، کیسے ہوا یہ سب؟'' وہ متفکر ہوئی۔

''آ گیا ہمارا شہزادہ، آج بہت دیر لگا دی تم نے؟'' ستارہ اس کی آواز سن کر باہر آئی، لیکن انزک کی حالت دیکھ کر وہ بھی تڑپ اٹھیں۔

''ہائے انزک یہ...... یہ کیا ہوا تمہیں؟ بھابھی، بے جی جلدی آئیں، دیکھیں ہمارے انزک کو کیا ہوا ہے؟'' ستارہ نے آؤ دیکھا نہ تاؤ شور مچا دیا، صابرہ بیگم حواس باختگی میں باہر آئیں، ان کے پیچھے چھڑی ٹیکتی بے جی بھی آرہی تھیں۔

''ستارہ کیا رولا (شور) ڈال رکھا ہے تم نے؟'' بے جی کی ضعیف سی آواز آئی۔

''انزک میرے بچے، میرے شہزادے کیا ہوا تمہیں؟'' صابرہ بیگم وارفتگی سے بیٹے کی طرف لپکیں۔

''کچھ نہیں ہوا ہے ماں مجھے، کیوں پریشان ہو رہے ہیں آپ سب؟ معمولی سی چوٹیں ہیں ٹھیک ہو جائیں گی۔'' انزک نے کومل کے ہاتھ سے پانی کا گلاس پکڑتے ہوئے انہیں تسلی دی۔

''میں صدقے جاؤں اپنے پتر کے، ہوا کیا ہے بتاؤ تو سہی؟'' بے جی نہایت فکر مندی سے انزک کے پاس تخت پہ بیٹھتے ہوئے بولیں۔

''دادی بی ریلیکس، معمولی سا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔'' اس نے پانی پی کر گلاس کومل کو دیا۔

''ہائے اللہ ایکسیڈنٹ؟ زیادہ چوٹیں تو نہیں آئیں؟'' ستارہ ہلکان ہوئی۔

''فار گاڈ سیک پھپھو، اسٹار پلس کی ہیروئین کی طرح اتنا اوور ری ایکٹ مت کریں۔'' وہ مسکرایا۔

''بدتمیز ہماری جان پہ بنی ہے اور اسے دیکھو مذاق سوجھ رہا ہے۔'' ستارہ نے پیار سے اس کے کندھے پہ چپت رسید کی۔

''صابرہ کتنی بار میں نے سمجھایا ہے، انزک گھر سے نکلے تو اللہ کا کلام پڑھ کر پھونک مار دیا کرو۔'' بے جی کے لہجے میں فکر ہی فکر تھی۔

''بے جی روز پڑھ کر پھونک مارتی ہوں، بس جو تکلیف اور دکھ مقدر میں ہو اسے کون ٹال سکتا ہے؟'' صابرہ بیگم کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے تھے اور لہجہ بھیگ گیا تھا۔

''ماں پلیز حوصلہ رکھیں، میں بالکل ٹھیک ہوں آپ سب کی بلاو جو تشویش دیکھ کر مجھے لگ رہا ہے، پہلے نہیں تو اب مجھے ضرور کچھ ہو جائے گا۔'' انزک نے مسکراتے ہوئے شرارت سے کہا۔

''اچھا اب فضول مت بولو، اللہ میرے بیٹے کو کبھی کچھ نہ کرے۔'' صابرہ بیگم نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے کر اس کے ماتھے پہ بوسہ ثبت کیا۔

''ماں پلیز ریلیکس، میں ذرہ اپنے کمرے میں جا رہا ہوں، فریش ہو کر آتا ہوں، پھر سب مل کر کھانا کھاتے ہیں۔'' وہ ان کے ہاتھ تھامتے ہوئے اپنی نشست سے اٹھا۔

''ایک تو گرمی نے مت مار رکھی ہے پھر اکیڈمی میں پڑھاتے پڑھاتے سر میں درد ہونے لگتا ہے۔'' وہ زیر لب بڑبڑاتا ہوا اندر چلا گیا تھا۔

اسے پڑھانا کبھی بھی پسند نہیں تھا، لیکن نوکری نہ ہونے کی وجہ سے وہ ایک اکیڈمی میں پڑھایا کرتا تھا، وہ گھر کا واحد مرد تھا اس پہ گھر کی تمام ذمہ داریاں تھیں یہی وجہ تھی کہ تلخی آہستہ آہستہ اس کے لہجے میں گھلنے لگی تھی۔

☆☆☆

تیرے بن میں یوں کیسے جیا؟
کیسے جیا تیرے بن؟

لے کر یادیں تیری
راتیں میری کٹی
مجھ سے باتیں تیری
کرتی ہے چاندنی
تنہا ہے تجھ بن راتیں میری
دن میرے، تنکے جیسے میرے
تنہا بدن تنہا ہے روح
نم میری آنکھیں رہیں
آجا میرے اب روبرو
جینا نہیں بن تیرے
تیرے بن میں یوں کیسے جیا
کیسے جیا تیرے بن؟
کب سے آنکھیں میری
راہ میں تیرے بچھی
بھولے سے ہی کبھی
تو مل جائے کہیں
بھولے نہ مجھ سے باتیں تیری
بھیگی ہیں ہر پل آنکھیں میری
تیرے بن میں یوں کیسے جیا
کیسے جیا تیرے بن

گاڑی میں عاطف اسلم کی آواز گونج رہی تھی، ذورنیر آفندی سپاٹ چہرے کے ساتھ گاڑی ڈرائیو کر رہے تھے، ان کے ساتھ فرنٹ سیٹ پہ ریکھا براجمان تھیں، ریکھا کی گود میں ایک فائل رکھی تھی اور وہ بھی گردن موڑے شیشے سے رواں دواں ٹریفک کو دیکھ رہی تھی اس کے لبوں پہ بھی جامد چپ نے بسیرا کر رکھا تھا، اس کی بڑی بڑی آنکھوں سے آنسو چھلکنے کو بے تاب دیکھائی دے رہے تھے۔

''کم آن ریکھا، میری میڈیکل رپورٹ دیکھ کر تم ایسے سوگ منا رہی ہو جیسے میں آج ہی فوت ہونے والا ہوں۔'' ذوریز آفندی نے جھنجلا کر گم صم سی ریکھا کو دیکھا۔

''بھگوان نہ کرے تمہیں کبھی زندگی میں ایک خراش بھی آئے۔'' وہ آنکھوں میں آنسو لئے اسے دیکھتے ہوئے تکلیف سے بولی۔

''جانتی ہو تمہاری ان خوبصورت آنکھوں میں کوئی بھی ڈوب سکتا ہے، میت اگر تمہاری محبت میں مبتلا ہے تو بلاوجہ نہیں ہے۔'' وہ مسکرائے تھے اور وہ کتنے ہی پل شاکی نظروں سے انہیں دیکھتی رہی۔

''کاش وہ کوئی تم ہوتے، میت کی بجائے تم میری محبت میں مبتلا ہوتے تو میں خوشی خوشی اپنا دھرم چھوڑ دیتی۔'' اس نے دل میں سوچا مگر بولی نہیں۔

ماہی کی محبت اس کے اظہار کے تمام راستے بند کر دیتی تھی۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟ میری بات کا جواب نہیں دو گی؟''

''تمہارے چہرے پہ محبت کے اجڑے ہوئے شہر کی ویرانیاں دیکھ کر کیا کہوں؟ میرے لفظ نیم تاریک گوشوں میں چھپنے لگتے ہیں۔'' ریکھا کی نظریں اب بھی ان کے چہرے پہ مرکوز تھیں۔

اس کی بات پہ وہ دھیرے سے ہنس دیئے، ان کی مسکراہٹ میں جدائیوں کے درد تھے۔

''تم بہت مشکل باتیں کرنے لگی ہو، زندگی سے کوسوں دور۔'' وہ ریکھا کی اسٹریٹ پہ داخل ہو چکے تھے۔

''اور تم...... تم جو زندگی سے دور جا رہے ہو؟ اس کا شکوہ کس سے کروں؟ تم سے یا ماہی سے؟'' اس کی روح میں ٹوٹ جانے کی چبھن تھی۔

''زندگی مجھ سے اسی دن بچھڑ گئی تھی جب

اٹھارہ سال پہلے، قسمت نے مجھ سے ماہی کو چھین لیا تھا۔'' اس کے گھر کے سامنے گاڑی روکتے ہوئے بیتے پل کے سائے ان کے چہرے پہ لہرائے تھے۔

''موت لمحہ بہ لمحہ تمہارا تعاقب کر رہی ہے ذوریز، اتنے بہادر مت بنو۔'' وہ بولتے بولتے رو دی۔

''موت کا ایک دن مقرر ہے، وہ تو آنی ہے۔'' وہ ہنسے۔

''میں تمہیں مرتا ہوا نہیں دیکھ سکتی ذوریز۔'' روتے ہوئے اس نے ان کے ہاتھ تھام لئے تھے۔

''ریکھا تم میری بہترین دوست ہو، ان اٹھارہ سالوں میں تم نے ہر لمحہ میرا ساتھ دیا، لیکن اب تمہیں خود ایک ساتھ کی ایک سہارے کی ضرورت ہے، میت کی ضرورت ہے، پلیز اس سے شادی کر لو، وہ تمہیں بہت خوش رکھے گا۔'' وہ اسے یقین دلا رہے تھے وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی ادھوری ذات ریکھا کی خوشیوں بھری زندگی کو ہمیشہ کے لئے چاٹ ڈالے۔

''ایسے دعوے مت کرو جو مجھے جیون کے ٹیڑھے راستوں پہ ڈال کر بھول جائیں۔'' ریکھا نے آنسوؤں بھری نگاہوں سے شکوہ کیا تو وہ بے چین ہو گئے۔

''میری آخری خواہش سمجھ کر مجھے نظر انداز کر دو ریکھا اور میت کے ساتھ خوشیوں کے نئے راستوں پہ قدم رکھ کر زندگی کو خوش آمدید کہو۔'' ذوریز نے خود ساختہ وعدہ کیا، ایک بار پھر طویل خاموشی کا وقفہ ان دونوں کے بیچ حائل ہوا۔

''جب انسان کی آدھی خواہشات پوری نہیں ہوتیں تو وہ ساری زندگی انہی کے گرد چکراتا رہتا ہے اور جانتے ہو تم بھی میرے لئے میری آدھی خواہش میرے اردگرد میں ناچاہتے ہوئے بھی چکراتی رہوں گی۔'' برسوں اپنے اندر چھپی محبت کا خواہش کا اظہار کرتے ہوئے ریکھا نے سر جھکا لیا جیسے اس نے بہت بڑا جرم کر دیا ہو۔

''کیوں ریکھا؟ کیوں؟ تم میری جھلسی ہوئی روح سے واقف تھی، مدتوں سے میرے خاموش بدن کی سڑی ہوئی لاش کا بار ہا تم نے بوجھ اٹھایا پھر...... پھر کیوں تم نے اپنے خوابوں کو میری ذات کے پرتوں سے باندھ لیا؟ ان اٹھارہ سالوں میں کسی ایک بھی لمحے میں نے کوئی خوش گمانی تمہارے پلو سے نہیں باندھی۔''

''پھر کیوں ریکھا؟ کیوں کیا تم نے ایسا؟'' ذوریز نے شاکی نظروں سے دیکھتے ہوئے شکوہ کیا۔

''تمہاری مجبوریاں اپنی جگہ، محبت ایک ضدی بچے کی طرح کبھی بھی ناجائز بات بھی آسانی سے منوا لیتی ہے، یہ نہیں جانتے تم؟''

''میں سب جانتا ہوں، محبت میں اپنا سب کچھ ہارا ہوا شخص سب جانتا ہے۔''

''تو پھر اتنے انجان کیوں بنے رہے؟'' شکوہ۔

''نہیں چاہتا تھا تمہاری محبت کا راستہ طویل ہو۔'' مختصر جواب۔

''اور کتنی آسانی سے تم نے وہ راستہ میت کی طرف موڑ دیا یہ جانتے ہوئے بھی کہ......'' وہ بولتے بولتے رکی۔

''پلیز سب بھول جاؤ۔'' پھر اصرار کیا گیا۔

''یہ مشورہ ہے یا حکم؟'' ریکھا نے ان کی آنکھوں میں دیکھا۔

''صرف التجاء ہے۔'' مختصر جواب۔

''ظالم التجاء۔'' وہ تلخی سے مسکرائی۔

''تم جو بھی سمجھو۔'' وہ کٹھور بنے۔

''اپنے بارے میں کیا سوچا ہے؟'' اس نے کریدا۔

''مرنے سے پہلے پاکستان جانا چاہتا ہوں، ماہی سے ملنا چاہتا ہوں، اپنی زندگی کو آخری بار ان آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہوں، اپنی بیٹی کو سینے سے لگانا چاہتا ہوں، چند دن صرف چند دن ان کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔'' اندر کی خواہشیں لبوں سے جھانکنے لگی تھیں اور وہ ان خواہشات کا برملا اظہار کر رہے تھے، جنہیں اب ریکھا کو پورا کرنا تھا، راز داری سے۔

☆☆☆

زندگی کبھی کبھی انسان کو عجیب موڑ پہ لے آتی ہے، خوشیاں خریدنے کی چاہت ہمارے دامن میں غم اکٹھے کرنے لگتی ہے اور پریشے کے ساتھ تو ایسا شروع ہی سے ہوتا آیا تھا اسے درد ہمیشہ بنا قصور کے ملتے تھے وہ درد جو ہمہ وقت تکلیف کا کانٹا بن کر اسے چبھتے رہتے تھے۔

آج صبح سے اس نے خود کو اپنے کمرے میں بند کر رکھا تھا اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ کہیں گم ہو جائے کہیں چلی جائے اور کبھی اپنے خود غرض ماں باپ کو نہ ملے جنہیں ہمیشہ صرف اپنا آپ عزیز رہا تھا جو صرف اپنی زندگیوں میں مگن تھے وہ ایک ٹوٹے ہوئے گھر کی ٹوٹی ہوئی شخصیت تھی جسے ہمیشہ نظر انداز کیا گیا تھا وہ محض چار سال کی تھی جب ملک سہیل اسے عارفہ بیگم کے پاس چھوڑ کر اپنی پہلی بیوی اور بچوں کے پاس لوٹ گئے تھے اور عارفہ بیگم اسے نینی کے حوالے کر کے اپنے بزنس اور سوشل لائف میں مصروف ہو گئی تھیں اور پھر کچھ ہی عرصے کے بعد عارفہ نے بھی ایک مشہور بزنس مین سید وجاہت حسین سے دوسری شادی کر لی تھی اور پری کو بورڈنگ بھیج دیا گیا تھا۔

عارفہ بیگم کی پہلی شادی پانچ سال چلی اور دوسری شادی آٹھ سال سید وجاہت حسین کی ہارٹ اٹیک سے موت کے بعد عارفہ بیگم نے نہایت مکاری سے تمام جائیداد ہتھیا کر ان کی پہلی بیوی سارہ اور بیٹے سمیر کو دربدر کے دھکے کھانے پہ مجبور کر دیا تھا، عارفہ بیگم ایک بے حس اور خود پسند خاتون ثابت ہوئیں تھیں، ماں ہونے کے باوجود انہوں نے یہ کبھی جاننے کی کوشش نہیں کی تھی کہ پری کن چیزوں میں خوشیاں تلاش کرتی تھی؟ کون سا احساس اسے اداس کرتا تھا؟ اس کا بچپن، لڑکپن تنہائیوں میں گزرا تھا، والدین کے ہوتے ہوئے بھی وہ ہمیشہ ان کے پیار اور شفقت کو ترسی تھی، وہ ایک محبت کرنے والی لڑکی تھی جسے وقت حالات اور والدین کی بے حسی نے توڑ ڈالا تھا، وہ ایک بے رنگ زندگی گزار رہی تھی، جب اچانک سمیر کسی مصور کی طرح اس کی زندگی میں اپنی محبت سے رنگ بھرنے لگا تھا۔

سمیر اس کا کلاس فیلو تھا، سمیر سے دوستی نا جانے کب، محبت میں بدل گئی تھی، اسے خود بھی احساس نہیں ہوا تھا، اس کے ساتھ پری کی اچھی ذہنی ہم آہنگی تھی اور جب سمیر نے اسے پرپوز کیا تو اس کے پاس سمیر سے شادی نہ کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی پری یہ نہیں جانتی تھی کہ وہ سید وجاہت حسین کا بیٹا ہے، جو سارہ کے بطن سے پیدا ہوا تھا، یہ رشتہ عارفہ بیگم کو کسی صورت قبول نہ تھا، وہ پری کی شادی اپنے بھانجے کوکی سے کرنا چاہتی تھیں، دوسری طرف سارہ بیگم بھی کسی صورت اس رشتے کو قبول نہیں کرنا چاہتی تھیں لیکن سمیر کی حد درجہ ضد اور اسرار کے آگے سارہ بیگم نے ہتھیار پھینک دیئے تھے، سمیر نے انہیں گھر چھوڑ دینے کی دھمکی دے کر ان کا دل موم کر لیا تھا، سمیر ان کی اکلوتی اولاد تھا اور وہ اپنی زندگی اپنے بیٹے

کو کھونا نہیں چاہتی تھیں سونا چاہتے ہوئے بھی انہیں اپنی سوتن کی بیٹی کو قبول کرنا پڑا تھا۔
زندگی جو کبھی ایک زندہ لاش بن کر اس سے لپٹی رہتی تھی سمیر کی سنگت سے خوشیوں کی طرف دیوانہ وار لپکنے لگی تھی۔

☆☆☆

تم گئے ہو تو میرے تمام حرف
منتشر ہو کے اڑے پھرتے ہیں شریانوں میں
جیسے بھٹکے ہوئے کچھ لوگ بیابانوں میں
قید خانوں کی قسم
بندلبوں کے پیچھے کس طرح ہوتی ہے آواز
کسے کیا معلوم کس طرح گھٹتا ہے اظہار کا دم
کس طرح ہوتا ہے بے چینی کا آغاز
کسے کیا معلوم؟
بن تیرے سولی کے اس کرب کا انداز
کسے کیا معلوم؟
تو تو سب جانتا ہے
کیوں نا اس برف جیسی خاموشی کے حوالے ہم تم
اپنے
الفاظ سوغات کریں
یہ جو چپ چاٹ رہی ہے دل کو
کیوں نہ کچھ بول کے پتھر پہ مرتب ہم بھی
اپنے تاثرات کریں
بے زبانی میں گھرے ہیں موسم
آؤ کچھ دیر تو ہم بات کریں؟

دل کے موسم میں خزاں اتری ہوئی تھی، یادوں نے اس کا دامن تھام رکھا تھا، وہ منظر ایک بار پھر اس کی آنکھوں میں جاگنے لگا تھا جس نے پریشے سے اس کی خوشیوں کو چھین لیا تھا، سمیر کو اس سے دور کر دیا تھا۔
سارہ بیگم نے پری کو اپنے بیٹے سمیر کی خاطر قبول تو کر لیا تھا لیکن ان کا رویہ پری کے ساتھ بہت لیا دیا سا تھا وہ اسے مخاطب نہیں کرتی تھیں، اگر بات کرتیں بھی تو ٹو دی پوائنٹ بات کیا کرتیں، ظاہری سی بات تھی پری کی ماں کسی زمانے میں سارہ بیگم کی سوتن رہی تھیں اور ان کی وجہ سے سارہ بیگم نے اپنی زندگی کا ایک عرصہ شدید ذہنی کرب اور پریشانیوں میں گزارا تھا سو پری اور سارہ بیگم میں بے تکلفی کا رشتہ استوار نہ ہو سکا تھا۔
وہ سمیر کے ساتھ ہنی مون منا کر لوٹی تھی، ٹی وی لاؤنج میں سمیر کے ساتھ بیٹھی کوئی مووی دیکھتے ہوئے کسی جوک پہ وہ بے ساختہ ہنسی تھی اور اوپن کچن میں کھانا بناتی سارہ بیگم کے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی وہ کھانا چھوڑ کر ان دونوں کے سر پہ آ کھڑی ہوئی تھیں۔
''جس اولاد کی ماں اتنی بدکردار ہو، لوگوں کے گھر اجاڑتی ہو، دوسروں کے شوہروں پہ ڈورے ڈالتی ہو، اس کی اولاد کو ہنسنے کی بجائے رونا آنا چاہیے لڑکی!'' سارہ بیگم کے طنز نے پری کی ہنسی چھین لی تھی۔
''آنٹی یہ..... یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟'' وہ ورطہ حیرت میں مبتلا بس اتنا ہی کہہ سکتی تھی۔
''ٹھیک کہہ رہی ہوں میں، تم شاید اپنی ماں کے ماضی سے واقف نہیں ہو۔'' تنفر سے جواب دیا گیا تھا۔
''ماما پلیز۔'' سمیر نے التجا کی تھی۔
''سمیر بس، بہت ہو گیا، میں نے تمہاری التجاء پہ اپنے دل پہ پتھر رکھ کر تمہیں اس سے شادی کی اجازت تو دے دی، لیکن میں اسے اس گھر میں رہنے کی اجازت نہیں دوں گی، تم اسے یہاں سے لے جاؤ، الگ گھر لے دو اسے۔'' انہوں نے غصے میں فیصلہ سنایا تھا۔
''ماما یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟ اس سارے

قصے میں پری کا کیا قصور ہے؟" سمیر نے التجائیہ انداز میں انہیں سمجھانا چاہا تھا۔

"کبھی کبھی ماں باپ کا کیا اولاد کو بھگتنا پڑتا ہے جس عورت نے مجھ سے میرا شوہر چھین لیا میری خوشیوں بھری زندگی میں آگ لگادی میری زندگی کو جہنم بنا دیا، میرا ہنستا بستا گھر برباد کر دیا، میں اس ناگن کی بیٹی کو اپنے بیٹے کے ساتھ اپنے ہی گھر میں ہنسی خوشی رہنے دوں گی؟ یہ ممکن نہیں ہو گا سمیر، میں اس ڈائن کی بیٹی کو ایک لمحہ بھی اپنے گھر میں برداشت نہیں کروں گی، اس کو دیکھ کر میرے دکھ دوبارہ زندہ ہو جاتے ہیں جو اک مدت سے میں نے اپنے اندر دفن کر رکھے تھے، اسے ابھی اور اسی وقت یہاں سے لے جاؤ سمیر ورنہ...... ورنہ تم اپنی ماں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کھو دو گے۔" سارہ بیگم اپنی نفرت کا اظہار کرتے کرتے رو پڑی تھیں، سمیر عجلت میں اپنی نشست سے اٹھ کر ماں کے پاس آیا تھا۔

"ماما پلیز ٹیک اٹ ایزی، آپ بیٹھئے یہاں۔" سمیر نے انہیں صوفے پہ بیٹھا دیا تھا۔

"پلیز ریلیکس، آپ کا بی پی شوٹ نہ کر جائے۔"

"سمیر تمہیں یاد ہے ہم نے کتنا مشکل وقت گزارا ہے اس کی ماں کی وجہ سے؟ اس کی ماں نے تمہارے باپ کی جائیداد ہتھیا کر ہمیں کوڑی کوڑی کا محتاج کر دیا تھا؟ تمہیں یاد ہے ناں سب؟ میں کس کس طرح معمولی نوکریاں کر کے تمہارے اسکول کی فیس دیا کرتی تھی یہ گھر چلاتی تھی، اس لڑکی کو دیکھ کر میرے زخم ہرے ہونے لگتے ہیں وہ تکلیف دے وقت مجھے پھر سے تکلیف دینے لگتا ہے، اسے یہاں سے لے جاؤ سمیر، اسے لے جاؤ۔" وہ روتے ہوئے ہذیانی انداز میں سر تھامے بار بار ایک ہی بات کہے جاتی تھیں، وہ جو اتنی دیر خاموش بیٹھی تھی پری ہے کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے تھے اور وہ بھی پھٹ پڑی تھی۔

"ٹھیک ہے سمیر، آنٹی اگر مجھے اس گھر میں دیکھنا نہیں چاہتیں تو مجھے بھی اب یہاں رکنے کا کوئی شوق نہیں رہا، میں بھی اب یہاں ایک منٹ نہیں رکوں گی، اتنی گئی گزری نہیں ہوں میں۔" اپنی نشست سے اٹھتے ہوئے اس نے بھی گویا سمیر کو اپنا فیصلہ سنا دیا تھا۔

"پری پلیز خاموش ہو جاؤ اس وقت، ہم بعد میں بات کریں گے ماما کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" سمیر ماں کے پاس بیٹھا ان کے ہاتھ سہلا رہا تھا۔

"کیوں میں خاموش ہو جاؤں، آنٹی کے جو منہ میں آ رہا ہے وہ بولتی جا رہی ہیں اور تم مجھے چپ کروا رہے ہو؟ مجھے بتاؤ کیا قصور ہے میرا؟"

"پری میں نے کہا ناں، خاموش ہو جاؤ، بعد میں بات کرتے ہیں تم جاؤ اپنے کمرے میں۔" سمیر نے غصے میں قدرے بلند آواز میں کہا تھا اور اس کی بھی برداشت کی حد ختم ہو گئی تھی۔

"نہیں جاؤں گی میں یہاں سے، مجھے بتاؤ، کیا بگاڑا ہے میں نے آنٹی کا؟ وہ مجھے اس گناہ کی سزا کیوں دینا چاہتی ہیں جو میں نے کیا ہی نہیں ہے۔" وہ رو دینے کو تھی۔

"کیا قصور ہے میرا؟"

"تمہارا سب سے بڑا قصور تو یہ ہے کہ تم عارفہ نامی ڈائن کی بیٹی ہو، اس ناگن کی بدکردار عورت کی بیٹی ہو، جو دوسروں کے گھر برباد کرتی ہے، عشق کے نام پہ بیاہ رچا کر لوگوں کی جائیداد ہتھیانا اس کا کاروبار ہے۔" سارہ بیگم انتہائی دکھ سے چیخ اٹھی۔

"مجھ سے اگر آپ کو اتنی ہی نفرت تھی تو کیوں اجازت دی آپ نے اپنے بیٹے کو مجھ سے نکاح کرنے کی؟" پری کی آواز بھی بلند ہو گئی تھی۔

"مجبوراً اجازت دی تھی، میرا بیٹا گھر چھوڑ کر نہ چلا جاتا تو ہرگز اجازت نہ دیتی۔" بولتے بولتے سارہ بیگم کا سانس پھول گیا تھا۔

"پری اسٹاپ اٹ، دفعہ ہو جاؤ اپنے کمرے میں۔" سمیر نہایت غصے میں اس پہ چلایا تھا۔

"میری باتیں تمہیں اتنی بری لگ رہی ہیں؟ تم اپنی ماں کو کیوں نہیں سمجھاتے؟" پری بھی چپ ہونے کے موڈ میں نہ تھی سو مسلسل بحث کر رہی تھی۔

"یہ بھی اپنی ماں کے نقش قدم پہ چلے گی، ٹریلر دیکھ لیا تم نے سمیر، کیسے تم سے زبان چلا رہی ہے؟"

"پری میرے غصے کی انتہا مت دیکھو، ماما کو اگر تمہاری وجہ سے کچھ ہوا تو میں چھوڑوں گا نہیں تمہیں۔" سمیر نے کھا جانے والی نظروں سے پری کو گھورتے ہوئے وارننگ دی تھی۔

"ماں کو کچھ ہو جانے کی بڑی فکر ہے تمہیں، اگر ان کی باتوں سے میرا نروس بریک ڈاؤن ہو گیا تو؟" پری کو بھی سمیر کے رویے پہ ازحد افسوس ہوا تھا۔

"شٹ اپ پری، شرم آنی چاہیے تمہیں، بحث کر رہی ہو مجھ سے۔"

"میں بحث نہیں کر رہی ہوں، صرف اپنے ناکردہ گناہوں کا حساب مانگ رہی ہوں، جب اس قصے میں میرا کوئی قصور ہی نہیں تو آنٹی کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ مجھ پر الزام تراشیاں کریں۔" وہ دوبدو بولی۔

"ماما آپ ٹھیک ہی کہتی تھیں مجھے اس سے شادی کرنی ہی نہیں چاہیے تھی۔" تنگ آ کر سمیر نے سارہ بیگم کی تائید کی تھی اور پریشے کو ایسا لگا تھا جیسے کسی نے بہت بلندی سے دھکا دیا تھا اسے۔

"میری مام کا بھی تمہارے بارے میں یہی خیال تھا۔" وہ جھگڑالو نہیں تھی لیکن اس وقت پری کو نا جانے کیا ہو گیا تھا، اس کی برداشت کی سب حدیں بھی دم توڑ گئی تھیں۔

"اوہ اپنی ماں کو تو تم رہنے ہی دو، وہ عورت ماں کہلوانے کے لائق ہی نہیں ہے، ایک نمبر کی آوارہ عورت ہے۔" سمیر بھی غصے سے پھٹ پڑا تھا۔

"سمیر تم نے میری ماں کو آوارہ کہا؟" وہ ورطہ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"شکر کرو صرف آوارہ کہا ہے کوئی گالی نہیں دی، حالانکہ وہ عورت گالیوں کے لائق ہے۔"

"اُف سمیر، اتنی انسلٹ کے بعد میں اب یہاں ایک منٹ نہیں رکوں گی۔"

"تم اگر اپنی گھٹیا ماں کی وجہ سے میرا گھر چھوڑ کر جاؤ گی تو میں تمہیں روکوں گا بھی نہیں۔" سمیر نے فیصلہ سنایا تھا۔

"تم مرد ہوتے ہی چیٹر ہو۔" پری شاکڈ تھی۔

"اور تم عورتیں؟"

"مرد کم از کم دوسروں کے گھر نہیں اجاڑتے۔"

"مجھے اب چند لمحے بھی تمہارے ساتھ نہیں رہنا۔"

"ارے جاؤ جاؤ، جیسی ماں ویسی بیٹی۔"

"تم ایک انتہائی گھٹیا شخص ثابت ہوئے ہو۔" لفظ پری کے حلق میں اٹک رہے تھے۔

"تم یہاں سے دفع ہوتی ہو کہ نہیں۔" وہ

بھڑک کر آگے بڑھا۔

''مجھے دھکے دے کر یہاں سے نکالو گے؟ یہی تھی تمہاری محبت؟'' سمیر کی باتوں نے اسے توڑ دیا تھا۔

''اپنی ماں کی خاطر مجھے یہ بھی کرنا پڑا تو میں کر گزروں گا۔''

''تو کیا اپنی ماں کی خاطر مجھے طلاق بھی دے دو گی؟'' پری کو اپنی آواز کسی گہری کھائی سے آتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

''سمیر دیکھا تم نے؟ ایک رتی بھی اس نے تمہارا لحاظ نہیں کیا، الٹا اپنی ماں کی خاطر تم سے جھگڑ رہی ہے۔'' سارہ بیگم کی بات نے جلتی پہ تیل کا کام کیا تھا۔

''ڈونٹ وری مام، آج میں یہ قصہ ہی ختم کر دیتا ہوں۔''

''طلاق دیتا ہوں میں تمہیں، طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں۔'' سمیر نے طیش میں آ کر آؤ دیکھا نہ تاؤ اسے طلاق دے دی تھی، وہ اپنے چکراتے سر کے ساتھ صوفے پہ گر گئی تھی، یہ انجام تھا اس کی لو میرج کا؟ ابھی تو اس کے ہاتھوں سے مہندی کا رنگ تک نہیں اترا تھا۔

معاً اس کے دروازے پہ دستک ہوئی تھی اور وہ سوچوں اور ماضی کے گرداب سے نکل آئی تھی، اس کے آنسو، اس کے ہاتھوں پہ گر رہے تھے اور وہ بے آواز رو رہی تھی۔

''یس کم آن۔'' رندھی ہوئی آواز میں وہ اتنا ہی بول سکی۔

''بی بی جی، آپ کے والد آئے ہیں آپ سے ملنے۔'' ملازمہ نے اطلاع دی تھی اور وہ اثبات میں سر ہلا گئی تھی۔

☆☆☆
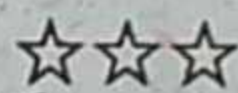
انزک ایک بہت بڑی کمپنی میں ایک اہم پوسٹ کے لئے اخبار میں دیئے اشتہار کی بنیاد پر اپنی سی وی لئے انٹرویو دینے آیا تھا دو گھنٹے کو فر... اور جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر دینے والی انتظار کی گھڑیوں کے بعد اللہ اللہ کر کے اس کی باری آئی تھی اندر بیٹھے پینل میں موجود چاروں نفوس کے ایک ایک سوال کا اس نے نہایت اعتماد سے جواب دیا تھا تین مردوں کے ساتھ بیٹھی اس وا... لڑکی کو دیکھ کر انزک کو ایسا لگ رہا تھا جیسے اس... پہلے بھی کہیں اسے دیکھا تھا۔

''ویل مسٹر انزک آفاق آپ کا شاند... اکیڈمک ریکارڈ دیکھ کر کوئی بھی کمپنی آپ... ریجکٹ نہیں کر سکتی، لیکن ہماری کمپنی کو جس... پوسٹ کے لئے نوجوان کی ضرورت ہے ہم... اس کا پانچ سالہ ایکسپیرنس بھی چاہیے جو کہ آپ... کے پاس نہیں ہے۔'' اس کمپنی کے ایم ڈی... اپنی ریوالونگ چیئر گھماتے ہوئے جواب د... اس کے منہ پہ بارہ بجنے لگے۔

''کمال ہے سر، ہر کوئی ایکسپیرنس کی با... کرتا ہے، جس ملک میں چھ کروڑ پڑھے ل... نوجوان بے روزگار ہوں وہاں حالات بدلے... توقع کیسے کی جا سکتی ہے؟ جب آپ لوگ ہ... جابز ہی نہیں دیں گے ہمیں ایکسپیرنس کیسے حا... ہو گا؟ جب سلیکشن ہی آپ لوگوں نے میر... نہیں کرنی ہوتیں تو ان بڑی بڑی کرسیوں پہ... کر ہم جیسے پڑھے لکھے مجبور و بے بس نوجوانو... میلہ لگا کر ہماری ڈگریوں کا مذاق کیوں اڑ... ہیں آپ لوگ، جانتے ہیں ہمارے ملک میں... سال پڑھے لکھے چالیس لاکھ نوجوان بے روز... ہو رہے ہیں، ہماری ڈگریاں محض کاغذ کا ایک... بن کر رہ گئی ہیں۔'' وہ غصے میں بولتا ہوا... نشست سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''مسٹر انزک آفاق پلیز کول ڈاؤن،''

خواہ مخواہ جذباتی ہو رہے ہیں۔'' اب کے پینل میں بیٹھے جی ایم نے اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔

''خواہ مخواہ جذباتی؟ آپ اسے جذباتی پن کا نام دے رہے ہیں، جانتے ہیں سر جب آپ لوگ ہمیں صرف ایکسپیرنس کی بنیاد پہ ریجکٹ کرتے ہیں تو ہماری یہ ڈگریاں ہم پہ ہنستی ہیں، ہماری بے بسی کا مذاق اڑاتی ہیں، تب دل چاہتا ہے انہیں آگ لگا کر کہیں ٹھیلا لگا لیا جائے۔'' انزک نے غصے میں بولتے ہوئے سی وی پینل کے سامنے لہرائی۔

''اسٹاپ اٹ مسٹر انزک آفاق، یہ کوئی Hyde park نہیں ہے جہاں کھڑے آپ اپنے دل کی بھڑاس نکال رہے ہیں، آپ اس وقت ایک بہت بڑی کمپنی کے آفس میں کھڑے ہیں، جہاں ذرہ سی بھی بدتمیزی آپ کو مہنگی پڑ سکتی ہے۔'' ایم ڈی نے اسے گویا دھمکی دی تھی۔

''انوں، مائے فٹ۔'' وہ غصے میں بڑبڑاتے ہوئے آفس سے باہر نکل گیا تھا۔

''عجیب بدتمیز شخص تھا۔'' جی ایم بڑبڑایا۔

''چھوڑیں سکندر صاحب، کیا خیال ہے لنچ بریک لے لی جائے؟'' ایم ڈی نے ان کی توجہ مبذول کی، جواباً سکندر صاحب اثبات میں سر ہلا کر رہ گئے تھے۔

''ایکسکیوزمی پاپا۔'' وہ لڑکی عجلت میں اپنی نشست سے اٹھی تھی۔

''اب تم کہاں جا رہی ہو؟''

''جسٹ آ منٹ پاپا، ایک ضروری کام یاد آ گیا۔'' وہ لڑکی تیزی سے باہر نکل گئی تھی۔

انزک آفاق کو جاب سے انکار پہلی بار نہیں ہوا تھا ایسا گزشتہ دو سال سے ہو رہا تھا، لیکن اس بار وہ بہت ہرٹ ہوا تھا، وہ یہاں بہت ساری امیدیں لے کر آیا تھا اور ان امیدوں نے کچھ ہی لمحوں میں نا جانے کتنے خواب دیکھ ڈالے تھے۔

اس نے سوچا تھا کہ یہ جاب ملتے ہی وہ تین چار مہینے کے اندر اندر کومل کا جہیز بنا کر اسے رخصت کر دے گا، گھر میں کئی چیزیں خراب تھیں وہ انہیں ٹھیک کروائے گا، یہ جاب ملتے ہی دادی، ماں، پھپھو کومل اور زارا کو شاپنگ کروائے گا، دادی کا چالیس سال پرانا پلنگ ایک ٹانگ سے محروم ہو چکا تھا اسے اینٹوں کا سہارا دیا گیا تھا، وہ دادی کا بیڈ چینج کروا سکتا تھا، زارا محلے کے ایک عام سے انگلش میڈیم اسکول میں پڑھ رہی تھی اسے یہ جاب مل جاتی تو وہ اسے کسی بہتر اسکول میں داخل کروا سکتا تھا، مگر اب ایسا کچھ نہیں ہونے والا تھا، آج انزک کا دل بہت دکھا تھا۔

باپ کی کمی بچپن ہی سے اس کے دل کو توڑتی مروڑتی رہی تھی اس کمی نے اس کا لڑکپن اس سے چھین لیا تھا ہوش سنبھالتے ہی اس نے خود یہ ذمہ داریوں کے بوجھ محسوس کر لئے تھے، اس کا کوئی بھائی ہوتا تو ذمہ داریوں کا بوجھ ہلکا ہو جاتا، مگر وہ ایسا صرف سوچ ہی سکتا تھا، اسے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا جنون تھا سو کالج میں آتے ہی اس نے اپنے تعلیمی اخراجات پورے کرنے کے لئے ٹیوشنز پڑھانی شروع کر دی تھیں، لاتعداد سوچوں میں غرق وہ کبھی خود سے سوال کرتا اور کبھی خود کو جواب دیتا ہوا چلا جا رہا تھا، وہ کمپنی کے انٹرس ڈور کے قریب ہی تھا، جب عقب سے ایک نسوانی آواز نے اس کے قدم روک لئے تھے۔

''رکیے مسٹر انزک آفاق! ایک دروازہ بند ہو جانے سے باقی کے سب دروازے بند نہیں ہو جاتے، میرے پاس آپ کے لئے ایک بہترین آفر ہے۔'' وہ حیرت سے اس لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆

پریشے بگڑے موڈ کے ساتھ ڈرائینگ روم میں داخل ہوئی تو ملک سہیل صوفے پہ بیٹھے سگار پی رہے تھے۔

''میری جان، میری پری۔'' وہ محبت سے اٹھ کھڑے ہوئے انہوں نے محبت سے بیٹی کے لئے بازو پھیلائے جنہیں نظر انداز کرتی وہ تلخی سے بولی۔

''کیوں آئے ہیں آپ یہاں؟''

''سمپل میری جان، میں یہاں اپنی جان سے پیاری بیٹی سے ملنے آیا ہوں۔'' انہوں نے اپنے لہجے میں دنیا جہان کا پیار سمویا۔

''فار گاڈ سیک ڈیڈ، خاموش ہو جائیے، آپ کے منہ سے یہ آرٹی فیشل باتیں مجھے بہت تکلیف دیتی ہیں۔'' اس کی ناراضگی پہ ملک سہیل مسکرائے۔

''ایک باپ کا پیار اپنی بیٹی کے لئے آرٹی فیشل کیسے ہو سکتا ہے میری جان؟''

''باپ؟'' وہ لفظ باپ پہ تلخی سے مسکرائی تھی۔

''اب تک ایسے کون سے حقوق ادا کیے ہیں آپ نے باپ والے؟''

''پری میں جانتا ہوں عارفہ نے میرے خلاف زہر گھول دیا ہے تمہارے دل و دماغ میں، برین واشنگ کر دی ہے اس نے تمہاری، تمہیں مجھ سے دور کر کے بدلہ لیا ہے اس نے مجھ سے۔'' وہ تڑپ کر کہہ رہے تھے۔

''میری کسی نے برین واشنگ نہیں کی ڈیڈ، مجھے خود سے دور کرنے والے خود آپ ہی ہیں، اپنے مطلب کے لئے آج آپ کو اپنی بیٹی یاد آ گئی، اس وقت آپ کہاں تھے جب آپ مجھے مام کے پاس چھوڑ کر اپنی زندگی میں گم ہو گئے تھے، آپ دونوں کے ہوتے ہوئے بھی میں بورڈ نگ میں رہی ہوں، ہر ویک اینڈ پہ میں آپ دونوں انتظار کیا کرتی تھی، فون کی بجتی ہر گھنٹی مجھے یہ ا دلایا کرتی تھی کہ شاید آپ کو مجھے یاد کرنے خیال آ گیا ہو، ہر عید پہ میں آپ کی آمد کا انت کرتی تھی اور ہر بار میری ہی امیدیں میرا مذا اڑایا کرتی تھیں، لاوارثوں کی طرح زندگی گزار ہے میں نے، پیرنٹس میٹنگ میں، میں ہی وہ وا بچی ہوا کرتی تھی جن کے والدین اس دن بھی ا مصروفیت کا کوئی بہانہ بنا کر مجھے ٹرخا دیا کر تھے، میں نے اب تک ایک کمپلیکس زدہ زند گزاری ہے ڈیڈ، مجھے اب اپنے فیصلے خود کر کی عادت ہو گئی ہے، میں نے سہارے تلاش ک چھوڑ دیئے ہیں۔'' بولتے بولتے اس کی آواز گئی تھی۔

''پری میری جان، میں...... میں مجبو تب...... مجھ پہ میری فیملی کا والدین کا بہت پر تھا۔''

''پلیز ڈیڈ، بس کر دیں مجھے بہلانا، اب کوئی دودھ پیتی بچی نہیں رہی، زندگی کی تلخی نے اتنا تو باور کروا ہی دیا ہے کہ والدین کو اولاد کے سامنے کوئی بھی مجبوری۔''

''مجبور نہیں کر سکتی اسی مجبوری اور غلطی ازالہ کرنے آیا ہوں، تمہیں ہمیشہ کے لئے ا ساتھ لے جانے آیا ہوں، اعجاز تمہیں بہت خو رکھے گا۔'' وہ اسے بہلا رہے تھے۔

''بکھرے ہوئے گھروں کے ٹوٹے بکھرے ہوئے بچوں کے نصیبوں میں خوشیا بہت کم ہوا کرتی ہیں۔'' اس کے لہجے ہزاروں دکھ پنہاں تھے۔

''میں اگر ملک سے باہر نہ ہوتا تو سمیر ٹانگیں تڑوا دیتا جو اس نے میری بیٹی کے سا

کیا۔" وہ جذباتی ہوئے۔
"ڈیڈ پلیز سمیر کے ٹاپک کو یہیں دفن کر دیجئے، آپ کا غصہ، آپ کی تشویش اور محبت، اب میرے لئے بے معنی ہوگئی ہے۔"
"میری خاطر اعجاز سے شادی کر لو، میری عزت کا سوال ہے پری۔" اب کے ملک سہیل نے التجا کی تھی۔
"آپ کی خاطر، کبھی مام کی خاطر، آپ دونوں نے میری خاطر کبھی کوئی قربانی دی؟ میری خاطر بھی کوئی Compromise کیا، نہیں ناں میری خاطر ہی سہی، ایک دوسرے کو برداشت کر لیتے۔" وہ بولتے بولتے رو پڑی۔
"پھر مجھ سے کمپرومائز کی توقع کیوں ڈیڈ؟"
"تمہاری ماں کو برداشت کرنا دنیا کا سب سے مشکل کام تھا میرے لئے، بہت کوشش کی تھی میں نے اس گھر کو بچانے کی، مگر میری یہ کوشش ہمیشہ یک طرفہ ہی رہی، پری تم نہیں جانتیں میں نے اس رشتے کو قائم رکھنے کے لئے، عارفہ کی کیا کیا نازیبا حرکتیں اور تلخ رویئے برداشت کیے ہیں، بہت سمجھایا تھا میں نے اسے، لیکن اس پہ تو وجاہت سے عشق کا بھوت سوار تھا۔"
"ڈیڈ پلیز، لیو دس ٹاپک، میں ستر بار آپ سے اور مام سے یہ کہانیاں اور الزام تراشیوں کے قصے سن چکی ہوں، کوئی دلچسپی نہیں رہی مجھے اب ان باتوں سے۔"
"میرا فیصلہ اٹل ہے نہ مجھے کوکی سے شادی کرنا ہے نہ اعجاز سے۔" وہ دوٹوک انداز میں بولتی ڈرائینگ روم سے نکلی۔
"پری رکو میری جان، میری بات سنو پری۔" ملک سہیل کی التجاء ان کے لبوں تک ہی رہ گئی تھی۔

پری عجلت میں ڈرائینگ روم سے باہر نکل گئی تھی۔
آج انہیں شدت سے احساس ہو رہا تھا انہیں اپنی بیٹی کو عارفہ کے پاس چھوڑ کر نہیں جانا چاہیے تھا، انہیں اپنی بیٹی کھو دینے کا دکھ چھلنی کر رہا تھا۔

☆☆☆

ماہین شام کو آفس سے لوٹیں تو وہ لیونگ روم میں لیپ ٹاپ گود میں رکھے بیٹھی تھی۔
"السلام علیکم!"
"وعلیکم السلام کیسی ہے میری بیٹی؟" ماہین نے بیگ ٹیبل پہ رکھا اور خود انوش کے ساتھ صوفے پہ بیٹھ گئیں۔
"الحمدللہ فٹ فاٹ، کچھ تھکی ہوئی لگ رہی ہیں آج، مام طبیعت تو ٹھیک ہے ناں آپ کی۔" انوش نے لیپ ٹاپ سے نظریں ہٹا کر ماہین کو دیکھا۔
"ہاں ٹھیک ہوں میری جان، بس ویسے ہی تھک گئی ہوں، تم بتاؤ کوئی اسائمنٹ تیار کر رہی ہو کیا؟"
"نہیں مام، فیس بک پہ ایک ریکھا نامی خاتون سے فرینڈ شپ ہوئی ہے، ان سے گپ شپ ہو رہی تھی۔"
"کم آن یار، فضول چیزوں میں ٹائم مت ویسٹ کیا کرو، ایگزامز سر پہ ہیں، پڑھائی پہ توجہ دو، کچھ نہیں رکھا ان فضول چیزوں میں۔"
"ڈونٹ وری مام، اس بار بھی آپ کو شاندار رزلٹ دوں گی۔" انوش نے انہیں مطمئن کیا تو انہوں نے اثبات میں سر ہلایا اور صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔
"انشا اللہ مجھ یقین ہے میری بیٹی مجھے کسی بھی معاملے میں کبھی مایوس نہیں کرے گی۔"

انہوں نے پیار سے انوش کے گال چھوئے۔
''میں ذرا فریش ہو جاؤں، تم آیا بی سے کہو، میرے لئے چائے بنائیں۔'' وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھیں۔
''اوکے مام۔'' انوش نے لیپ ٹاپ سائیڈ پہ رکھا۔

☆☆☆

اس کا ذہن اتنا الجھا ہوا تھا کہ اسے سیلپنگ پلیز لے کر سونا پڑتا تھا، دن کے گیارہ بج رہے تھے جب اس کی آنکھ کھلی تھی اس نے سائیڈ ٹیبل سے موبائل اٹھا کر ایکٹو کیا اگلے ہی لمحے اس کا موبائل بج اٹھا تھا۔
''پری میں آدھے گھنٹے سے تمہیں کالز کر رہی ہوں، کہاں تھیں تم؟'' مریم کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔
''میرا موبائل آف تھا می می، رات سیلپنگ پلیز لی تھیں اس لئے دیر سے آنکھ کھلی۔'' پری نے دوسرے ہاتھ سے اپنے کھلے بالوں کو کندھے پہ ڈالا۔
''جلدی سے فریش ہو کر اپنے فیورٹ کافی شاپ پہنچو، باقی باتیں وہیں ہوں گی۔''
''می می فون پہ بتا دو یار، میرا گھر سے نکلنے کو بالکل بھی دل نہیں چاہ رہا۔'' پری نے بے دلی سے کہا۔
''تمہارے دل کی ایسی کی تیسی، بس تم ابھی اور اسی وقت گھر سے نکلو۔'' می می نے اصرار کیا۔
''ارے اتنا ارجنٹ؟ سب ٹھیک تو ہے ناں۔'' وہ پریشان ہوئی۔
''تمہارے لئے ایک خوشخبری ہے۔''
''کیسی خوشخبری۔'' وہ حیران ہوئی۔
''اس سے زیادہ میں کچھ نہیں بتا سکتی، تم جلدی سے کافی شاپ پہنچو۔'' می می نے اپنی بات مکمل کرتے ہی فون بند کر دیا تھا اور وہ پرسوچ انداز میں بیڈ سے اٹھ کر باتھ روم میں گھس گئی تھی۔
آدھے گھنٹے کے بعد جب وہ کافی شاپ پہنچی تو می می کو اپنا منتظر پایا۔
''ایسی کون سی خوشخبری تھی جسے سنانے کے لئے تم مجھے یہاں بلا رہی تھیں؟'' پری اس کے مقابل چیئر پہ بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگی۔
''میں نے وہ لڑکا ڈھونڈ لیا ہے جس کے ساتھ تم حلالہ کر کے سمیر کے پاس واپس جا سکتی ہو۔''
''کیا مطلب؟ کہاں سے ڈھونڈ لیا تم نے وہ لڑکا؟'' وہ حیران ہوئی۔
''ایکسکیوز می، کب آئیں گی وہ محترمہ؟'' پری کو اپنے عقب سے گمبھیر سی جھنجھلائی ہوئی مردانہ آواز سنائی دی۔
اس نے بے ساختہ گردن موڑ کر دیکھا تو اگلے ہی لمحے پری کے ساتھ ساتھ وہ نوجوان بھی گڑبڑا گیا تھا۔
''یہ ہیں مسٹر ازک آفاق۔'' می می ن اسے اطلاع دی تھی اور وہ غصے میں اپنی نشست سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔
''حلالہ کے لئے میں اس بدتمیز شخص کے نکاح میں آؤں گی؟ امپاسیبل۔'' غصہ اس کے لہجے سے جھلک رہا تھا۔

(باقی آئندہ)

رنگ خوشبو اور بہار

اسماء بدر
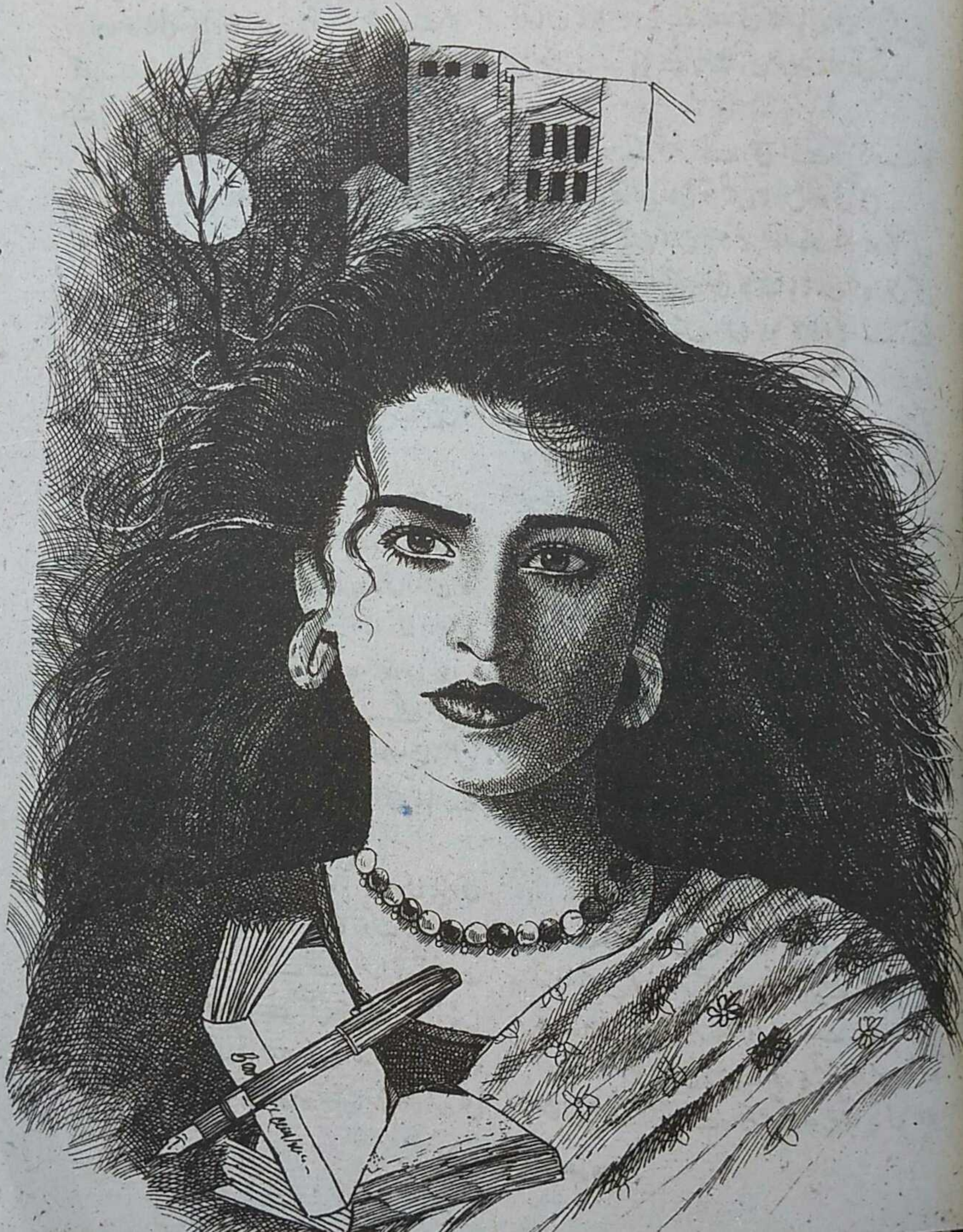
گنیش واہ پل سے دائیں ہاتھ پر الائیڈ اسکول کراس کر کے چند قدم کے فاصلے پر گلی میں مڑ کر جو چوتھے نمبر پر مکان آپ کو نظر آرہا ہے، وہ شیخ زبیر صاحب کا ہے، باہر لگی نیم پلیٹ ہر بڑے بڑے حروف سے ''شیخ نگر'' پر زبیر شیخ اور ان کے صاحبزادے عبداللہ شیخ کا نام لکھا ہے، گھر میں سکون، خوشحالی، پیار و محبت ہے تو گھر جنت سے کم نہیں ہے، زبیر شیخ کا یہ حکم ہے کہ ''عشاء کی نماز کے بعد رات کے کھانے پر ہر فرد دستر خوان پر موجود ہو، چاہے کسی بھی وجہ سے بھوک نہیں ہے پر دستر خوان پر موجودگی لازمی ہے۔''

''ہاں بھئی، کیا بنا تمہارے افسانے کا؟ تمہارا قاری سے لکھاری بننے کا سفر کہاں تک پہنچا؟'' زبیر صاحب اپنی بیٹی رمشاء سے گویا ہوئے پر اس سے پہلے کہ رمشاء کچھ جواب دیتی، عبداللہ نے جھٹ سے جواب دیا۔

''ہونا کیا تھا بابا، وہی ہوا جو ہمیشہ ہوتا ہے، ناقابل اشاعت، ناقابل اشاعت، ناقابل اشاعت، ماشاء اللہ سے میری پیاری بہن کا سابقہ ریکارڈ قائم ہے، اب آخر ڈائجسٹ والوں کا بھی اپنا ایک نام ہے، مقام ہے، بھلا وہ کیوں ایسی جھول والی کہانیاں شائع کرنے لگے، جن کا نہ سر ہے نہ پیر۔'' عبداللہ کی بات سن کر رمشاء جل کر رہ گئی، مگر کوئی جواب نہ دیا، امی بابا کے چہرے پر مسکان تھیں۔

''بابا میں نے تو بہت سمجھایا کہ میری پیاری بہن چھوڑ و بھی، یہ تمہارے بس کا روگ نہیں ہے، کیوں جھوٹ کے پلندے لکھ لکھ کر اپنی آخرت خراب کر رہی ہو، پر اسے عقل ہی نہیں آتی، میں نے تو یہ بھی کہا کہ قیامت میں اللہ کو منہ دیکھانا ہے، کیوں سفید جھوٹ لکھ لکھ کر اپنا منہ کالا کر رہی ہو، لاکھ جتن کر کے تو تم نے یہ منہ گورا کیا ہے، پر اسے سمجھ ہی نہیں آتی۔''

''امی بابا اب اسے چپ کرالیں ورنہ...... ورنہ میں اس کا منہ توڑ دونگی۔'' رمشاء کے صبر کا پیمانہ چھلک چکا تھا۔

''مت تنگ کرو میری بیٹی کو بھئی، آخر انسان ناکامیوں کے بعد کی کامیابی کی سیڑھی پر پڑھنا ہے۔'' بابا نے رمشاء کی حوصلہ افزائی کی۔

☆☆☆

مہینے کے آخر سے ہی اسے ڈائجسٹ کا انتظار رہتا تھا اور آج تو تین تاریخ ہو گئی تھی۔

''پتا نہیں اس بار میرا افسانہ لگا ہو گا کہ نہیں۔'' رمشاء اپنی سوچ کا تانا بانا بن ہی رہی تھی کہ عبداللہ ہاتھ میں اس ماہ کا ڈائجسٹ لئے گنگناتا ہوا اندر داخل ہوا، رمشاء کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا، فلم سٹار شبنم کا دل بھی کبھی ندیم کو دیکھ کر اتنی زور سے نہ دھڑکا ہو گا جتنا اس وقت رمشاء کا دل دھڑک رہا تھا۔

''لاؤ دو ادھر، ڈائجسٹ۔'' رمشاء نے جھپٹتے ہوئے کہا۔

''جی نہیں ایسے نہیں، پہلے ایک کپ چائے اور نمک والا پراٹھا، پھر بات کرنا مجھ سے۔'' عبداللہ نے شرط رکھتے ہوئے کہا۔

''میں کچھ نہیں بنا رہی؟ تم ادھر دو ڈائجسٹ ورنہ...... میں بابا کو فون کرتی ہوں۔'' رمشاء نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔

''میری سویٹ سسٹر، تمہارے معاملے میں، بابا سے ڈانٹ سن سن کر بڑا ہوا ہوں، اس لئے اب مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوتا، تم پہلے چائے اور نمک والا پراٹھا بنا کر لاؤ اور ڈائجسٹ لے جاؤ۔''

''تم تو ہو ہی ڈھیٹ اور بدتمیز اور تم پر تو وہ مثال فٹ بیٹھتی ہے، چکنا گڑا، بوند پڑی اور

ڈھلی۔''

''امی چھوڑیں، اس بار ایک افسانہ لگا ہے رائٹر کا نام ہے رمشاء زبیر، افسانہ ہے ''تیرے پہلو میں۔'' آخر یہ سن کر رمشاء نے ہار مانی اور کچن کا رخ کیا۔

''کیا واقعی؟ رمشاء کا افسانہ چھپ گیا؟'' امی حیرت سے گویا ہوئی۔

''ہوں امی ابھی ڈائجسٹ والوں کا معیار اتنا نہیں گرا کہ اس کا افسانہ چھپ جائے، اگر میں یہ پتانہ پھینکتا ناں تو وہ کبھی نہ کچن کا رخ کرتی۔''

''بہت غلط بات ہے عبداللہ، تمہیں بہن کو تنگ کرنے میں ذرا شرم نہیں آتی۔''

''اچھا آپ تو خفا نہ ہوں، سوری اب آپ پلیز بات کرنا مت چھوڑ دینا مجھ سے۔'' اگر امی بات کرنا چھوڑ دیں تو عبداللہ سمیت سب بہن بھائی کی جان جاتی ہے۔

☆☆☆

تم بن جیوں گا کیسے؟
بتا دے مجھ کو تو ساتھیا

رمشاء اپنے نئے افسانے کا آخری سین قلم بند کر رہی تھی اس امید کے ساتھ کہ اس بار نا قابل اشاعت نہیں ہوگا، وہ اپنی سوچ کا تانا بانا بن رہی تھی کہ باہر سے آپی اور ان کے بچوں کا شور سنائی دیا، وہ قلم بند کرتی تیزی سے باہر بھاگی تھی، رائٹر بننے کا شوق اور جنون اپنی جگہ مگر یہ شوق خون کے رشتوں کی اہمیت کو کم نہیں کر پایا تھا، آپی کے آنے سے گھر میں یکدم رونق آ گئی تھی۔

''کہاں تھیں میری جان اتنے دنوں سے؟'' رمشاء نے پیاری سی چھ سالہ نور کو گود میں بھرتے ہوئے کہا۔

''میں تو روز کہتی ہوں ماما کو، کہ نانو کے گھر چلیں ماما آتی ہی نہیں۔'' نور نے خالہ کی گود سے اتر کر ماموں کی گود میں چڑھتے ہوئے کہا۔

''بیٹا آپ کی ماما کی تو ہم سے محبت ہی نہیں ہے، ہم ہی پاگل ہیں جو ان کی یاد میں گھلتے رہتے ہیں۔'' رمشاء نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

''اچھا چلو، شکوے بعد میں کر لینا سب کچھ لے تو آؤ اور تم سناؤ احد تمہارے پیپرز کیسے ہوئے؟'' دس سالہ احد کو نانی نے پیار سے اپنے پاس بٹھاتے ہوئے کہا۔

''نانو، اب جب تک میرا رزلٹ نہیں آئے گا، میں یہی آپ کے پاس رہوں گا، ماما کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔'' احد نے نانی کے اور قریب ہوتے ہوئے کہا۔

''ہاں ہاں میرا بیٹا میرے پاس رہے گا۔''

''ویسے ہانیہ ملتان اتنا دور نہیں ہے، جتنا تم نے کر رکھا ہے، مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ ملتان لندن میں ہے، مظفر گڑھ اور ملتان میں فاصلہ ہی کتنا ہے، پر تم کو لگتا ہے کہ......''

''اچھا چھوڑیں بھی اب، امی آپ کو تو پتا ہے کہ اتنا بڑا سسرال، اتنے لوگ، پھر بچوں کا ساتھ جلدی جلدی کیسے آ سکتی ہوں بھلا، ورنہ میرا اور میرے بچوں کا تو ہر روز آنے کا دل کرتا ہے۔''

''اور آپ کو پتا ہے امی، احد اور نور سے سن سن کر اب یہ چھوٹی جنت بھی ضد کرتی ہے کہ نانو کے گھر چلو، نانو کے گھر چلو، اور کبھی کبھی تو تنگ آ کر ان کی دادی غصے سے کہتی ہیں کہ تم اپنے باپ کو لے کر مظفر گڑھ ہی شفٹ ہو جاؤ۔'' اور سبھی لوگ کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

☆☆☆

''اچھا یہ بتاؤ نور کہ آپ بڑے ہو کر کیا بنو گی؟''

''ماموں میں تو بڑے ہو کر رمشاء خالہ بنوں

گی۔'' یہ بات سن کر رمشاء کا دل خوشی سے باغ باغ ہو گیا تھا اور عبداللہ کے منہ پر بارہ بج گئے۔

''نور بیٹا آپ کو رمشاء خالہ میں ایسا کیا نظر آیا جو آج تک ہم لاکھ کوشش کے بعد نہ دیکھ سکیں۔'' عبداللہ نے مسکراتے ہوئے اسے چڑایا۔

''نور بیٹا، ایک آپ ہو جو رمشا خالہ بننا چاہتی ہو اور ایک وہ ماموں کی پوری فیملی ہے جو دل و جان سے رمشاء پر مرتی ہے، بڑی منت سماجت کر کے جنہوں نے بابا سے رمشاء کا رشتہ مانگا اور تو اور وہ احد میاں جو رمشاء کی محبت میں دیوانہ ہو گیا، جب سے رمشاء سے رشتہ طے ہوا ہے ہر وقت خوش رہتا ہے، ایسا لگتا ہے کہ کوئی معرکہ سر کر لیا ہے، ہر وقت دانت نکلتے پھرتے ہیں، پتا نہیں وہ کون سی خوبی ہے جو ہمیں نظر نہ آئی کبھی اور انہیں نظر آ گئی۔''

''ہیرے کی قیمت جوہری ہی جانتا ہے، بھلا موچی کو کیا پتا؟'' امی نے سبزی کاٹتے ہوئے کہا۔

امی کا یوں حمایت کرنا رمشاء کو بھا گیا اس کا سیروں خون بڑھ گیا اور عبداللہ کی شکل پر بارہ بجے دیکھ کر وہ خود پر کنٹرول نہ رکھ پائی اور کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

☆☆☆

رمشاء گالوں پر ہاتھ رکھے خلا میں گھور رہی تھی، تفکر کی موٹی موٹی لکیریں چہرے پر عیاں تھیں وہ اپنی سوچوں اور پریشانی میں اتنی مگن تھی کہ اسے خبر ہی نہ ہوئی کہ کب بابا جانی اس کے قریب بیٹھ کر اسے غور سے دیکھ رہے ہیں، چند لمحوں بعد اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اسے کوئی دیکھ رہا ہو، اس نے اپنے قریب بیٹھے بابا جانی کو دیکھا اور مسکرا کر گویا ہوئی۔

''آپ کب آئے بابا جانی؟''

''یہ بتاؤ کہ کیا مسئلہ ہے کیوں پریشان ہو۔''

''آپ کو کیسے پتا کہ میں پریشان ہوں؟''

''میری بیٹی کے چہرے پر پریشانی ہو اور اداس ہو اور مجھے پتا نہ چلے ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا۔''

''مجھے بتاؤ کہ کیا پریشانی ہے؟'' بابا جانی نے دھیرے سے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''بابا جانی آپ کو تو پتا ہے کہ میں نے کتنی محنت سے افسانے لکھے پر ہر بار ادارے والے کہہ دیتے ہیں کہ کمی ہے، پختگی نہیں ہے، مزید محنت کریں، ایسا کیوں ہوتا ہے، کیا وجہ؟'' رمشاء بہت اپ سیٹ پریشان تھی۔

''دیکھو بیٹا، جب ادارے والے کہتے ہیں تو ضرور کچھ نہ کچھ کمی ہو گی ناں، ڈائجسٹ والوں کا بھی تو ایک نام ہے، ایک مقام ہے اور ان لوگوں نے یہ مقام یہ جگہ یہ عزت اچھی معیاری تحریریں شائع کر کے بنایا ہوتا ہے، اگر وہ چند غیر معیاری تحریریں شائع کر دیں گے تو ان کی عزت ان کے نام پر ان کے مقام پر کمی آئی گی۔''

''تو بابا جانی وہ حوصلہ افزائی کے لئے بھی تو میری تحریر لگا سکتے ہیں۔''

''دیکھو بیٹا آپ کی حوصلہ افزائی کے چکر میں جو مجھ جیسے پڑھنے والے ہونگے، وہ پرچے کو سمجھیں گے کہ اس میں تو غیر معیاری کہانیاں چھپتی ہیں، وہ نہیں پڑھیں گے اگر لکھاری کی تحریر میں کچھ کمی ہو تو وہ نوک پلک سنوار کر کے شائع کر دیتے ہیں، تمہیں ابھی توجہ محنت مکمل معلومات کی ضرورت ہے، تب ہی تم ایک اچھی معیاری قابل اشاعت تحریر لکھ پاؤ گی، ابھی تم مکمل ناول ناولٹ لکھنے کے بجائے ہلکا پھلکا کچھ لکھو، پہلے قلم پر اپنی

گرفت مضبوط کرو، اتنی پختگی لاؤ کہ ادارے والے خود تمہاری تحریر کا انتظار کریں، تم کچھ لکھو اور مجھے دکھاؤ، پھر میں تنقیدی نظر سے اسے پڑھوں گا جو غلطی ہو گی اسے ٹھیک کریں گے پھر دیکھو کیا ہوتا ہے، دل چھوٹا مت کرو، مسلسل محنت کرنے والا کا کامیابی مقدر ضرور بنتی ہے، کامیابی کے لئے توجہ اور لگن بہت ضروری ہے۔'' بابا کی باتوں سے رمشاء کو کافی حوصلہ ہوا تھا، اس کی پریشانی ختم ہو گئی تھی، وہ محبت سے اپنے بابا جانی کو دیکھ رہی تھی، جو ایک شفیق باپ بھی تھے اور مہربان دوست بھی۔

''پتا ہے بابا جانی آپ ناں دنیا کے بیسٹ بابا جانی ہو۔'' رمشاء نے باپ کے سینے سے لگتے ہوئے کہا۔

☆☆☆

بہار کے موسم کی ٹھنڈی ہوائیں رمشاء کی زلفوں سے اٹھکیلیاں کرتی گزر رہی تھیں، وہ اپنے آپ میں مگن خوشگوار موڈ میں پودوں کا جائزہ لے رہی تھی، عبداللہ سانس پھلائے تقریباً بھاگتا ہوا اندر داخل ہوا۔

''کیا ہوا کسی کی چوری کر کے بھاگے ہو جو پولیس پیچھے پڑی ہے، یا پھر کسی پاگل کتے نے کاٹ لیا جو خود بھی پاگلوں کی طرح اندر آئے ہو۔'' رمشاء نے اس کی حالت دیکھ کر مذاق اڑایا۔

''اگر تمہیں پتہ چلے گا ناں کہ وجہ کیا ہے تم تو سچ میں پاگل ہو جاؤ گی۔'' عبد اللہ نے تقریباً سانس بحال کرتے ہوئے کہا۔

''اچھا، ایسا کیا ہے؟ ہمیں بھی تو پتا چلے۔'' رمشاء نے مٹی والے ہاتھ جھاڑتے ہوئے کہا۔

''نہیں پہلے تم بیٹھ جاؤ، کہیں بے ہوش نہ ہو جاؤ اور مجھے سنبھالنا پڑے۔'' عبداللہ نے اسے پکڑ کر اطمینان سے قریب رکھی کرسی پر بٹھاتے ہوئے کہا، پھر ڈائجسٹ نکالتے ہوئے کہا۔

''تمہارا افسانہ لگا ہے۔''

پہلے تو چند لمحوں کے لئے وہ ساکت ہو گئی، اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا اپنی سماعتوں پر اور اگر واقعی وہ بیٹھی نہ ہوتی تو شاید گر جاتی، پھر جلدی جلدی اوراق الٹ کر اس نے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا تو بڑے بڑے حروف میں اس کا نام لکھا تھا، اسے تو یقین ہی نہیں ہو رہا تھا، اس کا دل بلیوں اچھل رہا تھا، چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا، ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے ہر طرف بہار ہی بہار ہے، خوشنما رنگوں کی تتلیاں اسے چارسو رقص کر رہی ہیں، وہ ڈائجسٹ سینے سے لگائے کسی چھوٹی بچی کی طرح اچھل رہی تھی اور تشکر آمیز نظروں سے آسمان کی طرف دیکھ رہی تھی، اس کے کانوں میں بابا جانی کی آواز گونج رہی تھی کہ۔

''اللہ اپنے بندوں پر ان کی ہمت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔''

''کہاں جا رہی ہو؟'' عبداللہ نے اسے اندر جاتا دیکھ کر سوالیہ نظروں سے پوچھا۔

''شکرانے کے نفل ادا کرنے۔''

''اچھا...... سنو...... اس خوشی میں ٹریٹ تو بنتی ہے ناں، میں پیزا وغیرہ آرڈر کر آیا ہوں، تم برتن نکال لو۔'' رمشاء نے پلٹ کر اپنے بھائی کی طرف دیکھا، جو لاکھ اس کا مذاق اڑاتا تھا، تنگ کرتا تھا، چھیڑتا تھا، مگر اس کی خوشی آج اس سے زیادہ خوش تھا اور عبداللہ کے چہرے اور باتوں سے رمشاء کے لئے پیار صاف چھلک رہا تھا۔

☆☆☆

شہر دل کا دروازہ

تحسین اختر

''قرآن پاک مکمل ضابطہ حیات ہے، اس کے مطابق چلتے ہوئے کوئی انسان کبھی نہیں بھٹک سکتا، لیکن اگر ترقی کے نام پر اس کو بھلا کر اپنے راستے خود متعین کر لئے جائیں تو پھر ذلت بھی مقدر بنتی ہے اور ہمیں گہرے اور اندھے کنوئیں میں گرنے سے بھی کوئی نہیں روک سکتا، شاید دنیا میں مسلمانوں کی پستی زوال کا سبب بھی قرآن پاک کو بھلا دینا ہی ہے، اگر دیکھا جائے تو اجتماعی طور پر ہم سب مسلمان ہیں لیکن انفرادی طور پر ہم میں مسلمانیت نہیں، اسلام کہیں نہیں۔''

''جھوٹ و تشدد، ریا کاری و مکر و فریب، نا انصافی گھروں سے بلند ہوتی گانوں کی آوازیں فحاشی و بے جا آزادی، گلیوں اور بازاروں میں عورت کی سر عام نمائش، یہ سب اسلام تو نہیں۔''

''عورت کو اسلام نے بڑا اہم مقام دیا ہے اور اسے اعلیٰ عہدوں جن میں ماں، بہن، بیوی، بیٹی کا رشتہ شامل ہے پر فائز کیا ہے، ہمارا مذہب تو ہمیں یہ درس دیتا ہے کہ اگر عورت کا ایک بال بھی غیر مرد دیکھ لے تو اس کے لئے سخت عذاب ہے لیکن ہم نے تو تہیہ کر رکھا ہے کہ اسلام کے منافی چلنا ہے، ہماری غیرت کہیں جا سوئی ہے، آج جس کے سر پر دوپٹہ ہوتا ہے اسے پینڈو اور دقیانوسی کہہ کر اس کا مذاق اڑایا جاتا ہے گویا کہ عریانیت اور فحاشی اسٹیٹس اسمبل بن گئی ہے، اس سلسلے میں ہمارا میڈیا بھی اہم کردار کر رہا ہے، ٹیلی ویژن آن کرو، مغربی لباس میں مغربی انداز میں جوان لڑکے اور لڑکیاں جسموں کی نمائش کرتے نظر آتے ہیں، لڑکے لڑکیوں جیسے ریشمی پہناوے لمبے بال اور زیور پہن کر فخر محسوس کرتے ہیں اور لڑکیاں لڑکوں کے انداز اپنا کر خود کو کسی اور ہی دنیا کی مخلوق سمجھتی ہیں، آج ایسے مناظر دیکھ کر ہمارا سر شرم سے نہیں جھکتا، بلکہ ہم بھی وہ چور

ناولٹ

دسویں قسط

دروازے تلاش کرنے شروع کر دیتے ہیں جو ہمیں ایسے حالوں تک لے جائیں، نتیجے کے طور پر ہماری لڑکیاں گھروں سے بھاگ جاتی ہیں لڑکے غلط کاموں میں ملوث ہو جاتے ہیں، یہ قرب قیامت بھی ہے اور تباہی کا آغاز بھی، لیکن ابھی ہم بے خبر ہیں اور نہیں سمجھتے کہ آج دنیا میں مسلمانوں کی بربادی اور زوال کا بڑا سبب یہی ہے، کہیں زلزلوں سے منٹوں میں شہر کے شہر تہہ خاک ہو جاتے ہیں کہیں کافر مسلمانوں پر غالب آ جاتے ہیں، کہیں پانی کا تیز بہاؤ سیلاب کی صورت بہا لے جاتا ہے تو کہیں مختلف حادثے اتنے شدید ہوتے ہیں کہ انسان دم بخود رہ جاتا ہے لیکن پھر بھی ہم نہیں سوچتے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے، خدا پاک کے غضب کو جوش کیوں آتا ہے، ہمارے منصوبے اور برسوں کی پلاننگ خاک میں کیوں مل جاتی ہے، ہم جتنا آگے دوڑتے ہیں اتنا ہی پیچھے کیوں آ جاتے ہیں، یہ ایسے سوالات ہیں جن کا جوب صرف اقبال کے ایک مصرعے میں پوشیدہ ہے۔

تم خوار ہوئے تارک قرآن ہو کر

لیکن شاید ہمارے دل و دماغ پر مہریں لگ چکی ہیں کہ ہم ذرا سی بات نہیں سمجھ سکتے، شاید ہمیں اسلام کی نہیں نام نہاد ترقی کی ضرورت ہے، ہمیں نصیحتوں کی نہیں روپے پیسے کی چاہ ہے، ہمیں دین سے زیادہ دنیا پیاری ہوگئی ہے۔''

سامنے ٹی وی چل رہا تھا، چونکہ وہ غم کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبی ہوئی تھی اور اس لئے ٹی وی پر درس دیتی اس خاتون کی نرم سی آواز کانوں میں جانے کیا کیا کچھ انڈیلتی جارہی تھی۔

''اے اللہ پاک تو ہماری خطاؤں کو درگزر کرنے والا ہے تو رحیم ہے تو کریم ہے، تو میرے حال پر بھی کرم کر دے، اے اللہ ہمارے گناہوں کو معاف فرما اور ہماری دعائیں سن لے۔'' وہ وہیں آنکھیں بند کیے اپنے خدا سے نہال کی زندگی کی بھیک مانگنے لگی تھی۔

''انسان خوشی میں اپنے رب کی طرف کب پلٹتا ہے، رب تو اسے ہمیشہ دکھ اور غم میں ہی یاد آتا ہے۔'' جیسا کہ ابھی حریم کو یاد آرہا تھا۔

نہال کے ایکسیڈنٹ کا جس جس نے سنا تھا، اس کی صحت اور تندرستی کی دعاؤں میں لگ گیا تھا، وہ خود بھی دل کا اچھا تھا اور اپنے اردگرد کے لوگوں کا بہت خیال رکھتا تھا اس لئے سبھی اس سے بہت محبت کرتے تھے، ہاسپٹل پہنچنے والوں میں حریم سب سے آگے آگے تھی، جیسے ہی اسے لے کر آئے تھے حریم ہاسپٹل پہنچ گئی تھی۔

''شکر ہے میرے بیٹے کی جان بچ گئی۔'' اس کی امی جان کا سر سجدے سے اٹھتا ہی نہ تھا، نہال کو چونکہ کوئی بہت شدید چوٹ نہیں آئی تھی اور پھر وہ ہوش میں تھا اس لئے اسے ہاسپٹل سے فارغ کر کے گھر بھیج دیا گیا تھا۔

''میں نے کہا تھا نا میں اتنی دور جا نہ پاؤں گا، تمہارے بغیر میں کب رہ سکتا ہوں، دیکھ لو اللہ پاک نے واپسی کا کیسا انتظام کر دیا۔'' وہ تنہا ہوا تو زرد چہرہ اور آنکھوں میں نمی لئے حریم کو دیکھ کر شرارت سے بولا تھا حالانکہ اس کا اپنا چہرہ بھی ہلدی رنگ ہو رہا تھا، تکلیف تو بہت تھی مگر وہ سہہ رہا تھا۔

''ایسے مت کہو نہال، ایسے تو ہم نے کب چاہا تھا کہ تم واپس آؤ۔'' وہ رو پڑی تھی، ضبط کرتے کرتے بھی ضبط کا یارا نہ رہا تھا۔

''اف اب تو تمہارے آنسو بھی صاف نہیں کر سکتا۔'' وہ کراہتے ہوئے بولا تھا۔

''اس کی ضرورت نہیں میں خود ہی کر لیتی ہوں۔'' وہ اس کی شرارت سمجھتے ہوئے جلدی

سے بولی تھی۔

''ویسے میرے ساتھ کچھ نہ کچھ ہوتا ہی تھا، میرا دل کہہ رہا تھا اور میری چھٹی حس بھی کیونکہ کسی کی بددعائیں اور کالی زبان میرے ساتھ تھی۔'' وہ بولا تھا۔

''کس کی؟''

''تم جانتی ہو، مجھ سے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔''

''کس کی؟'' وہ واقعی نہیں سمجھی تھی، اس وقت دماغ تو ماؤف تھا۔

''مشام علوی کی۔''

''وہ تمہاری جان چھوڑ کیوں نہیں دیتی۔''

''تم چھوڑ سکتی ہو، اگر میں کہوں تو؟'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھنے لگا تھا۔

''ہاں، اگر بات تمہاری سلامتی کی آئے تو میں چھوڑ دوں تمہیں بھی۔''

''اور اسی کو محبت کہتے ہیں۔'' وہ پھر بولا تھا۔

''تو کیا مشائم کی محبت، محبت نہیں۔''

''نہیں، وہ محض ضد ہے۔''

''تمہارا کیا خیال ہے اگر وہ محبت کرتی تو کیا اتنے عرصے میں یہ محبت میرے دل پر اثر نہ کرتی، وہ تو بس مجھ سے ضد لگا بیٹھی ہے اور اپنی ضد کو ہر حال میں پورا کرنا چاہتی ہے اور......''

''بیٹا یہ لو سوپ، خود بنا کر لائی ہوں تھوڑا سا پی لو۔'' اس کی بات ادھوری ہی تھی، جب اس کی امی جان گرما گرم سوپ لے کر آ گئی تھیں، انہوں نے تکیہ تھوڑا سا اونچا کیا تھا اور چمچ سے سوپ اس کے منہ میں ڈالنے لگی تھیں۔

☆☆☆

وہ لوگ عمرہ کی غرض سے پاک جگہ اور پاک فضا میں آ گئے تھے، مکہ میں داخل ہوتے ہی عاشقان دین پچھلا سب کچھ بھول جاتے تھے، یاد رہتا تھا تو صرف خدا اور اس کا رسول۔

''یہ کیا؟'' نظر جب بیت اللہ شریف پر پڑی تو پھر گویا ہٹنا بھول گئی تھی، آنسوؤں کی برسات آنکھوں سے لگی تھی اور دل یوں ڈھل رہے تھے جیسے ابھی پیدا ہوئے ہوں۔

اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، لاالہ الا اللہ واللہ اکبر پڑھتے جاتے تھے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگتے جاتے تھے، طواف بھی برستی آنکھوں اور لرزتے ہونٹوں کے ساتھ ہوا تھا۔

عمرہ کے بعد جب واپسی تھی تو دل میں عجیب قسم کی ویرانی سی بھر گئی تھی، شاید اس پاک فضا اور پرنور جگہ سے جانے کی اداسی تھی اور یہ کیفیت شاید ہر اس مسلمان کی ہوتی ہے جو اس جگہ جا کر وہاں سے واپسی کا ارادہ رکھتا ہے، وہ سب بھی اداس تھے، جتنے دن انہوں نے یہاں گزارے تھے وہی تو حاصل زندگی تھے، لگ رہا تھا بس یہی دن گنتی میں آتے ہیں بقیہ تو زندگی بے کار ہی گزاری۔

''کاش میں یہاں پہلے آ جاتی، مام ڈیڈ کے پاس اتنا پیسہ تھا کہ ہمیں ہر دفعہ دوبئی، یورپ اور جانے کہاں کہاں کی سیر کی آفر ہوتی تھی مگر کبھی اس جگہ آنے کا کسی نے نہیں کہا، منصور میں آپ کی شکر گزار ہوں کہ آپ مجھے یہاں لے کر آئے اور آپ کی رفاقت میں، میں نے یہ دن گزارے۔'' وہ بہت جذباتی ہو رہی تھی۔

''میں خوش قسمت ہوں کہ تمہیں یہاں لانے کا باعث بنا اور تمہیں میرا شکر گزار ہونے کا کوئی حق نہیں، یہ میرا فرض تھا اور میں استطاعت رکھتا تھا تو میں نے اپنا یہ فرض ادا کر دیا اور ویسے بھی تم نے میرے لئے اتنا کچھ کیا ہے، تو کیا میں تمہارے لئے کچھ نہ کرتا۔''

''منصور آپ کو پتہ ہے میں نے اس سارے عرصے میں کیا دعا مانگی ہے۔''

''جانتا ہوں۔'' وہ آہستہ سے بولے تھے۔

''کیا؟ کیا مانگا میں نے؟''

''وہ دونوں جہان کا مالک ہے، اس کے خزانے میں کسی شے کی کمی نہیں اور جب وہ دینے پہ آتا ہے تو جھولیاں بھر بھر کر دیتا ہے، وہ تمہاری بھی جھولی بھر دے گا۔'' منصور نے کہا تھا، مریم کی آنکھیں نم ہوگئی تھیں، وہ منہ موڑ کر ان آنکھوں کی نمی صاف کرنے لگی تھی۔

☆☆☆

نہال کا ایکسیڈنٹ، مشائم نے سنا تو اس کا دل ہل گیا تھا، یہ سچ تھا کہ وہ ضد بازی میں نہال کے قریب آنا چاہتی تھی، مگر یہ ضد بازی کب محبت میں ڈھلی اسے خبر نہ ہوئی اور اب تو محبت، انتقام کی حدود میں داخل ہونا چاہتی تھی کہ اس خبر نے مشائم کی جان کھینچ لی تھی۔

''وہ ٹھیک تو ہے نا۔''

''ہاں، گھر پہ ہی ہے۔'' بتانے والے نے اسے بالکل صحیح رپورٹ دی تھی، اس نے فوراً نہال کا نمبر ڈائل کیا تھا، پہلی بیل پر ہی کال ریسیو کر لی گئی تھی، نہال اپنے زخمی اور چور چور ہونے کی خبر اپنے دشمن کو ضرور دینا چاہتا تھا تاکہ اسے اپنی بددعاؤں کے کامل ہونے کا یقین آجائے۔

''نہال تم کیسے ہو؟'' آواز میں بے چینی اور کرب نمایاں تھا۔

''ہاہاہاہا......آپ کی بددعاؤں تلے زخموں سے چور ہوں۔'' پہلے اس نے قہقہہ لگایا تھا اور پھر بولا تھا۔

''پلیز ایسے مت کہو میں نے تمہیں کوئی بد دعا نہیں دی۔''

''اچھا، میری سماعتیں شاید دھوکا کھانے لگی ہیں۔'' وہ طنزیہ انداز میں بولا تھا۔

''مجھے بتاؤ نا تم کیسے ہو؟''

''تمہیں میری اتنی فکر کیوں، کچھ عجیب سا اور ڈرامہ سا لگ رہا ہے۔''

''مجھے تمہاری فکر ہے تو اسی لئے پوچھ رہی ہوں نا۔'' وہ چڑاتا تھا اور وہ یوں بھی آج کل بے حد چڑچڑی ہو رہی تھی، وہ چیخی تھی۔

''اچھا میرے دشمن میری فکر کرنے لگے، میں تو بڑا خوش نصیب ہوں۔'' اتنے میں حریم نے یخنی کی ٹرے تھامے اندر قدم رکھا تھا اور نہال کے آخری الفاظ سن کر اسے بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ فون کے دوسری طرف کون ہے، وہ ٹرے اس کے پاس رکھ کر خاموشی سے بیٹھ گئی تھی۔

''میں تمہاری دشمن نہیں ہوں، محبت کرتی ہوں تم سے۔''

''یہ اقرار تم روزانہ ہر گھنٹے بعد بھی کرو نا تو میں تب بھی نہ مانوں۔'' اس نے کہہ کر فون بند کر دیا تھا دوسری طرف مشائم تلملاتی رہ گئی تھی۔

''کون تھا؟'' حریم نے یخنی کی ٹرے اس کے سامنے رکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''تھا نہیں تھی، مشائم علوی۔''

''اوہ، وہ پیچھا نہیں چھوڑے گی تمہارا۔''

''میں اتنا سیدھا نہیں ہوں کہ اس کے بچھائے جال میں آجاؤں اور پلیز اس کی باتوں سے پہلے ہی سر میں درد ہونے لگا ہے، اس لئے پلیز کوئی اور بات کرو۔''

''اچھا آنٹی پوچھ رہی ہیں، ملک شیک بنا دیں وہ۔''

''پہلے مجھے یہ یخنی تو پینے دو، امی تو چاہتی ہیں ایک منٹ سے بھی پہلے بستر سے اٹھ کر کھڑا ہو جاؤں۔'' وہ سوپ یخنی، دلیہ اور ملک شیک ان چیزوں کو کھا اور پی کر عاجز آگیا تھا۔

''وہ ماں ہیں، وہ فکر نہیں کریں گی تو اور کون کرے گا۔'' وہ اس کی بات پر مسکرا کر بولی تھی۔

''تم، کیا تمہیں میری فکر نہیں ہے۔''

''ہے کیوں نہیں۔''

''سچ حریم بیماری کے ان دنوں میں تم نے جس طرح میری دیکھ بھال کی ہے اور کتنی مشقت برداشت کر کے تم آفس سے ادھر آتی ہو، تمہارے اس جذبے نے مجھے تمہارے اور قریب کر دیا ہے۔''

''یہ میں کوئی تم پہ احسان نہیں کرتی۔''

''مجھے بہت اچھا لگتا ہے تمہیں اپنے گھر میں ادھر اُدھر چلتے پھرتے دیکھ کر، کام کرتے دیکھ کر تمہاری موجودگی کو جب جب اپنے آس پاس محسوس کرتا ہوں تو یقین مانو میری تکلیف کم ہو جاتی ہے۔''

مکمل دو ہی دانوں پر یہ تسبیح محبت ہے
جو آئے تیرا دانہ یہ ڈوری ٹوٹ جاتی ہے
مقرر وقت ہوتا ہے محبت کی نمازوں کا
ادا جن کی نکل جائے قضا بھی چھوٹ جاتی ہے
محبت کی نمازوں میں امامت ایک کو سونپیں
اسے تکنے اسے تکنے سے نیت ٹوٹ جاتی ہے
محبت دل کا سجدہ ہے جو ہے توحید پر قائم
نظر کے شرک والوں سے محبت روٹھ جاتی ہے

اس نے حریم کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بڑے جذب کے عالم میں کہا تھا۔

حریم کو یوں ہی نہیں اپنی خوش نصیبی پہ رشک آیا تھا، نہال جیسی محبت بہت کم لوگوں کا نصیب بنا کرتی ہے۔

☆☆☆

''نہیں یہ نہیں ہو سکتا، میرے پاپا مجھے عاق نہیں کر سکتے، میں تو ان کی جائیداد اور ہر چیز کی اکلوتی وارث ہوں، پھر وہ مجھے کیسے ہر چیز سے محروم رکھ سکتے ہیں۔'' وانیہ کو پتہ چلا تو وہ صدمے سے چلا اٹھی تھی۔

''ایسی اولاد کو اپنے حقوق بس یاد رہتے ہیں اور فرائض نہیں، جب اس نے ماں باپ کا دل توڑا تھا، عزت خاک میں ملائی تھی تب اس کو احساس نہیں ہوا تھا اور آج جب یہ پتہ چلا تھا کہ باپ نے عاق کر دیا تھا تب اپنے اکلوتے پن کا دکھ ہوا تھا۔'' جائیداد سے بے دخل ہونے کا غم تھا اور جس لاڈ پیار سے اس نے ماں باپ کو محروم کر دیا تھا اس کا احساس ابھی تک نہیں ہو سکا تھا، موحد نے سنا تو وہ بھی سر پکڑ کر بیٹھ گیا تھا، اس کا کاروبار پہلے ہی ٹھپ تھا، آج تک وانیہ کے بینک بیلنس سے گزارا ہو رہا تھا، مگر آخر کب تک، ایک دن تو وہ رقم ختم ہونا ہی تھی، سب کچھ ملنے کا آسرا بھی دم ٹوٹ گیا تھا، وانیہ کو افسوس جو تھا سو تھا، موحد کا خسارہ بھی بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

''تم ان سے رابطہ کرو، اس طرح وہ تمہیں کیسے جائیداد سے عاق کر سکتے ہیں۔'' موحد نے کہا تھا۔

''کہاں سے رابطہ کروں، انہوں نے تو اپنا کوئی سراغ بھی نہیں چھوڑا کہ آخر گئے تو کہاں گئے، میں کہاں جا کر ان سے پوچھوں سوال کروں، یا اپنا حق مانگوں۔'' وانیہ پھٹ پڑی تھی۔

''وہ تو جیسے تم سے چھٹکارا پانے کو تیار بیٹھے تھے۔''

''موحد بات کو غلط رنگ مت دو، چھٹکارا انہوں نے مجھ سے نہیں میں نے ان سے پایا ہے، میں نے ان کو ستایا، ان کو چھوڑا، ان کی کوئی بات نہیں مانی، صرف اور صرف تمہاری محبت میں۔'' موحد کی غلط بات وانیہ سے برداشت نہیں ہوئی تھی۔

''چلو اولاد سے غلطیاں ہو ہی جاتی ہیں

لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ انہیں اتنی کڑی سزا دی جائے۔" وہ پھر بولا تھا۔

"کچھ غلطیاں، غلطیاں نہیں جرم بن جاتی ہیں، ناقابل معافی جرم۔" وہ بڑبڑائی تھی۔

"تم مانتی ہو تم نے ناقابل معافی جرم کیا ہے۔"

"شاید۔" وہ ذومعنی انداز میں بولی تھی۔

"چلو وہ تو جو ہوا سو ہوا، اب آگے کا سوچو، ہمارے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے، کس آس پر زندگی گزاریں گے۔"

"یہ سوچنا میرا کام نہیں، تمہارا کام ہے۔"

"جب اس محبت کا بخار تمہیں چڑھا تھا تب تو تم کہتی تھی، یہ سب دردسر تمہارا ہے، میں کوئی ٹینشن نہ لوں اور اب ساری ٹینشن میرے لئے رکھ دی ہیں۔"

"یہ کیا تم ہر وقت مجھے جتاتے رہتے ہو کہ میں نے ہی محبت کی، ہاں تم سے محبت کی تو کون سا غلط کام کیا، اگر یہ میری غلطی تھی تو اس غلطی کو سزا بھی تو میں ہی بھگت رہی ہوں نا۔" وہ رونے لگی تھی، ڈپریشن اس پر حاوی ہوتا جا رہا تھا، وہ نفسیاتی مریضہ لگنے لگی تھی۔

"تمہارے پاس تو ہر مسئلے کا حل بس رونا ہی ہے۔" وہ بھی عاجز آ چکا تھا۔

"روتی رہو۔" اس نے وانیہ کو چپ نہیں کروایا تھا بلکہ بولتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا تھا، وانیہ اس کی بے حسی پر اور کھل کر رونے لگی تھی۔

☆☆☆

"کبھی کبھی میں سوچتی ہوں یہ زندگی بھی آخر کیا شے ہے، انسان اس کے لئے کیا کیا جتن نہیں کرتا مگر یہ کسی کے ہاتھ نہیں آتی۔" بیگم عماد اور سیٹھ عماد ایک پارک میں بیٹھے تھے کافی کے مگ دونوں کے سامنے پڑے تھے اور بیگم عماد خلا میں دیکھتے ہوئے کہنے لگی تھی، آج کل دل کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔

"ہوں، صحیح کہہ رہی ہو، میں نے دیکھ لو کیسے دن رات محنت کی اور ہماری اکلوتی اولاد نے ہمارے ساتھ کیا کیا، وانیہ کی پیدائش سے لے کر اب تک ہم نے اس کے لئے کیسے کیسے خواب نہ دیکھے تھے اور اس نے ہمارے ساتھ کیا کیا، سب خواب ملیا میٹ کر دیئے۔" بیگم عماد نے سیٹھ صاحب کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا تھا، سیٹھ صاحب جانتے تھے یہ خاموش تسلی ہے، انہوں نے بیگم کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا، اب وہ ایک دوسرے کا سہارا تھے۔

"کہیں تو غلطی ہوئی ہے ہم سے۔" وہ دھیرے سے بولی تھیں۔

"غلطی نہیں شاید غلطیاں۔" جو دکھ دل کو دیمک کی طرح ہولے ہولے چاٹ رہا تھا اسی دکھ نے اندر کہیں انسانیت بھی جگا دی تھی، وہ دن رات اپنے اپنے اندر اپنا اپنا محاسبہ کرتے رہتے تھے، وہی بیگم عماد جو کسی کو اپنے آگے کچھ نہ سمجھتی تھیں، یہاں تک کہ خدا اور اس کے احکامات بھی یاد نہ تھے، ہر وقت پیسے اور دولت کا نشہ سر پر سوار رہتا تھا اور وہی سیٹھ صاحب تھے جو دو سے پانچ اور پانچ سے پندرہ بناتے تھے، اس کے لئے رزق حلال بھی ضروری نہ تھی اور نہ ہی کوئی حدود قیود کا خیال تھا، مگر اب خدا نے ایسا الٹایا تھا کہ سب کوتاہیاں سب برتری سب خامیاں یاد آتی تھیں اور کیا خوب یاد آتی تھیں۔

"اسی لئے تو کہتے ہیں، اولاد کی پرورش رزق حلال پر کرنی چاہیے، یہ جو رزق حلال ہوتا ہے نا یہ اندر خون میں شامل ہو کر اس کو صاف رکھتا ہے، دل میں برائیاں پیدا نہیں ہونے دیتا، دماغ کو ٹھنڈا رکھتا ہے اور رزق حرام یہ تو آگ کے

آگ، یہ حلق سے اترتے ہی اندر بھی آگ بھرکا دیتا ہے، خون میں ملتا ہے تو اسے بدبودار اور تعفن زدہ کر دیتا ہے، منفی سوچوں کو جنم دیتا ہے، منفی خیالات کو پروان چڑھاتا ہے، نافرمانی اور سرکشی پیدا کرتا ہے، بے چینی اور اضطراب کو جنم دیتا ہے۔''

''جائز اور ناجائز طریقے سے کمایا ہوا پیسہ بھی اسی طرح جاتا ہے، جس طرح بارش برستی ہے تو اس کا صاف پانی سارا گند بہا لے جاتا ہے اور پیچھے سکون اور صفائی چھوڑ جاتا ہے اور اگر کبھی گندے نالوں کا پانی بھر جائے تو اردگرد نہ ختم ہونے والی بیماریاں پھیلا دیتا ہے، یہی فرق جائز اور ناجائز، حرام اور حلال کا ہے۔''

''ہماری بیٹی کب ہمیں ملے گی۔'' وہ ماں تھیں، لاکھ جتن کے باوجود بھی کبھی ممتا جوش میں آتی تو منہ سے عجیب سی بات نکل جاتی تھی۔

''کون سی بیٹی؟'' عماد نے پوچھا تھا۔

''وانیہ اور کون سی بیٹی، ہماری ایک ہی تو بیٹی ہے۔'' وہ اچنبھے سے شوہر کو دیکھنے لگی تھیں۔

''ہے نہیں تھی۔'' وہ سفاکی سے بولے تھے۔

''ایسے مت کہیں عماد، دل ڈوبنے لگ جاتا ہے۔'' انہوں نے دل پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا، عماد کی نظریں سامنے پھرتے کپل پر تھیں جن کی پانچ چھ سال کی گول مٹول اور صحت مند سی بچی ان کے ساتھ تھی اور ماں باپ بچی کو کھلا رہے تھے، بات کبھی بچی کو کندھے پر اٹھا لیتا اور کبھی اسے بھاگ کر پکڑنے لگتا، جبکہ ماں کے چہرے پر مسکراہٹ تھی وہ دونوں باپ بیٹی کے پیار کو دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہی تھی، سیٹھ عماد کو بھی وانیہ کے بچپن کے وہ دن یاد آئے تھے، جب وہ اس سے ایسے ہی لاڈ پیار جتایا کرتے تھے۔

''وانیہ تم نے تو اس ایک لمحے کی بھی قیمت نہیں چکائی۔'' انہوں نے سرد آہ بھر کر سوچا تھا۔

''کیا سوچ رہے ہیں۔'' بیگم نے پوچھا تھا۔

''کچھ نہیں۔'' سینے سے بس ایک سرد آہ نکلی تھی۔

''چلو آؤ چلیں۔'' انہوں نے ہاتھ بڑھایا تھا اور مسز علوی کا ہاتھ پکڑ کر اٹھ کر چلنے لگے تھے۔

☆☆☆

''نہال کوئی لڑکی آئی ہے، میں نے ڈرائنگ روم میں بٹھایا ہے اسے، خود کو تمہاری دوست کہتی ہے۔'' رئیسہ بیگم نے ریموٹ ہاتھ میں لئے چینل بدلتے نہال کو دیکھ کر کہا تھا۔

''مشائم تو نہیں آئی۔'' وہ منہ میں بڑبڑایا تھا اور پہلا خیال ہی اس کا آیا تھا۔

''بھیج دیں امی جان۔'' وہ امی کے سامنے کوئی تماشا کھڑا کرنا نہیں چاہتا تھا، اس لئے اس سے ملنے کا بھی کہہ دیا تھا اور ماتھے پر تیوریاں بھی خود بخود چڑھ گئی تھیں۔

''آ جاؤ بیٹی۔'' رئیسہ بیگم اسے نہال کے کمرے میں چھوڑ کر چائے بنانے چلی گئی تھیں، وہ اپنے گھر میں آنے والے کسی بھی مہمان کو خالی نہیں جانے دیتی تھیں۔

''بیٹھنے کا نہیں کہو گے۔'' وہ یوں دوستانہ انداز میں بولی تھی جیسے اس کے اور نہال کے تعلقات مثالی ہوں۔

نہال نے گھور کر اسے دیکھا تھا، ریڈ شارٹ شرٹ اور سفید ٹراؤزر میں ملبوس ریڈ لپ اسٹک لگائے سر پر چشمہ اور منہ میں چیونگم چباتی مشائم علوی بلاشبہ حسن کا مجسمہ تھی اور اس وقت کسی کے دل پر بھی آگ لگا سکتی تھی، مگر نہال کا دل بھی ایسا ڈھیٹ تھا کہ اس پر اس آگ کا کوئی اثر نہ ہوتا

تھا۔
اس گھوری پر بھی وہ نہال ہوگئی تھی اور خواہ مخواہ مسکرانے لگی تھی، نہال کو ایسا لگا تھا اس مسکراہٹ نے تیلی لگادی ہے۔
''کیوں آئی ہو یہاں؟''
''نہال آخر تمہارا مسئلہ کیا ہے، فون کیوں کیا ہے، آئی کیوں ہو، بیٹھی کیوں ہو، کھڑی کیوں ہو، بس تمہارے یہ سوال ختم ہی نہیں ہوتے، کبھی ان کے سوا کوئی اور بات بھی کرلیا کرو، کچھ اور بھی پوچھ لیا کرو۔''
''غیروں سے ایسی باتیں ہی پوچھی جاتی ہیں۔''
''شکر ہے تم نے آج میرے ساتھ کوئی رشتہ تو بنایا، غیر ہی سہی کچھ تو سمجھا۔''
''میں نے بہت سے لوگ دیکھے ہیں زندگی میں، مگر تم جیسا ڈھیٹ آج تک نہیں دیکھا۔'' وہ چبا چبا کر بولا تھا، اتنے میں وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ چکی تھی۔
''یہ بات تم پہلے بھی کئی بار کہہ چکے ہو۔'' اس پر کوئی خاص اثر نہیں ہوا تھا، چیونگم کے غبارے بنا بنا کر پھوڑتی رہی تھی۔
''مس حریم شہباز تو میری حریف بن گئی ہیں۔'' وہ غصے سے بولی تھی۔
''تمہارا اس کے ساتھ کوئی مقابلہ نہیں، میں اس سے محبت کرتا ہوں اور تم سے نفرت، اس لئے اپنا اور اس کا موازنہ مت کرو۔'' وہ بھی پھنکارا تھا۔
''اس میں ایسا کیا ہے، جو مجھ میں نہیں۔''
''یہ بات تم اپنے گریبان میں جھانک کر پوچھو خود سے۔''
''بس دل پہ چڑھنے اور اترنے کی بات ہے اور کچھ نہیں، حالانکہ میں سمجھتی ہوں واقعی میرا اور حریم شہباز کا کوئی مقابلہ نہیں، کیوں وہ ایک عام اور غریب سی لڑکی اور کہاں میں مشائم علوی۔''
''پھر بھی دیکھو وہ کہاں اور تم کہاں کھڑی ہو۔'' اس کی بات پر نہال نے استہزائیہ انداز میں کہاں تھا۔
''اس کی جگہ میں چھین لوں گی بہت جلد، تم دیکھنا تو سہی۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔
''بیٹا کہاں جارہی ہو، چائے تو پیتی جاؤ۔'' اتنے میں رئیسہ بیگم چائے کی ٹرے تھامے اندر داخل ہوئی تھیں۔
''نہیں آنٹی بہت شکریہ، آپ کے بیٹے کو بس ایک نظر دیکھنا تھا دیکھ لیا۔'' وہ مڑ کر نہال کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی تھی اور تیزی سے باہر نکل گئی تھی۔
''کون تھی یہ بیٹا۔'' رئیسہ بیگم چائے کی ٹرے ٹیبل پر رکھ کر نہال سے پوچھنے لگی تھیں۔
''ہے ایک سرپھری۔''
''پھر بھی بتاؤ تو۔''
''میرے باس ہیں نا یاشر علوی ان کی بگڑی ہوئی اور سرپھری بہن ہے، مشائم علوی اور میری بدقسمتی کہ محترمہ مجھ سے محبت کرنے لگی ہیں جبکہ ماں میں اسے لفٹ نہیں کرواتا مگر ہر وقت میرے پیچھے پڑی رہتی ہے۔''
''مگر بیٹا بڑے لوگوں سے پھڈے بازی میں نہیں پڑنا چاہیے۔''
''ارے ماں آپ تو خواہ مخواہ ہی پریشان ہورہی ہیں، ایسے لوگوں سے نمٹنا میں خوب جانتا ہوں، ان بگڑی امیرزادیوں میں محض شوبازی ہی ہوتی ہے اور کچھ نہیں۔''
''مگر بیٹا کیا اسے تم ہی نظر آئے تھے۔'' ماں والے مخصوص خوف کے زیر اثر بولی تھیں۔

''میری بھولی ماں میں بھی تو اسے یہی کہتا ہوں۔'' وہ ماں کا بازو تھام کر احترام سے انہیں اپنے پاس بٹھاتے ہوئے بولا تھا۔

''مگر وہ کیا ہے نا، وہ کہتی ہے دل تو گدھے پہ بھی آسکتا ہے۔'' وہ شرارت سے ہلکے پھلکے لہجے میں ماں کے دل سے خوف اور وسوسوں کو نکالنے کی کوشش کرنے لگا تھا۔

''اچھا تو اسے تم گدھے نظر آتے ہو۔'' رئیسہ بیگم نے پیار سے بیٹے کے کان کھینچے تھے۔

''شاید۔'' وہ بھی مسکراتے ہوئے بولا تھا۔

''ایک بار تو تم میرے گھر تک آگئی ہو مگر دوسری بار یہاں کا رخ نہ کرنا۔'' رئیسہ بیگم چائے کے برتن لے کر جونہی باہر نکلیں نہال نے مشائم کا نمبر ملایا تھا۔

''کیوں۔'' وہ لگاوٹ سے بولی تھی، کسی طرح بھی سہی نہال سے رابطہ تو ہو رہا تھا، اسے یہی بہت تھا۔

''کیوں کا جواب تمہیں مہنگا پڑے گا۔''

''اچھا، مگر تم تو جانتے ہو، میں ڈرنے اور پیچھے ہٹنے والوں میں سے نہیں ہوں۔''

''مجھے اب یاشر علوی کو ساری بات بتانی پڑے گی۔'' نہال نے اسے ڈرانے کی کوشش کی تھی۔

''بتا دینا، میرے لئے اور آسانی ہو جائے گی۔''

''تمہارا کچھ نہیں ہو سکتا۔'' نہال نے بھڑک کر فون بند کر دیا تھا، عجب بلا پیچھے پڑی ہوئی تھی۔

☆☆☆

جہازی سائز کے بیڈ پر لیٹی وہ نہال کی آواز کے مزے لے رہی تھی، یہ تو بہت بعد کی بات تھی کہ وہ کہہ کیا رہا تھا، وہ تو بس اس نشے میں ڈوبی ہوئی تھی کہ اس سے بات تو ہوئی تھی، اس کو دیکھ تو لیا تھا، اس کے گھر میں جا کر خود کو اس کے پاس محسوس تو کر لیا تھا۔

دوسری طرف گھر والوں نے جان کھائی تھی کہ دلاور حسین کا پرپوزل قبول کر لے مگر اسی کا دل نہال کے سوا کسی اور کو ماننے کے لئے تیار نہیں تھا، جب دل نہیں مان رہا تھا تو وہ کیسے کسی طرف مائل ہو جاتی۔

اس نے تکیہ منہ پر رکھ دیا تھا اور مسکرانے لگی تھی، ایسی کیفیت میں نیند کم بخت کب آتی، فون کی بیل بجی تھی اس نے تکیہ پیچھے کر کے موبائل اٹھایا تھا۔

''ہیلو سویٹی۔'' دوسری طرف سے فواد کی چہکتی ہوئی آواز ابھری تھی۔

''ہیلو۔'' فواد تنویر کے ساتھ اس کی بہت دوستی تھی، مگر جب سے نہال سے واسطہ پڑا تھا وہ تو گویا سب کو بھلا ہی بیٹھی تھی، فواد کی آواز کے ساتھ ہی بہت کچھ بولا بسرا یاد آیا تھا، بہت اچھے دن جو اس نے اور فواد نے اکٹھے گزارے تھے، فواد کے ممی پاپا ڈاکٹر تھے اور ان کا سارا وقت چونکہ گھر سے باہر گزرتا تھا اس لئے فواد زیادہ تر مشائم کے گھر ہی پایا جاتا تھا، دوستی اتنی تھی کہ دونوں کا ایک دوسرے کے بغیر گزارا نہیں ہوتا تھا، مگر مشائم نے کچھ عرصے سے اسی دوستی کو کچھ کچھ بھلا رکھا تھا۔

''اسی دنیا میں پائی جاتی ہو یا کہیں کوچ کر گئی ہو۔''

''ہاہاہا، اسی دنیا میں ہوں، تمہاری دنیا میں ڈفر۔'' وہ اس کے لہجے پر کھلکھلائی تھی۔

''مگر مجھے تو نہیں لگتا۔''

''تمہیں ہمیشہ الٹے سیدھے خیالات ہی آتے ہیں، کبھی تو ڈھنگ کا سوچ لیا کرو۔''

''اچھا یہ سب چھوڑو مجھے بتاؤ کہاں ملو گی، سچ اب تو تمہاری شکل بھی بھولتی جا رہی ہے۔''

''تو اپنے پاپا جانی کو دکھاؤ نا، وہ نیورو سرجن ہیں، تمہارے دماغ کا علاج ضرور کریں گے اور اگر اپنے بیٹے کے دماغ کا ہی علاج نہ کر سکے تو میں انہیں ڈاکٹر نہیں مانوں گی۔''

''ہاہاہا، تمہارے ماننے یا نہ ماننے سے کیا ہوتا ہے، ایک دنیا مانتی ہے کہ وہ ایک قابل نیورو سرجن ہیں۔''

''اچھا اتنا ہی دماغ خراب ہو رہا ہے تو دیر کس بات کی، گھر آ جاؤ نا۔''

''نہیں کہیں باہر ملتے ہیں، کہیں اچھی سی جگہ پر۔'' وہ مچلا تھا۔

اوکے جہاں تمہاری مرضی۔'' اس نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا تھا۔

''ٹھیک ہے، میں ٹھیک تیس منٹ بعد تمہیں پک کرتا ہوں، ریڈی رہنا۔''

''اوکے۔'' مشائم نے حامی بھر کر فون بند کر دیا تھا۔

''یہ نہیں بدل سکتا۔'' وہ بستر سے اٹھی تھی اور دل میں سوچتے ہوئے وارڈ روب کے سامنے جا کھڑی ہوئی تھی، فواد تنویر کی چوائس بہت اعلیٰ تھی، وہ اس کی باتیں سننے کے موڈ میں نہیں تھی اس لئے اچھی طرح ڈریس اپ ہو کر فواد سے ملنے جانا چاہتی تھی۔

☆☆☆

''موحد میں سارا دن گھر میں مکھیاں مارتی رہتی ہوں، تم نے بہت لیٹ آنا شروع کر دیا ہے۔''

وانیہ کئی روز سے یہ تماشا دیکھ رہی تھی، آج پھر موحد کے لیٹ آنے پر پھٹ پڑی تھی۔

''تو کیا کوئی کام نہ کروں، سارا دن تمہارے گھٹنے سے لگ کر بیٹھا رہوں۔''

''یہ میں نے کب کہا، مگر میرا بھی تو سوچو، کہ میں سارا دن اکیلی رہتی ہوں، میرا تو وقت ہی نہیں گزرتا۔'' موحد کو اکھڑے دیکھ کر وہ ذرا ٹھنڈی پڑ گئی تھی۔

''تو تم کوئی جاب کیوں نہیں ڈھونڈ لیتی، کچھ انکم بھی آ جائے گی اور تمہارا فارغ ٹائم بھی گزر جائے گا۔''

''کیا جاب...... اور میں۔'' وہ ابھی تک اپنے آپ کو وہی وانیہ عماد سمجھتی تھی جو شہزادیوں کی سی آن بان سے زندگی گزارتی تھی اور جس کے آگے پیچھے ملازموں کی فوج ہوتی تھی، جس نے کبھی ہل کر خود سے پانی تک نہیں پیا تھا، جاب کی بات سن کر اسے کرنٹ لگا تھا۔

''ہاں تو اس میں برائی کیا ہے، سارے زمانے کی لڑکیاں نوکریاں کرتی ہیں، تم بھی کر لو گی تو کیا قیامت آ جائے گی۔''

''موحد تم جانتے ہو میں نے کبھی ایسا سوچا بھی نہیں، کرنا تو بڑی دور کی بات ہے۔''

''تو اب سوچ لو، سوچنے میں کون سا ٹائم لگتا ہے۔'' وہ مذاق اڑانے والے انداز میں بولا تھا، وانیہ کی آنکھیں نم ہونے لگی تھیں، کیا محبت کرنے کی اتنی کڑی سزا ملتی ہے، اس نے سوچا تھا مگر یہ نہیں سوچا تھا کہ ماں باپ کی نافرمانی کی سزا اتنی ہی کڑی ہوتی ہے۔

''موحد ایک بات کروں۔'' وہ ذرا پاس آ کر بولی تھی، موحد نے پانی کی بوتل سے پانی گلاس بھرا تھا اور کھڑے کھڑے ہی پینے لگا تھا۔

''ہاں کرو۔'' اس نے ایک ہی سانس میں گلاس خالی کر کے ٹیبل پر رکھا تھا۔

''اگر ہمارے بچہ ہو جاتا تو میرا سونا پن کچھ ختم ہو جاتا اور یہ جو میں بار بار ڈپریشن کا شکار

جاتی ہوں، یہ بھی مجھے نہ ہوتا۔''
''بچہ...... ہاہاہا...... ابھی ہمیں کچھ دنوں تک کھانے پینے کے لالے پڑنے والے ہیں، ایسی حالت میں ہم بچہ کیسے افورڈ کر سکتے ہیں۔''
''جو اس دنیا میں آتا ہے وہ اپنا رزق خود لے کر آتا ہے۔'' وہ بولی تھی۔
''وہ تو ٹھیک ہے مگر پھر بھی ہم بچے کا خرچہ کیسے پورا کریں گے، بس تم یہ بچے وچے کا خیال چھوڑو، تم کوئی جاب ڈھونڈو۔'' موحد نے بات ختم کرتے ہوئے کہا تھا۔
''اور ہاں اس ہفتے کے اینڈ میں ہمیں گاؤں جانا پڑے گا۔''
''وہ کیوں؟''
''اماں نے بلایا ہے، عابدہ کے سسر کے انتقال پر بھی ہم لوگ نہیں گئے، مگر اب افسوس کے لئے جانا تو ہمارا حق بنتا ہے نا۔''
''تو آپ ہو آئیں۔''
''تم اکیلی کیسے رہو گی۔''
''میں رہ لوں گی۔''
''مگر اماں کا حکم ہے کہ بہو ضرور آئے، اب جبکہ سارے گاؤں کو میری شادی کا پتہ چل گیا ہے تو وہ تمہیں سب سے ملوانا چاہتی ہوں گی۔''
''مگر موحد!'' وہ گاؤں کبھی نہیں گئی تھی، ان کے کوئی ملنے والے یا رشتے دار گاؤں میں نہیں رہتے تھے اس لئے وہ گاؤں جانے سے ہچکچا رہی تھی۔
''اگر مگر کچھ نہیں، بس جانا پڑے گا، تم تیاری شیاری کر لو۔'' وانیہ بے دلی سے اٹھ کر کچن میں آ گئی تھی۔
چار پانچ دن ایسے گزرے تھے کہ پتہ ہی نہیں چلا تھا، وہ اور موحد گاؤں جانے کے لئے گھر سے نکل پڑے تھے، آج خلاف معمول موحد کا موڈ بے حد خوش گوار تھا اور موحد کو خوش دیکھ کر وانیہ کو بھی خوشی ہو رہی تھی۔
ٹھنڈی ہوا زور و شور سے چل رہی تھی، سر سبز لہلہاتے کھیت، تا حد نظر آتی فصلیں، فصلوں میں کام کرتی عورتیں اور مرد، وانیہ سب کچھ بہت پر شوق نظروں سے دیکھ رہی تھی، موحد نے بس سے اتر کر ٹیکسی لے لی تھی وانیہ کی سہولت کے لئے، وانیہ کو سب اچھا لگ رہا تھا۔
''اچھا لگ رہا ہے نا۔'' موحد نے اسے کہنی مارتے ہوئے پوچھا تھا۔
''ہاں بہت اچھا، گاؤں کے یہ مناظر میں نے ہمیشہ ٹی وی میں دیکھے تھے، آج پہلی بار اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہوں تو واقعی بہت اچھا لگ رہا ہے۔''
''یہ ہمارے پاکستان کا حسن ہے، مگر تم جیسے اپر کلاس لوگوں نے کب ایسا حسن دیکھا اور محسوس کیا ہوگا۔'' موحد پھر اسے چھیڑنے سے باز نہیں آیا تھا۔
''اب تو اپر کلاس کا طعنہ مت دو۔'' وانیہ اس کی بات کا مطلب سمجھ کر جلدی سے بولی تھی، اتنے میں ٹیکسی موحد کے محلے میں داخل ہو گئی تھی، موحد نے ایک فیروزی رنگ کے دروازے پر ٹیکسی رکوالی تھی اور اسے پیسے وغیرہ دے کر وانیہ کے ساتھ باہر آ گیا تھا۔
''یہ ہے میرا غریب خانہ۔'' بیگ وغیرہ زمین پر رکھ کر موحد نے لمبا سانس لیا تھا اور تازہ ہوا پھیپھڑوں میں اتارتے ہوئے وانیہ کو بتایا تھا۔
غریب خانہ واقعی غریب خانہ ہی لگ رہا تھا، فیروزی رنگ جگہ جگہ سے اڑا ہوا تھا اور گھر کی دیواریں بھی اکھڑی ہوئی تھیں، گھر کے باہر لگے دھریک کے بڑے سے درخت کے نیچے پتوں کا

ڈھیر جمع تھا جو گھر کی بے سرو سامانی میں مزید اضافہ کر رہا تھا، ٹیکسی کی آواز سن کر اماں جلدی سے باہر نکل آئی تھی۔

''ماں صدقے۔'' انہوں نے پہلے موحد کا ماتھا اور پھر وانیہ سے گلے ملی تھیں۔

''آؤ آؤ اندر آؤ۔'' وہ وانیہ کو لے کر اندر آ گئی تھیں، موحد اپنا سامان اٹھا کر پیچھے پیچھے اندر آ گیا تھا۔

''بیٹھو پتر، بیٹھو آرام سے۔'' صحن سے گزر کر اماں انہیں کمرے میں لے آئی تھیں، وانیہ پرس چار پائی پر رکھ کر بیٹھ گئی تھی، اماں اسے بٹھا کر کمرے سے باہر نکل آئی تھیں، وانیہ کمرے کا جائزہ لینے لگی تھی، کمرے میں ایک طرف پیٹی پڑی تھی اور اس پر کچھ سامان تھا، دو چار پائیاں بچھی ہوئی تھیں جن پر نئی چادریں تھیں، گویا اماں نے ان کے آنے پر اہتمام کیا تھا، کمرے کی دیواروں کا سیمنٹ بھی جگہ جگہ سے اکھڑا ہوا تھا، وانیہ کو اب تک گاؤں جتنا اچھا لگا تھا، کھلی فضا سر سبز لہلہاتے کھیت، ٹھنڈی ہوا وہ سب موحد کے گھر میں آ کر بھول گئے تھے اور اب سب عجیب سا لگنے لگا تھا، اسے موحد کا گھر بالکل پسند نہیں آیا تھا، خدانخواستہ اسے اگر موحد کے ساتھ یہاں اس گھر میں زندگی گزارنا پڑتی تو وہ کبھی نہ گزار پاتی۔

''ایزی ہو کر بیٹھو نا۔'' موحد کمرے میں داخل ہوا تھا، وانیہ نے اسے عجیب سی نظروں سے دیکھا تھا، ایسی نظروں سے جن میں کچھ نہ تھا۔

''کیا ہوا، تھک گئی ہو۔'' موحد کی اس کی نظروں کے خالی پن کا احساس ہوا تو جلدی سے قریب آ کر بولا تھا۔

''ہاں بہت۔'' وہ آہستہ سے بولی تھی۔

''تو لیٹ جاؤ، آرام کرو نا۔''

''ابھی لیٹ جاتی ہے، پہلے ہاتھ منہ دھو کر کچھ پانی وانی تو پی لو، میں اپنی نو کے لئے (بہو کے لئے) لسی نہیں بلکہ بوتل لائی ہوں، یہ میں نے صبح ہی منگوا کر رکھ چھوڑی تھی۔'' اماں ٹرے میں کوک سے بھرے دو گلاس رکھ کر لے آئی تھی، ایک گلاس موحد نے خود اٹھا لیا تھا اور دوسرا اٹھا کر وانیہ کو تھما دیا تھا۔

''آج نو (بہو) کے ساتھ آیا ہے تو بالکل ہی پرونیا بن گیا ہے۔'' ماں بیٹے سے مذاق کرنے لگی تھی۔

''اماں یہ باہر دیگ کیوں پڑی ہے۔''

''ارے میٹھے چاول پکوانے ہیں، سارے محلے میں بانٹوں گی، آج یہ پہلی بار اپنے سسرال آئی ہے، عابدہ بھی آتی ہو گی، پتہ نہیں اس نے دیر کیوں کر دی، وہ تو کہہ رہی تھی کہ مجھے ہی آ جاؤں گی، پتر ذرا اسے پوچھ تو کہاں رہ گئی ہے۔''

موحد عابدہ کو فون کرنے لگا تھا، وانیہ بے نیازی سے بیٹھی گھونٹ گھونٹ کوک اپنے اندر اتارتی رہی تھی۔

''اماں بیل تو جا رہی ہے مگر وہ فون اٹھا نہیں رہی۔''

''اچھا پھر رکشے میں ہو گی، آ رہی ہو گی۔''

ماں ٹرے اٹھا کر کمرے سے باہر نکل گئی تھی، وانیہ نے تکیہ سیدھا کیا تھا اور چار پائی پر لیٹ گئی تھی، چار پائی نے دہائی دی تھی یا اس کی کمر نے، نرم گدے کے بغیر چار پائی کے مزے وہی لے سکتا ہے جو بیڈ کا عادی نہ ہو۔

''تم آرام کرو، میں ابھی آتا ہوں۔'' موحد اسے لیٹے دیکھ کر باہر نکل گیا تھا۔

''آرام، ادھر آرام کون کر سکتا ہے۔'' اس نے کروٹ لی تھی تو ایک آنسو پچھتاوے کا نکلا تھا اور گلاب کے اس پھول میں جذب ہو گیا تھا، جو عابدہ نے تکیے پر اپنے ہاتھ سے کاڑھا تھا۔

☆☆☆

میں بھول جاؤں تمہیں
اب یہی مناسب ہے
مگر بھلانا بھی چاہوں تو کس طرح بھولوں
کہ تم تو پھر بھی حقیقت ہو
کوئی خواب نہیں
یہاں تو دل کا عالم ہے کیا کہوں
کم بخت!
بھلا نہ پایا وہ سلسلہ
جو تھا ہی نہیں
وہ اک خیال
جو آواز تک گیا ہی نہیں
وہ ایک بات
جو میں کہہ نہیں سکا تم سے
وہ ایک ربط
جو ہم میں کبھی رہا ہی نہیں
مجھے ہے یاد وہ سب
جو کبھی ہوا ہی نہیں

وہ گاؤں آنے والی بس میں بیٹھی تھی اور سوچوں میں گم تھی، اب تو اپنی محبت نہال کو سونپ دی تھی، مگر پھر بھی گاؤں آنے والے راستوں پر جب بھی آنا ہوتا تھا تب تب اس دشمن جاں کی یاد آتی تھی جس کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں تھا، کوئی سانجھ نہیں تھی کوئی وعدہ نہیں تھا، مگر دل کے کسی کونے کھدرے میں وہ اور اس کا خیال چھپے بیٹھے تھے، اب وہ خود اپنی نہ رہی تھی اور وہ بھی کسی اور کا ہو گیا تھا، مگر پھر بھی ان راستوں پر آتے ہوئے وہ بھلائے نہیں بھولتا تھا۔

بس گلیوں میں تو نہیں آسکتی تھی، پکی سڑک پر اتار دیتی تھی اور وہاں سے دو تین گلیاں پیدل چل کر اس کا گھر آتا تھا، وہ بس سے اتر کر چلنے لگی تو یونہی دھریک کے درخت کے نیچے موحد کے کھڑے ہونے کا احساس ہوا تھا۔

''وہ اب گاؤں کیا کرنے آئے گا۔'' اس نے اپنا خیال جھٹکا تھا اور نظر جھکا کر چلنے لگی تھی، وہ منٹ بعد نظر دوبارہ اٹھی تو اس کا خیال کچھ اور قریب آتا ہوا محسوس ہوا تھا، اس نے ذرا غور سے دیکھا تو وہ موحد ہی تھا، جو سفید کاٹن کے سوٹ میں اپنی تمام تر وجاہت سمیت کھڑا تھا، حریم کی ہتھیلیاں پسینے میں بھیگی تھیں اور سانس کی رفتار بھی تیز ہوئی تھی، آج گاؤں آتے ہوئے قطعاً نہ سوچا تھا کہ اس سے یوں سر راہ ملاقات ہو جائے گی، وہ تو اماں نے کی روز سے جان کھائی ہوئی تھی کہ وہ گاؤں پہنچے، کل سے ابا کی طبیعت بھی کچھ خراب تھی سو آج اس نے گاؤں آنے کا پروگرام بنا لیا تھا۔

موحد نے اسے نہیں دیکھا تھا اس لئے اس نے جلدی سے راستہ بدل لیا تھا اور آگے جانے کی بجائے پیچھے مڑ کر دوسری گلی میں داخل ہو گئی تھی۔

اپنے گھر کے گیٹ کے آگے کھڑے ہو کر اس نے پسینے سے تر بتر پیشانی صاف کی تھی اور پیچھے مڑ کر دیکھا تھا، موحد نام کا آسیب پیچھے کہیں نہیں تھا مگر پھر بھی اس کے ساتھ ساتھ تو تھا، وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی تھی، گھر میں بچوں کی چیخ و پکار اور ہاہا کار مچی ہوئی تھی، اف خراب طبیعت کے ساتھ ابا اس ماحول میں کیسے آرام کرتے ہوں گے اس نے سوچا تھا۔

''ابا نے یہ شور شرابا اپنی مرضی سے ہی پسند کیا ہے۔'' اسے ہی گھر کا سکون راس نہیں تھا، جلدی ہی دماغ نے ایک اور دلیل دی تھی۔

''آ گئی تو۔'' اماں جانے کس کونے کھدرے سے برآمد ہوئی تھی نہ سلام نہ دعا۔

''ہاں آ گئی ہوں۔'' اس نے بیگ چارپائی

پر رکھ کر صحن کے ایک کونے میں رکھے کولر سے ٹھنڈے پانی کا گلاس بھرا تھا اور چارپائی پر بیٹھ کر گھونٹ گھونٹ پینے لگی تھی، جب بھی اماں کا مو صحیح ہوتا تو اسے ٹھنڈے پانی کا ایک گلاس پیش کر دیا جاتا تھا، مگر ان دنوں اماں کے بھتیجے کے رشتے کی وجہ سے جو چپقلش چل رہی تھی، اس میں حریم کو پتہ تھا کہ اسے کوئی پانی کا پوچھے گا بھی نہیں۔

''ابا کہاں ہے۔'' اس نے پانی پی کر اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''ڈاکٹر یوسف کی دکان پر گیا ہے، دوائی لینے۔''

''اماں یوسف ڈاکٹر کہاں ہے، ایک عام سا کمپاؤنڈر ہے، ابا کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھاتا نا، ابھی پچھلے ہفتے تو میں نے پیسے بھیجے تھے، ویسے ابا کو مسئلہ کیا ہے۔''

''سارا پنڈ اسی یوسف سے دوائی لیتا ہے اور اچھا بھلا بھی ہو جاتا ہے، اب تیرے ابے کے لئے میں کہاں سے ڈاکٹر منگواتی، تو آ گئی ہے نا اب دکھا لینا جس مرضی ڈاکٹر کو۔'' اماں نے چھوٹے کے شور شرابے سے تنگ آ کر اسے ایک دھموکہ جڑا تھا اور سر پکڑ کر بیٹھ گئی تھی، بچوں نے حریم کے آنے کا کوئی نوٹس نہیں لیا تھا، حالانکہ اب وہ بچے نہیں تھے اچھے خاصے سمجھدار تھے مگر اماں نے عقل تمیز نہیں سکھائی تھی اس لئے انہیں کسی بات کا پتہ نہ تھا، شکر ہے باہر سے کسی نے آواز دی تھی اور سارے باہر نکل گئے تھے، حریم نے کچھ سکون کا سانس لیا تھا۔

☆☆☆

''بہت اچھی لگ رہی ہو۔'' پی سی کے خوبصورت ایریا میں بیٹھے فواد نے مشائم کو دیکھ کر کہا تھا، مشائم نے اک ادا سے سر جھٹکا تھا۔

''یہ میری نظر کا کمال ہے یا تم پہلے سے زیادہ خوبصورت ہو گئی ہو۔'' جوس کے ہلکے ہلکے سیپ لیتے ہوئے فواد نے گہری نظر اس پر جمائی تھی۔

''تم مجھے بس میری تعریفیں کرنے کو یہاں لائے ہو۔'' ایک زمانہ جس مشائم کا دیوانہ تھا، جس پر مرتا تھا، وہ ایک عام سے بندے کے پیچھے خوار ہوتی پھر رہی تھی۔

''ہاں جو مرضی سمجھ لو۔'' فواد نے اس کے بلوریں گلاس کو اپنے سامنے کیا تھا اور اس میں سے جوس پینے لگا تھا۔

''اگر میں پہلے سے زیادہ خوبصورت ہو گئی ہوں تو تم پہلے سے زیادہ ڈفر اور ایڈیٹ ہو گئے ہو۔'' مشائم نے اس کی اس حرکت پر ہنستے ہوئے کہا تھا۔

''دیکھنا وہ یاشر ہے نا۔'' فواد کی نظر پڑی تو اس نے مشائم سے کہا تھا، مشائم نے منہ موڑ کر دیکھا تو وہ واقعی یاشر تھا اور اس کے ساتھ ایک بے حد خوبصورت لڑکی تھی جو غیر ملکی لگ رہی تھی، دونوں نے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے ہوئے تھے اور دھیرے دھیرے سیڑھیاں اتر رہے تھے۔

''ہیں تو یاشر بھائی ہی مگر یہ ساتھ کون ہے۔''

''آؤ ان سے ملتے ہیں، خود ہی تعارف ہو جائے گا۔'' فواد نے کہا تھا۔

''نہیں چھوڑو، ان کی پرائیویسی میں کیوں دخل دیں ہم۔'' مشائم نے کہا تھا۔

''ویسے مجھے اس لڑکی کے ساتھ یاشر کی خاصی اٹیچ منٹ لگ رہی ہے، دوستی سے بڑھ کر کچھ اور۔'' فواد تنویر جانچتی ہوئی نظروں سے بولا تھا۔

''ہوں مجھے بھی ایسے ہی لگ رہا ہے۔'' مشائم نے ان کو باہر جاتے دیکھ کر کہا تھا۔

''ایک بات ہے۔'' یاشر کی چوائس ہمیشہ بہت اے ون رہی ہے، فواد نے مشائم کو چھیڑا تھا۔

''کیا مطلب۔'' وہ اسے گھورنے لگی تھی۔

''مطلب یہ کہ یار لڑکی بہت حسین تھی۔'' وہ کان کھجانے لگا تھا۔

''ابھی تو تم میری تعریفیں کر رہے تھے۔'' مشائم نے کانٹا اٹھا کر اس کے بازو پر زور سے مارا تھا۔

''ظالم مار ڈالا۔'' وہ بازو سہلاتے ہوئے بولا تھا۔

''اچھا بتاؤ کیا کھاؤ گی۔''

''جو تم کھلا دو۔''

''آج تو بڑی فیاضی دکھا رہی ہو خیر ہے، ورنہ تم سے ایسی نرم دلی اور انکساری کی امید نہیں ہے۔''

''کافی دنوں بعد ملے ہیں نا ہم، اس لئے سوچ رہی ہوں تمہارا وقت خراب نہ ہو، وقت یا ڈیٹ۔''

''ڈیٹ، کون سی ڈیٹ۔'' وہ بھڑک اٹھی تھی، وہ بات کا جس طرح گھما پھرا کر اپنے مطلب پہ لایا تھا، مشائم حیران رہ گئی تھی۔

''یار کیا ہماری اتنی پرانی اور گہری دوستی کسی اور رشتے میں نہیں بدل سکتی کیا، وہ کیا ہے نا کہ میں اب تمہارے بارے میں اپنے دل میں کچھ کچھ محسوس کرنے لگا ہوں۔''

''کچھ کچھ کیا۔'' وہ پوچھنے لگی تھی۔

''کچھ نیا اور انوکھا۔''

''فواد پلیز، اس دوستی کو اس دوستی تک ہی رہنے دو، ہمارا یہ رشتہ ہی بہت مضبوط ہے، میں اسے کسی اور رشتے کا نام نہیں دینا چاہتی۔''

''مگر کیوں؟'' وہ بھی سیریس ہو گیا تھا۔

''اس لئے کہ میں کسی اور سے محبت کرتی ہوں۔'' وہ آہستہ سے بولی تھی، وہ سمجھتی تھی کہ وہ فواد تنویر سے اپنی ہر بات شیئر کر سکتی ہے، فواد کے سر پر بم ہی تو پھٹا تھا۔

''محبت کسی اور سے۔'' پی سی کی عمارت اگر فواد تنویر کے سر پر گر جاتی تو کم تھا۔

''ہاں محبت کسی اور سے۔''

''کون ہے وہ۔''

''ہے ایک بندہ۔''

''پھر بھی پتہ تو چلے کہ کون ہے وہ، ضرور کوئی ایسا ہو گا جو ہر لحاظ سے مجھ سے بہتر اور اسٹیٹس میں اپ ہو گا۔'' اور فواد کی اس بات پر مشائم دل میں ہنسی تھی کہ اگر اسے پتہ چل جائے کہ جس سے اسے محبت ہوئی ہے وہ کون ہے تو وہ جی بھر کر مشائم کا مذاق اڑائے۔

''بتاؤ نا۔''

''بتا دوں گی، ابھی سے اتنے بے صبرے کیوں ہو رہے ہو۔'' مشائم اپنے ہاتھ میں پڑے بریسلیٹ سے کھیلتے ہوئے بولی تھی، اتنے میں ان کا آرڈر سرو ہونے لگا تھا۔

''کھانا شروع کرو۔''

''تم نے بات ہی ایسی کی ہے کہ بھوک پیاس ہر چیز ختم ہو گئی ہے۔''

''اوہ کم آن، ہماری دوستی تو آج بھی قائم و دائم ہے، پھر تم اتنے ڈس ہارٹ مت ہو۔''

''جو بندہ دوستی سے بھی آگے جانا چاہتا ہو وہ ڈس ہارٹ نہیں ہو گا تو اور کیا ہو گا۔'' فواد کا دکھ کم ہی نہیں ہونے میں آ رہا تھا، مشائم نے اس کی پلیٹ میں کھانا نکالنا شروع کر دیا تھا۔

''اب اتنی کرم نوازی مت کرو، پہلے زخم لگاتی ہو اور پھر مرہم۔'' فواد کا دل جیسے بجھ سا گیا تھا، اس نے اس کا ہاتھ روکا تھا، مشائم اپنی پلیٹ

بھرنے لگی تھی، جو دکھ اسے نہال سے ملتا تھا، آج اس سے فواد کو ملا تھا تو دل جیسے ہلکا پھلکا ہونے لگا تھا اس کی بھوک اور چمک اٹھی تھی۔

☆☆☆

وہ سو کر اٹھی اور چائے بنانے کے لئے کچن میں آئی تو وہاں ایک پلیٹ میٹھے چاولوں کی ڈھکی رکھی تھی۔

''اماں یہ چاول کس نے بھیجے ہیں۔'' اماں باہر بیٹھی راکھ سے پتیلے مانجھ رہی تھی۔

''موحد اور اس کی ووہٹی آئے ہیں پنڈ، اس کی ماں نے اس خوشی میں سارے محلے میں میٹھے چاول بانٹے ہیں، پہلی بار ووہٹی پنڈ آئی ہے نا۔'' وہ پتیلے مانجھتے ہوئے بتانے لگی تھیں، حریم نے ایک نوالہ تو آرام سے نگل لیا تھا، مگر اماں کی بات سن کر دوسرا نوالہ حلق میں پھنس گیا تھا، اس نے جلدی سے پانی کا گلاس بھر کر چاول حلق سے اتارے تھے، اس نے چائے والی کیتلی جس میں ابھی پانی ہی ڈالا تھا وہیں رکھی تھی اور چاندنی کی طرف آ گئی تھی۔

''میں تم سے ملنے آئی تھی مگر تم سو رہی تھی۔'' چاندنی اس کے گلے لگتے ہوئے بولی تھی۔

''تو مجھے اٹھا لیتی۔''

''لو اسے ہی اٹھا لیتی، تم سفر سے آئی تھی، تھکی ہوئی تھی۔'' وہ دونوں اندر کمرے میں جا کر بیٹھ گئی تھیں۔

''اور سناؤ ٹھیک ہو نا۔'' چاندنی نے پوچھا تھا۔

''ہاں ٹھیک ہوں، میں نے سنا ہے موحد اور اس کی بیوی گاؤں میں آئے ہوئے ہیں۔''

''آئے تو ہوئے ہیں، مگر تمہیں اب اس سے کیا لینا دینا، تم یہ بتاؤ نہال ٹھیک ہے، اس کے زخم بھر گئے ہیں کیا۔'' چاندنی نے جب سے موبائل خریدا تھا تب سے وہ اور حریم مستقل شہر میں بھی رابطے میں رہتی تھیں۔

''ہاں وہ تو ٹھیک ہے اب۔''

''تو بس اس کی فکر کرو نا، یہ موحد ووحد کو چھوڑو، جس پنڈ جانا نہیں اس کے کوس گننے کا کیا فائدہ۔'' چاندنی نے بڑے پتے کی بات کی تھی۔

''میں کوس تھوڑی گن رہی ہوں، ویسے ہی پوچھ رہی ہوں۔'' وہ بے نیاز بننے کی کوشش کرنے لگی تھی۔

''اچھا یہ بتاؤ کیا کھاؤ گی۔''

''کچھ نہیں۔''

''پھر بھی کچھ تو بتاؤ۔'' چاندنی نے اصرار کیا تھا۔

''چائے پلوا دو پھر، میں ابھی بنانے لگی تھی مگر پھر دل نہیں کیا تو ادھر آ گئی۔''

''لے یہ کون سا کام ہے، تو بیٹھ میں ابھی بنا کر لاتی ہوں۔'' چاندنی چائے بنانے باہر نکل گئی تھی اور حریم چارپائی پر پڑا رسالہ اٹھا کر پڑھنے لگی تھی جو شاید اس کے آنے سے پہلے چاندنی پڑھ رہی تھی۔

☆☆☆

وانیہ کے آنے کے تھوڑی دیر بعد محلے اور گاؤں کی عورتیں وانیہ کو دیکھنے اور اس سے ملنے آنے لگی تھیں، وانیہ کو موحد کا گھر اور گاؤں بالکل پسند نہیں آئے تھے اوپر سے رنگ برنگی عورتیں اسے یوں دیکھنے آ رہی تھیں جیسے وہ کوئی عجوبہ ہو، عابدہ بھی پہنچ گئی تھی، اس کی سہیلیوں نے الگ ہاہا کار مچائی ہوئی تھی، وانیہ کو آرام کرنے کا بھی موقع نہیں مل رہا تھا، وہ تو جلد از جلد اس میلے سے جان چھڑا کر واپس اسلام آباد بھاگنا چاہتی تھی موحد بھی اسے اپنے گھر والوں کے حوالے کر کے جانے کہاں غائب تھا، وہ جب بھی گاؤں آتا اس

کے دوست اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے تھے۔
''موحد کہاں ہے۔'' اس نے کوئی چوتھی بار عابدہ سے پوچھا تھا۔
''ہائے بھابھی تھوڑی دیر بھی بھائی کے بغیر نہیں رہ سکتی ہو۔'' عابدہ اس کے پوچھنے پر قہقہہ لگا کر چلتی بنی تھی۔
''پاگل میں سب۔'' وانیہ کو اس کی اس ادا پر بہت غصہ آیا تھا، باہر اماں عورتوں سے تعریفیں سمیٹ رہی تھیں، وانیہ کی سب عورتیں تعریفیں کر رہی تھیں، وانیہ تو انہیں پوری میم لگی تھی میم، موحد کا موبائل بھی بند جا رہا تھا، شاید گاؤں میں سگنل پرابلم تھا۔
''عابدہ پلیز مجھے کچھ دیر آرام کرنا ہے۔'' اس نے عابدہ سے کہہ کر دروازہ بند کیا تھا اور چادر تان کر لیٹ گئی تھی۔
''حریم اور گاؤں میں۔'' حریم چاندنی کے گھر سے نکلی تو گلی کی نکڑ پر لڑکوں کے ساتھ کھڑے موحد نے اسے دور سے ہی پہچان لیا تھا، وہ تو اپنے گھر چلی گئی تھی مگر موحد کا دھیان دوستوں سے ہٹ کر اس کی طرف لگ گیا تھا۔
''حریم اگر گاؤں میں ہے تو میں اسے ضرور ملوں گا۔'' اس نے دل میں تہیہ کر لیا تھا اور پھر دوستوں میں اس کا دل نہیں لگا تھا اور وہ گھر آ گیا تھا۔
''عابدہ شہباز چچا کے گھر چاول دینے کون گیا تھا۔'' وانیہ اندر کمرے میں سو رہی تھی وہ چولہے کے پاس بیٹھی عابدہ کے پاس بیٹھتے ہوئے بولا تھا۔
''میں گئی تھی بھائی۔''
''اچھا۔''
''پر خیر ہے آپ کیوں پوچھ رہے ہیں، اب شہباز چچا کے گھر میں آپ کے لئے کیا خاص بات رہ گئی ہے۔'' عابدہ جو چاہتی تھی وہ تو ہوا نا اور موحد نے وانیہ سے شادی کر لی، اس لئے عابدہ اسے آئینہ دکھاتے ہوئے بولی تھی۔
''حریم گاؤں آئی ہوئی ہے کیا۔'' عابدہ نے ڈائریکٹ ہی وار کیا تھا تو موحد نے بھی سیدھے لفظوں میں دل کی بات پوچھ لی تھی۔
''ہاں آئی ہوئی ہے، مگر آپ کو کیا اس سے۔'' عابدہ کو حریم کا نام موحد کے منہ سے بہت عجیب لگا تھا۔
''میں تو ویسے ہی پوچھ رہا ہوں، وانیہ سو گئی کیا۔'' عابدہ کی آنکھوں میں جو حیرانی بھری ہوئی تھی موحد اس کے سامنے زیادہ ٹک نہ سکا تھا، اس لئے چولھے کے پاس سے اٹھ کر کمرے کی طرف آ گیا تھا جہاں وانیہ سو رہی تھی۔
''مجھے واقعی حریم کا نہیں پوچھنا چاہیے تھا عابدہ سے۔'' وہ بھی تھک گیا تھا اور کچھ دیر آرام کرنا چاہتا تھا اس لئے وانیہ کے ساتھ والی چارپائی پر لیٹتے ہوئے خود کلامی کے سے انداز میں بولا تھا۔
''عابدہ کیا سوچ رہی ہوگی۔'' اس کے دل میں یہ خیال آیا تھا اور ساتھ ہی اس کی آنکھیں بھی نیند سے بند ہونے لگی تھیں۔

☆☆☆

''حریم...... حریم۔'' اماں کے کہنے پر چھوٹی کے اسکول گئی تھی اس کی استانی سے ملنے، چھوٹی پڑھنے وڑھنے میں دلچسپی نہیں لیتی تھی اس لئے اماں نے اسے اسکول بھیجا تھا، وہ چھوٹی کو کلاس میں بٹھا کر واپس آ رہی تھی جب موحد سے ٹکراؤ ہو گیا تھا، موحد نے بے اختیار پکارا تھا۔
''حریم رکی نہیں تھی۔''
''حریم رکو تو۔'' وہ بھی پیچھے پیچھے ہی تھا، حریم کو رکنا پڑا تھا۔

''جی!''
''کیسی ہو؟''
''ٹھیک ہوں۔''
''کب آئی ہو؟''
''کل۔'' وہ مختصر سا بولی تھی۔
''واپس کب جاؤ گی۔''
''ابھی تو گاؤں میں ہی ہوں، دو چار دن لگ سکتے ہیں۔''
''تمہاری جاب کیسی جا رہی ہے۔''
''ٹھیک، ویسے میں ملنے آؤں گی آپ کی بیگم سے، بڑا اشتیاق ہے مجھے اس سے ملنے کا۔'' حریم نے طنز کیا تھا اور چل پڑی تھی۔
''ضرور آنا۔'' پیچھے سے موحد کی آواز آئی تھی، اب موحد کی آواز میں اشتیاق تھی مگر حریم کی آواز میں بے زاری تھی۔
''میں حریم شہباز ہوں اور یہ میری سہیلی چاندنی۔'' مغرب کے بعد وہ اور چاندنی عابدہ کے پاس آئی تھیں اور عابدہ انہیں وانیہ کے پاس کمرے میں لے آئی تھی، وانیہ کو پہلی بار کوئی ڈھنگ کی لڑکی گاؤں میں نظر آئی تھی۔
''یہ لاہور شہر میں نوکری کرتی ہے۔'' عابدہ نے شوق سے بتایا تھا۔
''لاہور، وانیہ کا اپنا شہر۔'' وانیہ کے دل کو کچھ ہوا تھا۔
''اچھا کہاں۔'' وہ جلدی سے پوچھنے لگی تھی۔
''علوی انٹر پرائز میں۔''
''اچھا، نام سنا ہے میں نے۔'' وانیہ نے کہا تھا اور حریم اپنا اور وانیہ کا موازنہ کرنے لگی تھی، وانیہ خوبصورت تھی مگر اس سے زیادہ نہیں، بس اس کا اسٹائل میک اپ اور دولت اسے حریم سے ممتاز بنا گئی تھی، حالانکہ شہر میں رہ کر حریم بھی بہت بدل گئی تھی، مگر جو لوگ منہ میں سونے کا چمچ لے کر پیدا ہوتے ہیں ان میں اور دوسرے لوگوں میں بہت فرق ہوتا ہے۔

''پتہ نہیں مجھے وانیہ کی جگہ پہ ہونا چاہیے تھا یا نہیں۔'' اس کے دل میں ایک سوچ ابھری تھی اور مٹ گئی تھی۔
''ارے مہمان آئے تھے، عابدہ مہمانوں کو کچھ کھلایا پلایا بھی ہے۔'' موحد ابھی ابھی باہر سے آیا تھا اور حریم کو دیکھ کر اس کے دل کی کلی جیسے کھل اٹھی تھی۔
''بھائی میں تو بہت کہہ رہی ہوں مگر یہ حریم کی مروت کا آپ کو پتہ ہے نا۔'' عابدہ نے بھائی کو جواب دیا تھا۔
''ہاں پتہ ہے مجھے۔'' موحد کے لبوں کا تبسم اور آنکھوں کی چمک وانیہ سے مخفی نہ رہ سکی تھی، اس نے بہت غور سے سب دیکھا تھا اور نوٹ کیا تھا۔
''میں ابھی آیا۔'' وہ باہر گیا تھا اور تھوڑی دیر بعد بوتلیں اور ساتھ کچھ دوسری کھانے پینے کی چیزیں لے آیا تھا۔
''مہمان تو کہتے ہی رہتے ہیں، عابدہ تم یہ سب لے کر آؤ۔'' موحد نے سب کچھ عابدہ کو پکڑاتے ہوئے کہا تھا۔
''اماں کیوں میں نظر نہیں آ رہی۔''
''اماں نماز پڑھنے گئی ہیں چھت پر۔'' عابدہ بتا کر موحد سے سامان لے کر باہر نکل گئی تھی۔
حریم اور چاندنی تھوڑی دیر اور بیٹھی تھیں اور پھر وانیہ سے مل کر آ گئی تھیں۔
''بہت سٹریل مزاج ہے موحد کی بیگم۔'' چاندنی نے ان کے گھر سے نکلتے ہی پہلا تبصرہ کیا تھا۔
''اتنے بڑے باپ کی بیٹی ہے، یہ نخرہ کرنا اس کا حق بنتا ہے، ویسے ہے بہت خوبصورت۔''

حریم نے کہا تھا۔
''ہاں مگر تم سے زیادہ تو نہیں۔'' چاندنی جلدی سے بولی تھی۔
''میرا اور اس کا کیا مقابلہ۔''
''تو پھر تم آج کیا کرنے گئی تھی، مقابلہ کرنے ہی تو گئی تھی۔'' چاندنی نے اس کے دل کی بات چھینی تھی۔
''نہیں مقابلہ کرنے نہیں بس دیکھنے گئی تھی کہ موحد نے کس کو چنا ہے زندگی میں، دفع کرو اب۔''
''ہاں دفع ہی تو کر دیا ہے۔'' حریم نے کہا تھا، چاندنی اس کا دھوپ چھاؤں جیسا مزاج دیکھ کر رہ گئی تھی۔

☆☆☆

وہ لوگ عمرے سے واپس آئے تو دوست احباب نے دعوتیں کرنا شروع کر دی تھیں، ابھی وہاں کی تھکاوٹ نہیں اتری تھی کہ دعوتوں نے مزید تھکا دیا تھا۔
''منصور آپ پلیز سب کو منع کر دیں اب، مجھ میں تو کہیں آنے جانے کی ہمت نہیں ہے۔'' مریم اور منصور رات گئے ایک دعوت سے واپس آئے تو حریم نے چینج کرتے ہوئے کہا تھا، بچوں کو اب وہ کم ہی ساتھ لے کر جاتے تھے کیونکہ ان کی پڑھائی کا حرج ہو رہا تھا۔
''ہوں، میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔'' منصور نے مریم کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے کہا تھا۔
''کتنے انمول اور اچھے تھے وہ دن جو ہم نے حرم پاک میں گزارے۔'' منصور نے لیٹے ہوئے مریم کی طرف کروٹ لی تھی اور کہا تھا۔
''ہاں میں بھی ابھی تک خود کو وہیں چلتا پھرتا محسوس کرتی ہوں۔''
''بس اللہ پاک سے دعا ہے کہ وہ ہر مسلمان کو اپنے گھر میں جانے کی سعادت نصیب کرے آمین۔'' مریم صدق دل سے بولی تھی۔
مریم سو گئی تھی مگر منصور کی سوچوں کی اڑان پچھلے چند مہینوں تک چلی گئی تھی، جب مریم نے اپنا بچہ کھویا تھا اور سنی اور گڑیا کے ساتھ اس کا رویہ ایک دم سے بدل گیا تھا، سنی اور گڑیا تو ایک طرف خود منصور سے وہ دور دور اور کھنچی کھنچی رہنے لگی تھی، تب منصور کو لگتا تھا کہ اس کا گھر ایک بار پھر سے بکھر جائے گا ٹوٹ جائے گا، بچوں کے سہمے ہوئے چہرے اور گھر کا بکھرا ہوا شیرازہ منصور کے دل کو اجاڑ کر رکھ دیتا تھا، مگر صد شکر کہ مریم نارمل ہو گئی تھی اور اب تو وہ پہلے جیسی مریم بن گئی تھی، منصور اس پر جتنا بھی خدا کا شکر ادا کرتا کم تھا۔
مریم نے کروٹ بدلی تھی اور اپنا ہاتھ منصور کے سینے پر رکھ دیا تھا، منصور نے اس کا موی ہاتھ پکڑ کر لبوں سے لگا لیا تھا، دل ایک بار اجڑ کر دوبارہ بسا تھا اب اس کمزور دل میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ بار بار شکست و ریخت کا عمل سہہ پاتا۔
رات گہری ہوتی گئی تھی اور منصور کے دل سے شکر گزاری کے کلمات بھی نکلتے اور اس کے پر سکون گھر کے در و بام سے لپٹ لپٹ جاتے تھے۔

(باقی آئندہ)

می رقصم

بشریٰ سیال

عروبہ غضنفر بالکل ساکت کھڑی تھی، اس کو اپنا سانس بند ہوتا محسوس ہو رہا تھا، اسے یقین تھا فارقلیط حسن اس کی باتیں سن چکا ہے، وہ دھیرے دھیرے چلتا ہوا اس کے قریب آیا تھا۔

"فارقلیط! وہ...... میں ...... یہاں......"

"یہاں ٹھنڈ ہے، بیمار ہو جاؤ گی، اندر چلو۔" وہ ہکلاتے ہوئے بول رہی تھی، رنگ زرد پڑ رہا تھا، ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے ابھی گر پڑے گی، جب فارقلیط حسن اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا تھا، اس نے ایک گہری نظر عروبہ پر ڈالی اور واپس مڑ گیا۔

"کیا انہوں نے میری باتیں سن لیں؟" مارے خوف کے اسے پسینے آنے لگے تھے، دل خشک پتے کی مانند کانپ رہا تھا، اس نے پہلی بار فارقلیط حسن سے کچھ چھپایا تھا اور پہلی دفعہ میں ہی پکڑی گئی تھی، وہ اندر کی جانب بڑھی تھی، اس

ناولٹ

کے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے، فارقلیط حسن بیڈ کی پائنتی سر جھکائے بیٹھا تھا۔

''فارقلیط!'' وہ اس کے پاس بیٹھی تھی اور ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھا تھا، مگر وہ اسی طرح بیٹھا رہا تھا، اس کے وجود میں ذرا بھی جنبش نہ ہوئی تھی۔

''میری طرف دیکھیں، مجھ سے بات کریں۔'' وہ روہانسی ہوئی تھی، فارقلیط حسن نے جھکی نگاہیں اٹھا کر اسے شکوہ کناں نظروں سے دیکھا تھا۔

''میں نے محبت صرف تم سے کی ہے، سچ بھی صرف تم سے بولتا ہوں، اچھا بھی صرف تمہارے لئے ہوں، مجھے برا بننے میں ایک لمحہ نہیں لگے گا، یہ بات یاد رکھنا عروبہ فارقلیط حسن!'' سرد نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے وہ سپاٹ انداز میں بولا تو عروبہ کے حوصلے ٹوٹنے

لگے۔

"پہلے مجھے فیل ہوتا تھا تم Shy نیچر ہو، اس لئے مجھ سے اظہار محبت نہیں کرتی، مگر مجھے یقین تھا تم مجھ سے محبت کرتی ہو، مگر آج پتا چلا کہ میری غلط فہمی تھی، تم مجھ سے محبت نہیں کرتی اور تم جھوٹ بھی صرف مجھ سے بولتی ہو۔" اسے فارقلیط حسن سے ایسے رویے کی امید تو ہرگز نہ تھی، وہ اس طرح تو بات نہ کیا کرتا تھا، وہ تو سراپا محبت تھا، سراپا خلوص و نرمی تھا، پھر صرف اتنی سی بات پر اتنا غصہ ایسی ناراضی۔

عروبہ کچھ نہ بولی تھی، اپنی صفائی میں ایک لفظ نہ کہا تھا، اس کی آنکھوں سے آنسو موتیوں کی طرح ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے تھے، فارقلیط حسن اٹھ کر باہر نکل گیا تھا، عروبہ غضنفر کا دل دکھ سے بھرنے لگا تھا، وہ بہت دیر وہاں بیٹھی آنسو بہاتی رہی تھی، مگر نہ تو فارقلیط حسن واپس کمرے میں آیا، نہ ہی اسے چپ کروایا۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور موبائل فون میں سے سم نکال کر پھینک دی اور ایک مرتبہ پھر رونے لگی۔

☆☆☆

فروا چائے کے کپ دھو کر انہیں رکھ کر اٹھی اور کچن سے باہر نکل گئی، وہ ڈرائنگ روم کے دروازے کے پاس سے گزری تو اندر سے آنے والی آوازیں سن کر رک گئی۔

"کہاں چلے گئے تھے آپ ظفر بھائی؟ کدھر رہے اتنے برس؟" غضنفر علی کی آواز میں دکھ، ملال، رنج، تاسف اور نا جانے کیا کچھ تھا۔

"جو کچھ گل افزاء کے ساتھ تمہاری فیملی نے کیا، اس کے بعد کیا میرا یہاں رہنا بنتا تھا؟" فروا نے چونکتے ہوئے ڈرائنگ روم کے آدھ کھلے دروازے کو ناسمجھی کے عالم میں دیکھا۔

"بیچاری گل افزاء!" ظفر علی نے ٹھنڈی سانس بھری۔

"کتنی معصوم، چھوٹی اور پیاری بچی تھی، میرے لئے تو میرے بچوں جیسی تھی، بہت چھوٹی تھی وہ مجھ سے۔" وہ اور بھی نا جانے کیا کچھ کہہ رہے تھے، فروا دم سادھے وہاں کھڑی تھی۔

"غضنفر! تمہیں صوفیہ سے شادی نہیں کرنی چاہیے تھی، اس گھٹیا عورت کی وجہ سے تم دونوں جدا ہوئے، تمہاری ہنستی بستی زندگی خراب ہوئی۔" ظفر علی کی بیوی راشدہ نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

"مجھے برباد کرنے والی صوفیہ نہیں، میری ماں اور بہن تھیں، میری زندگی میں آگ تو انہوں نے لگائی، صوفیہ سے شادی صرف عروبہ کی خاطر کی تھی اور اس وقت مجھے یہ ہرگز پتا نہ تھا کہ گل افزاء کو اس گھر سے اس نے نکلوایا ہے، جب تک مجھے یہ بات پتا چلی وقت بہت گزر چکا تھا، وہ میری دو بیٹیوں کی ماں بن چکی تھی۔" وہ سر جھکائے خاموش بیٹھے تھے، فروا وہاں سے ہٹ چکی تھی، بوجھل قدموں سے چلتی ہوئی وہ اپنے روم میں آ گئی تھی، دل اچانک اس گھر، اس کی ہر چیز اور اس کے مکینوں سے اچاٹ ہونے لگا تھا، جی چاہ رہا تھا بھاگ کر یہاں سے چلی جائے۔

"امی آپ تو کہتی تھیں جو جتنا نرم مزاج اور معاف کر دینے والا ہوتا ہے، وہ اتنا ہی کامیاب ہوتا ہے، اسے خوشیاں اور کامیابیاں ملتی ہیں، پھر آپ اتنی ناکام کیوں تھیں امی؟ اتنی تنہا اور دکھی کس لئے تھیں؟" وہ بیڈ کے سامنے فلور کشن پر بیٹھ گئی تھی، دل درد اور دکھ کے مارے پھٹ رہا تھا۔

"آپ تو کہتی تھیں صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے، پھر آپ کے صبر کا پھل اتنا کڑوا کیوں تھا۔" اس کے آنسو بہنے لگے تھے، صوفیہ جیسی سفاک اور

مکار عورت جس نے اتنی زندگیاں اجاڑیں، اتنے دل توڑے، وہ کیوں اتنی کامیاب ہے، اتنی خوش ہے، یہ اتنا بڑا بنگلہ، گاڑیاں، سپر لگژری لائف اس کا مقدر کیوں؟ آپ کا کیوں نہیں؟'' اس کے آنسوؤں میں روانی آتی جا رہی تھی، جی چاہ رہا تھا کہ ہر چیز کو تہس نہس کر کے رکھ دے، مگر وہ ضبط کیے بیٹھی تھی، مگر اسے آنسوؤں پر کوئی اختیار نہ تھا، اس نے انہیں بہہ جانے دیا۔

☆☆☆

صوفیہ نے تمام رات بے چینی میں کروٹیں بدلتے ہوئے گزار دی تھی، انہیں ہارون کمال جیسے شاندار ڈاکٹر کا ہاتھ سے نکلنا بہت پریشان کر گیا تھا، وہ تو سمجھ رہی تھیں کہ نویلہ کی قسمت کھل گئی ہے۔

''میں آپ کو ایسا ہرگز نہ سمجھتا تھا، مگر آپ نے مجھے دھوکہ دیا، آپ نے سوچا بھی کیسے کہ میں آپ کی طلاق یافتہ بیٹی کا ہاتھ تھاموں گا، میں ڈاکٹر ہارون کمال، جس کے لئے ایک سے بڑھ کر ایک شاندار لڑکی کی لائین لگی ہوئی ہے، وہ آپ کی طلاق یافتہ بیٹی......''

''بس کر دو ہارون کمال!'' صوفیہ نے ہاتھ اٹھا کر انہیں مزید بولنے سے روکا۔

''کیوں، سچ اتنا برا لگا۔'' وہ طنز سے گویا ہوئے۔

''مجھے کتنی تکلیف ہوئی ہے، آپ سوچ بھی نہیں سکتیں۔'' وہ غصے سے کہتے ہوئے باہر کی جانب بڑھے۔

''اور ہاں میرا ایک مشورہ ہے۔'' وہ جاتے جاتے مڑے۔

''دوبارہ کسی کو یہ دھوکہ مت دیجئے گا، ورنہ بہت نقصان اٹھائیں گی، آپ کی بیٹی سمجھدار ہے، اس نے مجھے حقیقت سے آگاہ کر دیا، ورنہ......''

چند ثانیے لب بھینچے وہ انہیں دیکھتے رہے اور پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتے وہاں سے چلے گئے، صوفیہ کے سر میں شدید درد ہو رہا تھا، وہ باہر آ گئیں، غضنفر علی کہیں نہ تھے، وہ ہر جگہ انہیں دیکھ چکی تھیں۔

''غضنفر کہاں ہیں؟'' وہ ملازمہ سے استفسار کرنے لگیں۔

''پتا نہیں بیگم صاحبہ۔'' اس نے لاعلمی کا اظہار کیا۔

''پہلے تو جی فروا بی بی کے ساتھ مل کر چائے پی رہے تھے، پھر شاید ان کے کچھ مہمان آئے ہوئے تھے، ڈرائنگ روم میں ان کے پاس بیٹھے رہے، پھر کہاں گئے، یہ نہیں پتا۔'' اس نے تفصیل سے آگاہ کیا۔

''مہمان؟'' صوفیہ زیر لب بڑبڑائیں۔

''کون مہمان؟'' وہ استفہامیہ لہجے میں بولیں۔

''یہ تو نہیں معلوم بیگم صاحبہ!'' انہیں بے چینی لاحق ہو گئی تھی، پورا دن گزر گیا تھا، مگر غضنفر علی واپس نہیں آئے تھے، ان کا سیل بھی آف جا رہا تھا، نویلہ بھی بہت پریشان تھی، البتہ فروا اپنے کمرے میں بند تھی، فروا کو اس بات کی نہ فکر تھی اور نہ ہی پرواہ کہ غضنفر علی کہاں ہیں، اس کی بلا سے وہ جہاں مرضی جائیں، اس نے اپنی ماں کو کھو دیا تھا، اسے اب اس بات سے کوئی فرق نہ پڑتا تھا کہ کون آ رہا ہے اور کون جا رہا ہے۔

☆☆☆

عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ بہت سارا رو لینے سے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے، دکھ کا درد کم محسوس ہونے لگتا ہے، بے بسی کا احساس کچھ کم ہو جاتا ہے، مگر عروبہ کے ساتھ ایسا نہیں ہوا تھا، بہت سارا رو لینے کے بعد اس کے غم کی شدت کم نہ ہوئی تھی، بلکہ اس کی تکلیف میں اضافہ ہوا تھا، وہ

فارقلیط حسن کے رویے سے بری طرح ہرٹ ہوئی تھی، دل پر بہت گہری چوٹ لگی تھی اس کی باتوں سے، اب وہ منتظر تھی کہ وہ اس کے پاس آئے اور اسے ساتھ لگا کر چپ کروائے۔

دوسری طرف فارقلیط حسن کی حالت بھی کچھ مختلف نہ تھی، عیسیٰ احمد کی آنے والی کال اور اس کے بعد عروبہ غفنفر کا عجیب پراسرار سا رویہ اس کے دل میں بدگمانیوں کو جنم دے رہا تھا اور آج عروبہ کی فون پر ہونے والے گفتگو نے تابوت میں آخری کیل کا کام کیا تھا، اسے یقین ہو گیا تھا کہ اس کا شک درست ہے، وہ لاؤنج میں صوفے پر سر جھکائے بیٹھا تھا، جب عروبہ غفنفر شکستہ قدموں سے چلتی ہوئی اس کے پاس آئی تھی۔

''فار...... قلیط!'' اس نے اسے شدتوں سے پکارا، آواز کا بھاری پن بتا رہا تھا کہ وہ مسلسل روتی رہی ہے۔

''میری طرف دیکھیں، مجھ سے بات کریں پلیز۔'' اس نے فارقلیط حسن کا بازو پکڑ کر ہلایا تھا۔

''مجھے اس طرح اگنور مت کریں، میں آپ کی خفگی اور بے رخی برداشت نہیں کر سکتی۔'' آنسو ایک مرتبہ پھر بہنے لگے تھے، فارقلیط حسن نے اس کی جانب دیکھا تھا، اس کے آنسو اس کی خفگی اور غصے کو پگھلانے لگے تھے، وہ منہ سے کچھ نہ بولا تھا، اس کا بولنے کو جی نہ چاہ رہا تھا، مگر وہ عروبہ کے رویے سے ڈسٹرب ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بہت کچھ کہہ رہی تھیں مگر لب خاموش تھے۔

عروبہ غفنفر کے کان شدتوں سے منتظر تھے، کہ فارقلیط حسن اس سے کچھ کہے، کوئی پھول جیسی بات، کسی خوشبو جیسے لہجے میں، مگر وہ ہنوز خاموش تھا، لب سیے بیٹھا تھا، عروبہ کی سماعتیں ترس رہی تھیں۔

''کچھ بولیں فارقلیط!'' اس نے فارقلیط حسن کا شانہ ہلایا، پھر اس کے چہرے کو ہاتھوں میں لیا۔

''مجھے آپ کی محبت کی قسم، میں فرواسے بات نہیں کر رہی تھی۔'' اس نے اپنے آنسوؤں کو بہہ جانے دیا، انہیں صاف کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی، اس کے آنسو تو فارقلیط حسن پونچھتا تھا۔

''میں جانتا ہوں تم اس سے بات نہیں کر رہی تھی۔'' فارقلیط حسن نے بغور اس کے بہتے آنسوؤں سرخ ناک اور سوجی آنکھوں کو دیکھا تھا، اس کا انداز گہری سنجیدگی لئے ہوئے تھا، ہمیشہ والی شوخی و شگفتگی مفقود تھی، وہ بھلا کب عروبہ سے ایسے بات کرتا تھا، وہ کب عادی تھی اس کے ایسے لہجوں کی وہ تو اس کی نرمی کی عادی تھی۔

''میں نویلہ سے بات کر رہی تھی، وہ...... مجھ سے...... ملنا چاہتی ہے۔'' فارقلیط حسن نے چونکتے ہوئے اس کی جانب دیکھا تھا، وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا، اسے وہاں سچائی کی پرچھائیں بہت واضح نظر آ رہی تھیں، دل اس کی معصومیت کی گواہی دے رہا تھا۔

''آپ کو اچھا نہیں لگتا تو...... میں میں...... اس سے کبھی بات نہیں کروں گی، میں نے اپنے موبائل میں سے سم نکال کر توڑ دی ہے، آئی پرامس میں آپ کی اجازت کے بغیر کسی سے بات نہیں کروں گی، کبھی کسی سے نہیں ملوں گی، میرے لئے...... سب سے...... زیادہ امپورٹنٹ آپ ہیں، میں آپ کی ناراضگی برداشت نہیں کر سکتی۔'' اس سے زیادہ فارقلیط حسن اس کے آنسو برداشت نہ کر سکتا تھا، وہ مزید اسے روتے نہ دیکھ

سکتا تھا، اس نے ایک نرم مسکراہٹ عروبہ کی سمت اچھالی۔

''میں تم سے ناراض نہیں ہوں۔'' اس کے منہ سے الفاظ ادا ہوئے تھے اور عروبہ کے تڑپتے دل کو قرار آنے لگا تھا، جیسے اس کے مردہ جسم میں جان پڑنے لگی تھی۔

''بس، کبھی تم مجھ سے کچھ چھپانا مت، اب کی بار معاف کر رہا ہوں، آئندہ برداشت نہیں کروں گا۔'' اس نے ہاتھ بڑھا کر عروبہ غضنفر کے آنسو پونچھے تھے۔

''میں نے آپ سے کبھی جھوٹ نہیں بولا، نہ آئندہ کبھی بولوں گی، آپ مجھ سے وعدہ کریں، مجھ سے دوبارہ کبھی خفا نہیں ہوں گے۔'' وہ بہت ڈر گئی تھی، یقین دہانی چاہتی تھی۔

''میں فارقلیط حسن وعدہ کرتا ہوں کہ مسز عروبہ فارقلیط حسن سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا اور عروبہ کو بھی مجھ سے وعدہ کرنا ہوگا کہ وہ کبھی مجھ سے جھوٹ نہیں بولے گی، کچھ نہیں چھپائے گی۔'' فارقلیط حسن نے ہاتھ عروبہ کے سامنے پھیلایا تھا جسے تھامنے میں اس نے ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا تھا، اس کی نرم ہمدرد اور دوستانہ مسکراہٹ پا کر عروبہ غضنفر کی جان میں جان آئی تھی، اس کا محبت بھرا لمس اس کے مشام جاں میں سکون اتار رہا تھا۔

☆☆☆

دن بھر کا تھکا ہارا سورج اب سونے کو بیتاب تھا، شام نے اپنا سرمئی آنچل دھرتی پر پھیلا دیا تھا، پرندے اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے، فروا کمرے سے باہر نکل آئی تھی، اسے سارے گھر پر غیر معمولی خاموشی کا راج محسوس ہوا تھا، وہ آہستگی سے سیڑھیاں اتر کر کچن میں آ گئی، رونے کی وجہ سے سر اور آنکھوں میں شدید درد ہو رہا تھا۔

''لائیں بی بی میں چائے بنا دوں۔'' اپنے عقب میں اس نے ملازمہ کی آواز سنی۔

''نہیں شکریہ، میں بنا لوں گی۔'' اس نے انکار کیا، ملازمہ باہر نکل گئی، وہ چائے بنا کر کچن سے نکلی تو صوفیہ سے سامنا ہو گیا، وہ لاؤنج میں بیٹھی ہوئی تھیں، پریشانی ان کے چہرے سے مترشح تھی، فروا کو سامنے دیکھ کر ان کا غصہ بڑھ گیا تھا، وہ خاموشی سے ان کے پاس سے گزر رہی تھی جب وہ اسے پکار بیٹھیں۔

''سنو لڑکی!'' وہ حقارت آمیز لہجے میں بولی تھی، فروا رک گئی۔

''کیا صبح غضنفر نے تم سے کوئی بات کی تھی، کہیں جانے کا بتایا تھا؟ ان کا نمبر بند ہے، صبح سے گھر سے غائب ہیں۔'' وہ بہت پریشان دکھائی دے رہی تھیں۔

''مجھے نہیں معلوم۔'' وہ اس عورت سے شدید نفرت کرتی تھی بات کرنا تو در کنار وہ اس کی شکل بھی دیکھنے کی روادار نہ تھی۔

''تم نے تو کچھ نہیں کہا انہیں؟'' وہ حیرت زدہ سی مڑی تھی۔

''میں نے؟'' اس نے انگلی سے اپنی جانب اشارہ کیا۔

''میں کیا کہوں گی نہیں بھلا؟'' اس نے آواز کو حتی المقدور نارمل رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''دیکھو میری بات کا برا نہ منانا، شوہر جیسا بھی ہو اچھی اور سمجھدار لڑکیاں اس کے ساتھ نبھاہ کرنے کی کوشش کرتی ہیں، یوں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر آ جانا کوئی عقلمندی تو نہیں ہے۔'' ان کی نصیحت بھری سرزنش اسے بالکل بھی نہ بھائی تھی، وہ واپس مڑی اور سیج سیج قدم اٹھاتی ان کے

سامنے جا کھڑی ہوئی۔
''یہ میرا ذاتی معاملہ ہے، میں اس میں کسی کی مداخلت پسند نہیں کرتی۔'' اس نے صاف الفاظ میں کہا، اس کا اعتماد انہیں حیران کر گیا۔
''بالکل اسی طرح ہی خودسر تھی تمہاری ماں، وہ بھی اپنی ضد میں گھر چھوڑ کر تمہیں لے کر بھاگ گئی اور پھر دیکھ لیا۔''
''انف!'' فروا کے صبر وضبط کا پیمان لبریز ہو گیا، وہ غصے سے ہاتھ اٹھا کر بولی۔
''میری ماں گھر چھوڑ کر نہیں گئی تھیں، آپ نے سازشوں سے انہیں نکلوایا تھا۔'' فروا کی رگیں تن گئی تھیں، تنفس بے قابو ہونے لگا تھا۔
''میرے منہ لگنے کا نتیجہ جانتی ہو نہ۔'' وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی تھیں، لمحہ بھر کو فروا کو ان سے خوف آیا تھا۔
''گل افزاء اور عروبہ کا حال تمہارے سامنے ہے۔'' فروا کو سامنے کھڑی اس عورت سے شدید نفرت محسوس ہوئی تھی۔
''میں آپ کی اصلیت اچھی طرح جانتی ہوں، مجھے بتانے کی ضرورت نہیں۔'' فروا نے طنز سے کہا، تو صوفیہ اس کی خود اعتمادی اور جرأت پر حیران رہ گئیں، وہ وہاں سے جانے لگی تھی پھر اچانک مڑی۔
''گل افزاء اور عروبہ کے ساتھ ساتھ نویلہ کا حال بھی میرے سامنے ہے۔'' وہ ان کی آنکھوں میں دیکھ کر بے خوف سے بولی۔
''شیٹ اپ۔'' صوفیہ نے ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے منہ پر رسید کیا تھا، وہ اس اچانک حملے کے لئے قطعاً تیار نہ تھی اور نتیجے کے طور پر اندر داخل ہوتے غضنفر علی کے قدموں میں جا گری، جائے اس کے ہاتھ اور پاؤں کو جلاتی زمین پر جا گری۔

''صوفیہ!'' غضنفر علی کی دھاڑ نے گھر کے در و دیوار کو ہلا دیا تھا، نویلہ بھاگ کر اپنے روم سے باہر آئی تھی، صوفیہ جو غضنفر علی کی اس اچانک آمد سے قطعی لاعلم تھیں، خوف کے مارے کانپ اٹھیں۔
انہوں نے نیچے جھک کر فروا کو اوپر اٹھایا، وہ دائیں گال پر ہاتھ رکھے، بے یقینی سے غضنفر علی کو دیکھ رہی تھی، جھیل سے نین کٹوروں میں پانی ایسے ٹھہر گیا تھا جیسے سیپ میں بند موتی، وہ خوفزدہ ہرنی کی مانند باپ کو دیکھ رہی تھی، انہوں نے اس کا سر پکڑ کر اپنے سینے سے لگایا اور اسے بازوؤں کے حصار میں لے لیا، اس کے آنسو غضنفر علی کے دل پر گر رہے تھے۔
''غضنفر......!'' صوفیہ نے خشک لبوں پر زبان پھیری۔
''میں اسے سمجھا رہی......''
''تم کون ہوتی ہو اسے سمجھانے والی تمہاری...... تمہاری ہمت کیسے ہوئی میری بیٹی پر ہاتھ اٹھانے کی۔'' شدت ضبط سے ان کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔
''دفعہ ہو جاؤ یہاں سے، نکل جاؤ میرے گھر سے۔'' انہوں نے ہاتھ سے باہر کی جانب اشارہ کیا۔
''غضنفر ایک دفعہ میری بات......''
''صوفیہ چپ ہو جاؤ، خاموش ہو جاؤ۔'' نویلہ نے اپنے باپ کو اس حالت میں کبھی نہ دیکھا تھا۔
اس کو ان کی اندرونی شکست و ریخت ان کے چہرے سے صاف دکھائی دے رہی تھی۔
''میری خوشیوں کو آگ لگائی، میری محبت، میری گل افزاء کو مجھ سے دور کیا، میری فروا میرے ہوتے ہوئے بھی یتیموں کی طرح پلی میں

ساری زندگی عروبہ سے نگاہیں نہیں ملا سکا، میں پچھلے انیس سالوں سے اپنی خوشیوں کے قاتل کو ڈھونڈ رہا تھا، مجھے تو پتا ہی نہ تھا کہ وہ آستین کا سانپ میرے ہی گھر میں میرے ساتھ موجود ہے۔'' غضنفر علی کی آواز بھرا گئی تھی، ان کے لب کپکپا رہے تھے، انہیں دیکھ کر نویلہ کی آنکھوں کی سطح پر نمی تیرنے لگی تھی۔

''غضنفر!'' صوفیہ نے بولنا چاہا۔

''گل افزاء نے کیسی تنہائی، بے بسی اور مجبوری کی زندگی گزاری، فروا باپ کے سائے سے محروم رہی۔'' غضنفر علی کی آنکھیں چھلک پڑی تھیں۔

''پاپا!'' نویلہ کی آنکھیں بھی برسنے لگی تھیں۔

''عروبہ ہر وقت ڈری سہمی رہتی تھی، تم نے اسے کبھی میرے قریب نہیں آنے دیا۔'' فروا ان کے حصار سے نکل گئی تھی۔

''تمہیں کبھی اپنے گناہوں پر پچھتاوا نہیں ہوا؟ کبھی مجھ پر ترس نہیں آیا؟'' فروا سیڑھیوں کی جانب بڑھی تھی۔

''غضنفر میں......''

''نفرت کرتا ہوں میں تم سے۔'' غضنفر علی صوفیہ کی بات کاٹ کر بولے تھے۔

''اور خود سے بھی۔'' وہ صوفے پر ڈھے گئے تھے اور آنکھیں موند لیں، ان کی بند آنکھوں سے آنسو لڑی کی صورت نکل رہے تھے۔

''اگر مجھے ابھی نویلہ کی شادی نہ کرنی ہوتی تو میں تمہیں بھی طلاق دے دیتا۔'' نویلہ بھاگ کر باپ کے قریب آئی تھی، صوفیہ وہاں سے چلی گئی تھیں۔

''پاپا!'' نویلہ صوفے کے بازو پر بیٹھ گئی اور اپنا بازو ان کے شانوں کے گرد پھیلا کر سر ان کے کندھے پر رکھ لیا۔

''مت روئیں پلیز۔'' نویلہ ان کے گلے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی، غضنفر علی کے آنسو بھی تھمنے کا نام نہ لے رہے تھے۔

☆☆☆

''عروبہ سو جاؤ تم۔'' فارقلیط حسن نے اسے نرمی سے کہا تھا۔

''آپ بھی تو جاگ رہے ہیں۔'' وہ ایک لمحے کے لئے بھی اس کو اکیلا نہ چھوڑنا چاہتی تھی۔

''میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔'' وہ انگشت شہادت اور انگوٹھے سے کنپٹیوں کو مسل رہا تھا۔

''چائے پئیں گے؟'' عروبہ نے جھٹ سے پیشکش کر ڈالی، فارقلیط حسن نے اثبات میں سر ہلا دیا، وہ کچن میں چلی گئی تھی، مگر فارقلیط حسن اس کے پاس نہیں آیا تھا، وہ چائے بنا کر لائی تو فارقلیط حسن لاؤنج میں نہیں تھا، وہ بیڈ روم میں آئی، وہ بیڈ پر نیم دراز آنکھیں موندے پڑا تھا۔

''فارقلیط!'' عروبہ نے اسے پکارا۔

''یہ چائے۔'' فارقلیط حسن نے جھٹ سے آنکھیں کھول دیں اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا، اس نے چائے کا کپ عروبہ سے لے لیا۔

''بہت مزیدار ہے چائے۔'' فارقلیط حسن نے ایک سیپ لیتے ہوئے کہا، عروبہ کچھ نہ بولی، بس خاموشی سے اسے دیکھے گئی، اسے ایک نامحسوس دیوار اپنے اور فارقلیط حسن کے درمیان حائل ہوتی محسوس ہوئی تھی۔

عروبہ کا جی چاہا وہ فارقلیط حسن کو بتائے کہ وہ اسے بہت چاہتی ہے، اس سے بے پناہ محبت کرتی ہے، مگر وہ ایسا نہ کہہ سکی، اسے بولنے سے خوف آ رہا تھا، کچھ کہنے سے ڈر لگ رہا تھا۔

وہ پوری رات بہت بے چین رہی تھی،

سوتے میں بھی اس نے فارقلیط حسن کا ہاتھ تھامے رکھا تھا۔

''اللہ! فارقلیط حسن کے دل میں میری جو محبت آپ نے ڈالی ہے، اسے کبھی ختم نہ ہونے دینا۔'' فجر کی نماز پڑھ کر وہ روتے ہوئے دعا مانگ رہی تھی۔

''کیا مانگ رہی تھی؟'' وہ جائے نماز رکھ کر پلٹی تو فارقلیط حسن سامنے ہی کھڑا تھا، وہ تو اتنی جلدی نہیں جاگتا تھا۔

''جو میرا ہے، وہ ہمیشہ میرا رہے۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

دوپٹے کے ہالے میں اس کا چہرہ چاند کی مانند دمک رہا تھا۔

''کون ہے تمہارا؟'' وہ بظاہر سرسری پوچھ رہا تھا۔

''آپ نہیں جانتے۔'' وہ مسکرائی۔

''شام کو تیار رہنا، شاپنگ پر جائیں گے، ڈنر بھی باہر کریں گے۔'' وہ اسے کہہ کر واش روم کی جانب بڑھ گیا، عروبہ اس کے لئے آج خود ناشتہ بنانا چاہتی تھی، اس نے یونیورسٹی سے چھٹی کرلی تھی۔

☆☆☆

عیسیٰ احمد واپس جانے لگا تھا اور جانے سے پہلے ایک مرتبہ وہ عروبہ سے بات کرنا چاہتا تھا، مگر عروبہ نے اس کی کال ریسیو کرنے کے باوجود اس سے بات نہ کی تھی۔

''مجھے عروبہ سے ملنا ہوگا۔'' وہ اس کے گھر کی جانب چل دیا تھا، نتائج سے بے پرواہ ہوکر، جانتا تھا یہ اتنا آسان نہیں، مگر اس کے لئے یہ ضروری ہو گیا تھا، ڈرائنگ روم میں بیٹھا، وہ شدتوں سے اس کا منتظر تھا۔

''السلام علیکم!'' عروبہ اندر داخل ہوئی تھی، عیسیٰ احمد نے کھڑے ہو کر اسے سلام کیا تھا، جبکہ اسے سامنے دیکھ کر عروبہ غضنفر کا حال ایسا تھا جیسے کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔

''آپ...... یہاں۔'' عروبہ غضنفر پر گویا حیرتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا، اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ آنے والا مہمان عیسیٰ احمد بھی ہو سکتا ہے۔

''عروبہ! مجھے صرف پانچ منٹ کے لئے آپ سے بات کرنی ہے۔'' عیسیٰ احمد لجاجت سے بولا تھا۔

''میں دو منٹ کے لئے بھی آپ کی بات نہیں سن سکتی، پلیز آپ یہاں سے چلے جائیں۔'' وہ تو پہلے ہی فارقلیط حسن کے کل کے رویے اور باتوں سے بہت ڈسٹرب تھی، وہ اندر سے ڈر گئی تھی، اب مزید ایسا کچھ نہ کرنا چاہتی تھی جس سے فارقلیط حسن اس سے ناراض ہوتا، کیونکہ اس کی ناراضی عروبہ کے لئے قابل برداشت نہ تھی۔

''عروبہ میرے پیرنٹس کی ڈیتھ ہو گئی ہے۔'' وہ شدت غم سے نڈھال تھا۔

''مجھے بے حد افسوس ہوا یہ سن کر۔'' عروبہ نے متاسف لہجے میں کہا، مگر وہ چاہتی تھی عیسیٰ احمد فوراً وہاں سے چلا جائے۔

''عروبہ میں بہت برا ہوں۔'' عیسیٰ احمد دکھ کی شدت سے بے حال تھا۔

''اسی لئے میں تنہا رہ گیا ہوں۔'' اس نے عروبہ کے اداس چہرے کو دیکھا تھا، اس کے رتجگے کے باعث سرخ پڑتی آنکھیں عیسیٰ احمد کو نا جانے کیا کیا کہانیاں سنا رہی تھیں وہ اسے دیکھے گیا۔

''میں نے آپ کے ساتھ اچھا نہیں کیا عروبہ!'' وہ شرمندہ تھا۔

''اب ان باتوں کا کوئی فائدہ نہیں عیسیٰ!''

عروبہ نے اس کو مزید بولنے سے روکا۔
''مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا عروبہ۔'' وہ بار بار ایک ہی بات دوہراتا تھا۔
''جو ہو گیا ہم اسے بدل نہیں سکتے، یہ ایسا ہی لکھا تھا، یوں ہی ہونا تھا اور پھر اس حادثے کے بعد ہی فارقلیط حسن میری زندگی میں آئے، شاید اسی طرح ہمارا ملن لکھا تھا۔'' عیسیٰ احمد اسے دیکھے گیا، کتنی عزیز تھی اسے وہ لڑکی، کیسے لمحوں میں وہ اس سے دور ہو گئی تھی۔
''شاید آپ نے مجھے دل سے معاف نہیں کیا، اسی لئے میں آج بھی بے سکون ہوں عروبہ، میں اس ایک پل کی کوتاہی کی سزا کاٹ رہا ہوں، جب میں آپ کو بے یارومددگار چھوڑ کر گیا تھا۔'' وہ سر جھکائے بیٹھا نادم دکھائی دیتا تھا۔
''میں نے آپ کو دل سے معاف کر دیا تھا، آپ اس وہم کو اپنے دل سے نکال دیں کہ شاید آپ کو میری آہ لگ گئی ہے۔'' گو کہ عروبہ نے اس سے کوئی دھواں دھار قسم کا عشق نہیں کیا تھا، مگر وہ اسے پسند ضرور کرنے لگی تھی، مگر وہ صرف ایک وقتی پسندیدگی اور بے نام سا جذبہ تھا، اب تو اس کا سب کچھ فارقلیط حسن ہی تھا، اس کے سامنے نہ تو عیسیٰ احمد کی کوئی حیثیت تھی اور نہ کسی اور کی۔

☆☆☆

فروا نے رو رو کے برا حال کر لیا تھا، اس نے دل میں تہیہ کر لیا تھا کہ وہ یہاں سے چلی جائے گی، دروازہ ناک ہوا تھا، مگر وہ ان سنی کیے پڑی رہی۔
''فروا!'' غضنفر علی اندر آئے تھے، وہ اوندھی پڑی رو رہی تھی، وہ اس کے پاس بیٹھ گئے اور اس کے بالوں میں محبت سے انگلیاں پھیرنے لگیں۔
''فروا! میری جان، مت رو، اٹھو بات سنو میری۔'' وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور خاموشی سے آنسو بہانے لگی، مگر ان کی طرف دیکھا نہیں۔
''اتنی خفا ہو کہ میری طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں۔'' انہوں نے فروا کی بے حد سوجی آنکھوں اور سرخ ناک کو بغور دیکھا، اس کی شکل بہت زیادہ گل افزاء سے ملتی تھی، وہ اسے محبت سے دیکھے گئے۔
''مجھے یہاں نہیں رہنا، یہاں سے جانا ہے، ابھی اور اسی وقت۔'' اس نے بے دردی سے آنسوؤں کو رگڑا۔
''ایسے مت جاؤ بیٹا۔'' انہوں نے فروا کے چہرے پر پھیلے بالوں کو ہٹا کر اس کے آنسوؤں کو پونچھا۔
''یہاں آنا میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی، یہاں وہ لوگ رہتے ہیں جن کی وجہ سے میری امی اور ہم دونوں بہنوں کی زندگیاں خراب ہوئیں۔'' وہ بہت غصے میں تھی اور تیز تیز بول رہی تھی۔
''پتا نہیں میں کیسے یہ بات بھول گئی، حالانکہ مجھے بھولنی نہیں چاہیے تھی۔'' اس کے آنسو پھر بہنے لگے تھے۔
''مت رو فروا، تمہارے آنسو مجھے تکلیف دے رہے ہیں۔'' غضنفر علی منت کرنے لگے تھے۔
''رونے سے بھی تب ہی روکا جب خود کو تکلیف ہوئی، آپ کتنے خود غرض ہیں۔'' غضنفر علی کو اس کے آنسو بہت تکلیف دے رہے تھے، مگر ان کی ہزار خواہش اور کوشش کے باوجود بھی اس کے آنسو تھم نہ رہے تھے۔
''میری محبت پر شک مت کرو بیٹا۔'' وہ بے بسی سے بولے تھے۔
''تم چاہے مجھ سے دور رہی ہو، مگر ہو تو میرا خون میرے جسم کا حصہ اور بیٹا جب جسم کے ایک

حصے میں تکلیف ہو، تو پورا جسم درد محسوس کرتا ہے۔'' وہ خود کو اس کا مجرم سمجھتے تھے، اس کے دکھوں کی وجہ۔

''اگر میری تکلیفوں پر درد محسوس کرتے تھے تو مجھے اکیلے کیوں چھوڑا؟'' وہ سوال کر رہی تھی، ان سے اپنی محرومیوں کا جواب مانگ رہی تھی۔

''میں بتا چکا ہوں بیٹا مجھے آپ کے وجود سے لاعلم رکھا گیا، ورنہ میں اپنی بیٹی کو کبھی اپنے سائے سے محروم نہ رکھتا۔'' وہ وضاحت دے رہے تھے، مقصداً اسے دکھ سے بچانا تھا۔

''میرے وجود سے لاعلم تھے، کیا امی کے وجود سے بھی لاعلم تھے؟ انہیں کس بات کی سزا دی؟'' اور اس مقام پر آ کر غضنفر علی ہارنے لگتے تھے۔

''گل افزاء نے غلطی کی تھی، گھر نہ چھوڑتی، میرے آنے تک کسی بھی طرح وہیں رہتی، میں لاعلم تھا وہ تو سب کی سازش سے باخبر تھی، وہاں سے جا کر اس نے میدان خالی چھوڑ دیا۔''

''آپ کبھی بھی اپنی غلطی نہیں مانیں گے، نفرت ہو رہی ہے مجھے آپ سے، آپ کے گھر سے اور...... اور خود سے بھی۔'' اس نے چہرہ ہاتھوں میں ڈھانپ لیا، وہ بے بسی سے اسے دیکھے گئے۔

☆☆☆

فارقلیط حسن آفس آ کر کافی مصروف ہو گیا تھا، مگر اس کا ذہن عروبہ کی طرف ہی لگا ہوا تھا، اس کا دل اس بات کی گواہی دے رہا تھا کہ عروبہ معصوم ہے، وہ اسے ہی چاہتی ہے، مگر دماغ کچھ اور کہتا تھا۔

''میں تمہیں بہت چاہتا ہوں عروبہ! تم شاید جانتی نہیں تم میرے لئے کیا ہو، میری جان ہو، میرا چین، سکون، سب کچھ، میری زندگی، میری سوچیں، تم سے شروع ہو کر، تم پر ختم ہوتی ہیں۔''

وہ چیئر کی بیک سے پشت ٹکائے، آنکھیں موندے اس کے خیالوں میں گم تھا۔

''رات میں نے تم کو رلا دیا، ایسا کیوں کیا میں نے، بہت برا ہوں میں۔'' وہ خود کو برا بھلا کہنے لگا تھا، اس کا کام میں جی نہ لگ رہا تھا، حسن بہزاد بھی آفس میں موجود نہ تھے، اصولاً اسے وہاں ہونا چاہیے تھا، مگر وہ موبائل اور والٹ اٹھا کر باہر کی جانب بڑھا، وہ جلد از جلد عروبہ کے پاس پہنچنا چاہتا تھا، اسے بتانا چاہتا تھا کہ وہ اسے کتنا چاہتا ہے۔

عروبہ کے آنسو یاد آ، آ کر اسے بے چین کر رہے تھے، گاڑی جیسے جیسے گھر کے قریب جا رہی تھی اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی۔

''آئی لو یو عروبہ، لو یو سو مچ۔'' اس نے گاڑی گھر کے باہر کھڑی کر دی تھی، اس کا ارادہ عروبہ کو ساتھ لے کر لانگ ڈرائیو پر جانے کا تھا۔

''You are my princess, You are my wife, You are my darling, You are my life۔'' زیر لب گنگناتے ہوئے وہ اندر آیا تھا، عروبہ روم میں نہیں تھی، وہ اسے ڈھونڈنے لگا اور ڈرائنگ روم کے سامنے سے گزرتے ہوئے ٹھٹک کر رک گیا۔

''پلیز عیسیٰ احد میری بات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔'' وہ آہستہ آواز میں بولتے ہوئے اس کی منتیں کر رہی تھی۔

''اگر فارقلیط آ گئے تو بہت پرابلم ہو جائے گی پلیز چلے جائیں۔'' وہ مسلسل منت کر رہی تھی، فارقلیط حسن شاکڈ رہ گیا، اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ عروبہ اس سے اتنا بڑا جھوٹ بولے گی، ایسے دھوکہ دے گی۔

”کیا آپ اپنے ہزبینڈ سے محبت کرتی ہیں؟“ عیسیٰ احمد کے سوال پر فارقلیط حسن کی دھڑکنیں تھمنے لگی تھیں، اس کے کان جواب سننے کے لئے شدت سے منتظر تھے، جو بات اس نے آج تک فارقلیط حسن کے سامنے نہ کہی تھی، اسے یقین تھا اب وہ اس کا اقرار کرے گی، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ عروبہ اس کے سامنے محبت کا اظہار کرنے سے شرماتی تھی۔

”آپ کو اس سے کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے۔“ اس کی امیدوں اور خوش فہمیوں کا محل لمحوں میں زمین بوس ہوا تھا، ایک لمحہ لگا تھا اور عروبہ غضنفر اور اس کے درمیان صدیوں کا فاصلہ پیدا ہو گیا تھا، جسے مٹانا فارقلیط حسن کو ناممکن لگ رہا تھا۔

”آپ تو بہت بڑے بڑے دعوے کرتے تھے نہ محبت کے اور جب ثابت کرنے کا وقت آیا تو مجھے چھوڑ کر بھاگ گئے، اس کے بعد میرے ساتھ جو بھی ہوتا ہے یہ آپ کے Concerns نہیں ہیں۔“ فارقلیط حسن نے دردیدہ نگاہوں سے بند دروازے کو دیکھا اور الٹے قدموں پلٹنے لگا وہ بمشکل گاڑی تک پہنچا تھا۔

”نہیں عروبہ۔“ وہ گاڑی میں بیٹھ گیا تھا۔

”تم میرے ساتھ یہ دھوکہ نہیں کر سکتی۔“ اس نے سر اسٹیئرنگ پر مارا تھا۔

”بہت خلوص اور بڑی محبت کے ساتھ میں نے تمہیں اپنی زندگی میں شامل کیا تھا۔“ اس کی آنکھیں شدت ضبط سے سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔

”میرے لئے سب سے زیادہ امپورٹنٹ آپ ہیں، میں آپ کی ناراضی برداشت نہیں کر سکتی۔“

چند ثانیے وہ بے حس و حرکت بیٹھا، اپنے گھر کو دیکھتا رہا اور پھر گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

شام سے رات ہو گئی تھی، مگر وہ شہر کی سڑکوں پر بے مقصد گاڑی دوڑاتا رہا اس کا دل غم کی شدت سے پھٹ رہا تھا، دماغ اس بات کو ماننے سے انکاری تھا، مگر جو اس نے اپنے کانوں سے سنا تھا وہ اسے جھٹلا بھی تو نہ سکتا تھا، رات گہری ہو رہی تھی، وہ ساحل کنارے کھڑا پانی کی آتی جاتی سرکش لہروں کو دیکھ رہا تھا، اس نے اپنا موبائل فون آف کر رکھا تھا۔

”کیوں کی میں نے تم سے اتنی محبت؟ کیوں عروبہ؟“ وہ زور سے چلایا، اس کے ضبط کی طنابیں ٹوٹنے لگی تھیں۔

”عروبہ! تم میری ہو، صرف میری۔“ وہ ریت پر پنجوں کے بل بیٹھ گیا تھا۔

”میری محبت نے میرے اظہار کرنے مجھے تمہارے سامنے بے وقعت بنا دیا، وہ تمہیں مجھ سے زیادہ تو نہ چاہتا ہو گا۔“ اس نے بالوں کو مٹھیوں میں جکڑ رکھا تھا، سرد ہوائیں اس کے بدن سے ٹکرا رہی تھیں، مگر اسے یکسر پرواہ نہ تھی، نہ ہی کچھ ہوش تھا۔

نمی دے کر جو مٹی کو
مسلسل گوندھتے ہو تم
بتاؤ کیا بناؤ گے؟
کوئی کوزہ، کوئی مورت، یا پھر محبوب کی
صورت......؟؟
سخن ور ہوں......
کہو تو مشورہ اک دوں......؟
یہ گھاٹے کا ہی سودا ہے
یہاں مٹی کی مورت کی
اگر آنکھیں بناؤ گے
تمہیں آنکھیں دکھائے گی
تراشو گے زباں اس کی

تو ترشی جھیل پاؤ گے......؟؟
اگر جو دل بنایا تو
ہزاروں خواہشیں بن کر
تمہیں تم سے ہی مانگے گی
عطائے خلعت احمر
اسے خود سے بنائے گی
وہاں اپنی محبت کا
جو نادر تاج پہنانا
خدا خود کو ہی سمجھے گی
ابھی بھی وقت ہے بات مانو
ارادہ ملتوی کر دو
اسے مٹی ہی رہنے دو

وہ جس پر ہزاروں لڑکیاں مرتی تھیں، ہر وقت اس کی ایک نگاہ التفات کے لئے تڑپتی تھیں، مگر ان کے جذبات سے کھیلنا، ان کا مذاق اڑانا اس کا من پسند مشغلہ تھا، وہ جو بزنس ٹائیکون تھا، محبت کو فارغ اور بے وقوف لوگوں کا شغل سمجھتا تھا، خود محبت کا روگ پال بیٹھا تھا۔

''نہیں، میرے ساتھ ایسا نہیں ہو سکتا، میں نے تمہیں بہت چاہا ہے عروبہ۔'' اسے خبر ہی نہ ہوئی اور اس کی آنکھوں سے گرم سیال بہنے لگا، سردی کی یخ بستہ رات، ظالم سمندر کی سرکش موجوں کا بھیانک شور اور فارقلیط حسن جیسی مضبوط، مغرور چٹان کی توڑ پھوڑ ماحول کو وحشت ناک بنا رہی تھی۔

☆☆☆

نویلہ دستک دے کر فروا کے روم میں داخل ہو گئی تھی، سامنے جو منظر اس نے دیکھا اس نے اسے رنجیدہ کر دیا تھا، فروا زار و قطار رو رہی تھی اور پاپا اس کے سامنے سر جھکائے بیٹھے ہوئے تھے۔

''اس نے تھپڑ تمہارے منہ پر نہیں میری روح پر مارا ہے فروا، میں کتنی تکلیف میں ہوں تم سوچ بھی نہیں سکتی۔'' پاپا کی درد میں ڈوبی آواز نویلہ کی سماعتوں سے ٹکرائی، تو وہ وہیں رک گئی۔

''بس اپنی ہی تکلیف کا پتا ہوتا ہے آپ کو، آپ ایک خود غرض انسان ہیں۔'' وہ بپھر اٹھی تھی۔

''غضنفر صاحب مجھے آپ کی ہمدردیوں کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ اس کے جلے ہوئے ہاتھ اور پاؤں پر مرہم لگانا چاہتے تھے، مگر فروا نے غصے سے انہیں دھتکار دیا۔

''فروا آپی آپ کو پاپا سے اس طرح بات نہیں کرنی چاہیے۔'' نویلہ اپنے باپ کی بے عزتی برداشت نہیں کر سکتی تھی، وہ سمجھ سکتی تھی اس وقت وہ کتنے ٹوٹے ہوئے ہیں اور نویلہ ان کے بکھرنے سے ڈرتی تھی۔

''تم تو ایسے ہی کہو گی نویلہ۔'' فروا نے توپوں کا رخ اس کی طرف کیا۔

''زندگی نے ہر رشتہ، ہر چیز نہیں دے دی، تم میری تکلیف کو کیا سمجھو۔'' اس کی بات پر نویلہ اذیت بھرے انداز میں مسکرائی اور اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

''کسی کو بھی سب کچھ نہیں ملتا فروا آپی۔'' غضنفر علی نے بیٹی کے مرجھائے چہرے کو بغور دیکھا تھا۔

''ہر ایک دکھوں کا بوجھ اٹھائے پھر رہا ہے، ہر ایک اپنے اندر نا جانے کتنی اذیتیں لئے گھوم رہا ہے، بس ہر ایک کا غم کا بوجھ اٹھانے کا طریقہ مختلف ہے۔'' نویلہ نے مدبرانہ انداز میں کہا، غضنفر علی اٹھ کھڑے ہوئے اور دروازے کی جانب بڑھے۔

''تمہیں کیا دکھ ہے نویلہ تم تو اپنے پیرنٹس کے پاس ہو، تم نے انہیں ہمیشہ اکٹھے دیکھا ہے۔'' فروا کے لہجے کی حسرتوں کو محسوس کرتے

ہوئے غضنفر علی تڑپ کر مڑے تھے۔
''کبھی کبھی پیرنٹس کو اکٹھے دیکھنا بھی اذیت ناک ہوتا ہے فروا آپی۔'' غضنفر علی کا ہینڈل گھماتا ہوا ہاتھ وہیں رک گیا تھا۔
''جب پیرنٹس ایک دوسرے سے محبت کرتے ہوں تو بچوں کو بھی تحفظ کا احساس ہوتا ہے، مگر جب ان کا آپس میں سلوک یا اتفاق نہ ہے تو ہر وقت ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ہم بھی کوئی بوجھ ہیں اور ہمارے سر پر موجود چھت نا جانے کب اڑ جائے۔'' اس نے ایک ٹھنڈی سانس خارج کی۔
''یقین اور بے یقینی کی کیفیت کے درمیان رہ کر جینا بہت اذیت ناک ہوتا ہے فروا آپی۔'' غضنفر علی ساکت کھڑے تھے۔
''جسے آپ بہت چاہتے ہوں، اسے آپ کی آنکھوں کے سامنے بہت تکلیف دی جائے اور آپ کچھ کر بھی نہ سکیں، یہ سب دیکھنا بہت مشکل ہوتا ہے فروا آپی۔'' نویلہ کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھرنے لگی تھیں، وہ اٹھی اور تیزی سے مڑی، اس کی نظریں غضنفر علی سے ٹکرائیں، وہاں اذیتوں کا ایک جہان آباد تھا، چند ثانیے انہیں دیکھتی رہی اور پھر باہر نکل گئی۔
وہ اپنے کمرے میں آ گئی تھی اور موبائل ڈھونڈنے لگی، جلد ہی اسے وہ کتابوں کے نیچے سے مل گیا تھا، اس نے عروبہ کا نمبر ملایا، ایک بار دوبارہ سہ بار، کال نہیں جا رہی تھی، نمبر بند تھا۔
''عروبہ کال اٹھائیں۔'' وہ زیر لب بڑبڑائی تھی، مگر بہت بار ٹرائی کرنے کے بعد بھی کال ریسیو نہیں ہوئی، بلکہ کال جا ہی نہ رہی تھی۔
''اف خدایا، کیا کروں؟'' اس نے سر تھام لیا۔
''کیسے اپنے ٹوٹے ہوئے رشتوں کو جوڑوں، اس وقت عروبہ آپی کا فروا آپی سے ملنا بہت ضروری ہے، فروا آپی کو دکھ اور احساس تنہائی سے صرف وہی نکال سکتی ہیں۔'' وہ سوچوں میں گھری بیٹھی تھی جب غضنفر علی دستک دے کر اندر آئے تھے۔
''آئیں پاپا۔'' انہیں سامنے دیکھ کر وہ مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔
''بہت برا ہوں میں نویلہ۔'' غضنفر علی ایک دم ہی بہت بوڑھے اور کمزور لگنے لگے تھے، نویلہ تیزی سے ان کے سامنے جا کھڑی ہوئی تھی۔
''آپ اس دنیا کے سب سے اچھے پاپا ہیں۔'' اس نے محبت سے مسکراتے ہوئے ان کی طرف دیکھا۔
''وقت نے آپ کے خلاف سازش کی، آپ اس خود پر حاوی مت کریں۔'' وہ خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے۔
''بلاوجہ خود کو بلیم مت کریں۔'' غضنفر علی کا اجڑا بکھرا حلیہ نویلہ کے دل پر برچھیاں چلا رہا تھا۔
''میں فروا کی آنکھوں میں اپنے لئے نفرت دیکھ کر مرنے لگتا ہوں، وہ مجھے میرا نام لے کر پکار رہی تھی، وہ مجھے اپنا باپ نہیں سمجھتی اور سمجھے بھی کیسے۔'' ان کی آواز بھرا گئی تھی، وہ نگاہیں جھکا گئے تھے۔
''وہ آپ سے نفرت کرتی ہے۔'' نویلہ نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔
''آپ کی کوئی بھی بیٹی آپ سے نفرت نہیں کر سکتی پاپا۔'' نویلہ نے عقیدت سے ان کی طرف دیکھا تھا۔
''میں نے جو کچھ گل افزاء کے ساتھ کیا، اس کی سزا تو مجھے ملنی ہے اور آخری سانس تک ملے گی۔'' فروا کا رویہ ان کے احساس گناہ میں

اضافہ کررہا تھا، وہ ہارنے لگے تھے۔
"پاپا ایک آئیڈیا ہے میرے پاس، فروا آپی کو منانے کے لئے۔" نویلہ نے انہیں امید کی کرن دکھائی۔
"کیا؟" انہوں نے آس بھری نظروں سے نویلہ کو دیکھا۔
"آپ ادھر بیٹھیں پاپا۔" اس نے انہیں بٹھایا اور خود ان کے سامنے بیٹھ گئی، غضنفر علی بغور اس کی بات سن رہے تھے۔

☆☆☆

موسیٰ علی کو جب سے یہ پتا چلا تھا کہ فروا اس کے خاندان کی لڑکی ہے، وہ دل ہی دل میں خوش تھا، اسے یقین تھا کہ اس کے پیرنٹس اس مسئلے کو حل کرلیں گے
اس نے فروا سے ملنے بات کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کرڈالی تھی، مگر نہ تو وہ بات سن رہی تھی اور نہ ہی غضنفر علی، پریشان ہوکر اس نے ماما سے بات کی تھی اور اس کے والدین فوراً پاکستان آگئے تھے، وہ انہیں بتائے بغیر دوسری شادی کر چکا ہے، پہلے تو اس بات پر خفا ہوئے، مگر پھر اس کی پریشانی اور معصب کے چڑ چڑے پن اور رونے کو دیکھ کر انہوں نے اسے معاف کردیا تھا۔
"موسیٰ!" وہ اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا جب ماما اس کے پاس آئی تھیں، معصب، دادا کے ساتھ آئسکریم کھانے گیا ہوا تھا۔
"وہ واپس آجائے گی، ڈونٹ وری۔" انہوں نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے نرمی سے پیار بھرے لہجے میں کہا۔
"میں نے اس کے ساتھ بہت برا کیا ماما۔" اس کے لہجے میں پچھتاوا تھا، ایک محسوس کیا جانے والا کرب۔
"وہ بہت اچھی ماں کی بیٹی ہے، معاف کر دے گی تمہیں۔" ماما نے اس کی پریشانی دور کرنے کے لئے کہا۔
"اسی بات کا تو دکھ ہے ماما۔" اس نے ان کی طرف دیکھا۔
"میں ہر بار بہت برا کرتا ہوں اور وہ ہر بار مجھے معاف کردیتی ہے، اسے اب مجھے معاف نہیں کرنا چاہیے۔" وہ شدید قسم کے احساس جرم میں مبتلا تھا۔
"اب وہ آجائے گی تو اس کی قدر کرنا، اسے محبت دینا، زندگی بار بار موقع ہر کسی کو نہیں دیتی، ایسا نہ ہو وہ بھی عنیزہ کی طرح جائے اور پلٹ کر نہ آئے۔" انہوں نے اسے سمجھانے کے لئے کہا، مگران کی بات نے اسے جھنجھوڑ ڈالا۔
"اللہ نہ کرے ماما۔" وہ بے چینی سے بولا تھا، انہوں نے بیٹے کی جانب دیکھا۔
"میں اب اسے کھونا نہیں چاہتا۔" موسیٰ علی نے قدرے متفکر لہجے میں کہا۔
"اسے واپس لے کر آؤں گا اور سر آنکھوں پر بٹھاؤں گا۔" وہ مصمم ارادہ کرچکا تھا، اس کی ماما مسکرادیں۔

☆☆☆

عیسیٰ احمد کے جانے کے بعد عروبہ خوب دل لگا کر تیار ہوئی اور لاؤنج میں بیٹھ کر فارقلیط حسن کا انتظار کرنے لگی۔
ایک گھنٹہ، دو گھنٹے، تین گھنٹے، اور پھر وقت سولی پر لٹکتے ہوئے گزرنے لگا، عروبہ نے فارقلیط حسن کو کئی کالز کرڈالیں، مگر جواب ندارد۔
"کہاں چلے گئے؟" عروبہ بے چینی میں ادھر سے ادھر ٹہلنے لگی، کچھ سمجھ نہ آرہی تھی کیا کرے، کس سے پوچھے، حسن بہزاد بھی بزنس ٹور پر انگلینڈ گئے ہوئے تھے۔
"فارقلیط حسن پلیز واپس آجائیں۔" وہ

دکھ پریشانی اور بے بسی کے احساس تلے دب کر رونے لگی تھی۔

''عروبہ بی بی آپ سے ملنے کوئی آیا ہے۔''

وہ ملازمہ کی آواز سن کر مڑی تھی، باہر بادل گرجا تھا اور ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہو گئی تھی۔

''مجھے کسی سے نہیں ملنا۔'' اس نے خوفزدہ ہو کر لاؤنج کی گلاس وال سے باہر دیکھا تھا۔

''لیکن وہ نوے......''

''میں نے کہا نہ مجھے کسی سے نہیں ملنا، جا کر کہہ دو کہ عروبہ گھر پر نہیں ہے۔'' وہ واپس پلٹی اور اپنے بیڈ روم میں آ گئی، بیڈ روم کی کھڑکی سے اس نے بابا اور نویلہ کو جاتے دیکھا۔

''بابا!'' اس کے لبوں نے بے آواز جنبش کی، اس کا جی چاہا بھاگ کر ان کے گلے لگ جائے اور خوب روئے، مگر وہ لمحوں میں اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئے تھے۔

''بابا میں بہت اکیلی ہو گئی ہوں۔'' ہر طرف اندھیرا پھیلنے لگا تھا، اسے شدید گھٹن کا احساس ہونے لگا تھا، وہ باہر آ گئی تھی اور لاؤنج کی گلاس وال سے برستی بارش کو دیکھنے لگی تھی۔

''بے فکر رہیں میں آپ کی عزت پر کوئی بات نہیں آنے دوں گا، آپ ہر مشکل میں مجھے اپنے ساتھ کھڑا ہوا پائیں گے۔'' ایک ہمدرد مہربان اور نرم سا لہجہ اس کے آس پاس گونجنے لگا تھا۔

''فارقلیط!'' وہ گھبرا کر مڑی تھی۔

''میں نے کہا تھا نہ مجھے ان آنکھوں میں آنسو نہیں چاہئیں، پھر کیوں بھول گئی تم یہ بات۔'' اس نے اپنے گالوں پر پھسلتے آنسوؤں کو محسوس کیا تو بے دردی سے انہیں رگڑ ڈالا۔

''محبت کرنے والے عجیب ہی ہوتے ہیں، سر پھرے اور دیوانے، کیا تمہیں میری محبت پر یقین ہے؟'' گمبھیر لہجہ اس کے آس پاس گونجا تھا۔

''کیا تم مجھ سے محبت کرتی ہو؟'' وہ تیزی سے فون کی طرف بڑھی اور ایک مرتبہ پھر نمبر ڈائل کرنے لگی۔

''ہاں ہاں میں آپ سے محبت کرتی ہوں فارقلیط حسن، بلکہ عشق کرتی ہوں آپ سے۔'' نمبر بند جا رہا تھا، اس نے مایوس ہو کر ریسور کریڈل پر ڈال دیا تھا۔

''ایک دفعہ آ جائیں فارقلیط آج میں آپ کو بتا دوں گی کہ میں آپ کی دیوانی ہو چکی ہوں، آپ کے بغیر ایک پل نہیں رہ سکتی۔'' وہ باہر نکل آئی تھی، برستی بارش میں وہ گیٹ کے سامنے ٹہلنے لگی تھی۔

''میں تو سوچ رہا تھا کہ تم سو رہی ہو گی، لیکن اب پتا چلا کہ ہے آگ دونوں طرف برابر لگی ہوئی۔'' ٹہل ٹہل کر اس کی ٹانگیں شل ہو گئی تھیں۔

''نہیں اللہ میاں جی، ایسا مت کرنا میں یہ برداشت نہیں کر سکتی۔'' وہ زمین پر بیٹھتی چلی گئی اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔

''مجھ سے میرا سب کچھ لے لو، مگر فارقلیط حسن مجھے واپس لوٹا دو۔'' اس کے منہ سے چیخیں نکل رہی تھیں، جو کہ بارش کی آواز کے ساتھ دب رہی تھیں۔

''جس سے محبت کی جائے اسے ہر وقت آنکھوں کے سامنے رکھنا بھی تو ضروری ہوتا ہے، کیا میں نے تم کو قید کر رکھا ہے؟'' اسے فارقلیط حسن کا کہا گیا ایک ایک لفظ از بر تھا۔

''فارقلیط حسن آ جائیں واپس، آ کر دیکھیں آپ کی عروبہ کتنی تنہا ہے، مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے، پلیز واپس آ جائیں فارقلیط۔'' اس کے

کپڑے بھیگ چکے تھے، پورا جسم بارش میں بیٹھنے کی وجہ سے برف کی سل بنا ہوا تھا۔

رات کے اڑھائی بجے کا وقت تھا جب گاڑی گیٹ سے اندر داخل ہوئی تھی۔

وہ پتھر کا بت بنی وہیں زمین پر کیچڑ میں بیٹھی ہوئی تھی، فارقلیط حسن گاڑی میں سے اتر کر اس کے قریب آیا تھا۔

''فارقلیط!'' اس نے اپنا ہاتھ عروبہ کی جانب بڑھایا، وہ بھاگ کر اس سے لپٹ گئی تھی۔

''کہاں چلے گئے تھے آپ؟ کیوں کیا میرے ساتھ ایسا، اگر آپ اب نہ آتے تو میں مر جاتی فارقلیط، مجھے ایسا لگا میں نے آپ کو بھی کھو دیا۔'' اس کے سینے پر سر رکھے وہ بچوں کی طرح رو رہی تھی۔

اور فارقلیط حسن کا ذہن اس کے لفظوں سے الجھ کر رہ گیا، اسے آہستگی سے خود سے علیحدہ کر کے وہ اندر کی جانب بڑھا، عروبہ شاکڈ رہ گئی۔

''فارقلیط!'' وہ اس کے پیچھے بھاگتی ہوئی اندر آئی تھی۔

''چینج کرو اور سو جاؤ۔'' وہ سرد اور سپاٹ لہجے میں بولا۔

''کیا؟'' وہ شاکڈ رہ گئی، اسے اتنی اذیت میں مبتلا کرنے کے بعد وہ آیا تھا اور اس کا یہ لیا دیا انداز عروبہ کی جان نکال رہا تھا، اسے ہکا بکا چھوڑ کر وہ چینج کرنے چلا گیا تھا۔

''فارقلیط! آپ کو کیا ہوا ہے؟ صبح تو آپ......''

''عروبہ میں بہت تھکا ہوا ہوں، مجھے سونے دو۔'' وہ چینج کر کے نکلا تو عروبہ اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی، مگر وہ روکھائی سے بولتا ہوا اس کے سامنے سے ہٹ گیا۔

''آپ جانتے ہیں میں کتنی پریشان تھی آپ کی وجہ سے۔'' وہ لیٹ چکا تھا، عروبہ اس کے پاس گئی، اس کے قریب بیٹھ کر اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔

''عروبہ ان چونچلوں کی ضرورت نہیں ہے، تھوڑی سی بڑی ہو جاؤ پلیز، کب تک یہ بچوں والی حرکتیں کرو گی؟'' فارقلیط حسن کی بات پر چھن سے اس کے اندر کچھ ٹوٹا تھا۔

''فارقلیط!'' وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی، مگر وہ آنکھیں موندے لیٹا ہوا تھا، دل اور جذبات پر جبر کیے ہوئے، ورنہ جی چاہ رہا تھا کہ آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگا لے، اس کے تمام آنسو پونچھ ڈالے، وہ جانتا تھا اس نے یہ وقت کتنی مشکل سے گزارا ہو گا۔

''آپ مجھ سے ناراض ہیں فارقلیط؟'' اس سے رہا نہ جا رہا تھا، فارقلیط حسن کی بے رخی اس کی جان لے رہی تھی۔

''نہیں۔'' وہ سختی سے بولا۔

''اور پلیز اب لائٹ آف کر دو، بہت تھکا ہوا ہوں۔'' اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے وہ خود پر ضبط کھو رہا ہے، اسے عروبہ کے آنسو ڈسٹرب کر رہے تھے، اس نے اٹھ کر لائٹ آف کر دی تھی، مگر وہ خود لیٹی نہیں تھی، اچانک فارقلیط حسن کو اپنے پیروں پر نمی محسوس ہوئی تھی۔

''عروبہ!'' وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور سائیڈ ٹیبل لیمپ آن کر دیا۔

''مجھے معاف کر دیں، فارقلیط میں نہیں جانتی اب آپ کس بات پر خفا ہیں، مگر آپ کی خفگی میری جان لے لے گی۔'' وہ سسک رہی تھی اور سسکتے سسکتے اس نے اپنے ہاتھ فارقلیط حسن کے پاؤں پر رکھ دیے تھے۔

''میں آفس میں بزی تھا۔'' عروبہ کو اس

طرح روتے دیکھ کر وہ تکلیف محسوس کر رہا تھا۔
''جھوٹ بول رہے ہیں آپ۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔
''میں نے بتایا تھا نہ کہ میں بہت برا ہوں، اچھا صرف تمہارے لئے بنا ہوں، محبت بھی صرف تم سے کرتا ہوں اور سچ بھی صرف تم سے بولتا ہوں۔'' عروبہ کے آنسو ایک تواتر سے بہہ رہے تھے، وہ کسی بے بس مجرم کی طرح ملتجی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔
''اگر میری اچھائی، برائی میں بدلی تو اس کی وجہ تم ہو گی عروبہ۔'' اس نے عروبہ کے ہاتھ اپنے پاؤں سے ہٹائے تھے۔
''میرا جھوٹ تمہیں تکلیف دے رہا ہے تو تم خود کب مجھ سے سچ بول رہی ہو۔'' وہ اس کے لب و لہجے اور الفاظ میں در آنے والی بیگانگی کو محسوس کرتے ہوئے مرنے لگی تھی۔
''مجھے آپ کی محبت کی عادت ہے، میری عادتیں بگاڑ کر مجھ سے ایسا نہ کریں، میں مر جاؤں گی فارقلیط۔'' وہ ہاتھ جوڑنے لگی تھی۔
''آپ اچھے ہیں یا برے میرے لئے بہت اہم ہیں، میں اس دنیا میں سے سب سے زیادہ آپ سے محبت کرتی ہوں، بابا سے بھی...... زیادہ۔'' کوئی اور وقت ہوتا تو فارقلیط حسن اس کے منہ سے اظہار محبت سن کر خوشی سے جھوم اٹھتا مگر اسے اب عروبہ کی کسی بات پر اعتبار نہ تھا۔
''محبت؟'' وہ استہزائیہ انداز میں ہنسا۔
''اور مجھ سے؟'' وہ بیڈ پر نیم دراز ہو گیا، کراؤن سے ٹیک لگائے وہ اسے دیکھ رہا تھا۔
''میں تمہارے منہ سے محبت کے دو میٹھے بول سننے کے لئے ترستا رہا اور تم مجھے ترساتی رہی، کل رات تک تو ایسی کوئی بات تم نے نہ سوچی نہ کہی، پھر یہ اچانک انکشاف کیسے ہوا کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو؟'' وہ اس کی محبت کا یقین نہ کر رہا تھا، عروبہ پر ایک اور عذاب اترا تھا۔
''مجھے ڈر لگتا تھا فارقلیط کہ اگر میں اظہار کروں گی تو آپ کو کھو دوں گی۔'' اس نے اپنے اندیشے اسے بتائے تھے، مگر اب وقت اس کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔
''تو کتنے لوگوں سے اظہار کر چکی ہو اب تک محبت کا؟'' اس نے طنز کیا، عروبہ دھک سے رہ گئی۔
''میں نے صرف آپ سے محبت کی ہے، اظہار بھی صرف آپ سے کیا ہے۔''
''اگر ہمارے درمیان بچے کی زنجیر نہ ہوتی تو میں تم کو آج اپنی زندگی سے نکال دیتا۔'' عروبہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔
''مگر اب ایسا نہیں کروں گا، بے فکر ہو کر سو جاؤ۔''
''اتنی بڑی بات، اتنی آسانی سے کہہ دی آپ نے۔'' اس نے سر فارقلیط حسن کے پاؤں پر رکھ دیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔
''پلیز میرے ساتھ ایسا نہ کریں میں...... برداشت نہیں کر سکتی، میں ایسے...... سو...... نہیں سکتی۔'' فارقلیط حسن نے بمشکل اسے اوپر اٹھایا۔
''اگر تم ایسے ہی کرتی رہی تو میں باہر چلا جاؤں گا۔'' وہ التجائیہ انداز میں اسے دیکھتے ہوئے نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔
''آپ کے سوا میرا کوئی نہیں ہے، آپ تو میرے ساتھ ایسا مت کریں، آج نویلہ...... آئی...... تھی...... اور میں نے اس سے بات نہیں کی، میں آپ کی ہر بات مانوں گی، مگر آپ پلیز مجھ سے خفا مت ہوں، مجھ سے دور مت کریں خود کو۔'' روتے روتے اس نے ایک مرتبہ پھر اپنا سر اس کے پاؤں پر رکھ دیا تھا، فارقلیط حسن جیسے

ہارنے لگا تھا۔
"اور بھی کوئی آیا تھا؟" وہ قدرے نرمی سے بولا تھا، عروبہ چونکی، مگر اس وقت وہ اسے عیسیٰ احمد کے متعلق نہ بتانا چاہتی تھی۔
"نن...... نہیں۔" عروبہ نے سر نفی میں ہلایا، فارقلیط حسن دوبارہ لیٹ گیا۔
"اب مجھے ڈسٹرب مت کرنا، ورنہ میں چلا جاؤں گا۔" وہ دوبارہ لیٹ گیا، عروبہ رونے لگی تھی، بالآخر وہ اٹھ کر باہر نکل گیا، عروبہ نے اسے روکنا چاہا تو فارقلیط حسن نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا، وہ اسٹڈی روم میں آ گیا باقی رات دونوں نے جاگ کر گزاری تھی۔

☆☆☆

وہ حیرت زدہ سی کھڑی، بے بسی کے عالم میں گیسٹ روم کے در و دیوار کو دیکھ رہی تھی کہ دروازہ ایک مرتبہ پھر کھلا تھا۔
"آپ کھڑی کیوں ہیں، بیٹھیے نہ پلیز۔" وہ شخص نگاہیں جھکاتے ہوئے عقیدت و احترام سے انہیں کہہ رہا تھا، وہ خالی الذہنی کی کیفیت میں اسے دیکھ رہی تھیں، مگر کچھ کہہ نہ سکیں۔
"یہ میں آپ کے لئے کپڑے لایا ہوں، چینج کر لیں، ابھی تو آپ کی بیٹی کا ہی ڈریس ہے، صبح نئے لے آؤں گا۔" وہ بہت نرم ہمدرد اور اپنائیت بھرے لہجے میں بول رہا تھا۔
"مجھے یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔" وہ تڑپ کر بولی تھیں۔
"آپ نے کچھ غلط نہیں کیا۔" وہ آہستگی سے بولا۔
"آپ کی بیٹی کا گھر ہے اور......" اس نے پل بھر کا توقف کیا۔
"اور میرا بھی، آپ بے فکر ہو کر رہے یہاں۔" اس عورت نے تیزی سے اپنا جھکا ہوا سر اوپر اٹھایا تھا۔
"میں صبح ہوتے ہی یہاں سے چلی جاؤں گی۔" وہ اس سے زیادہ خود کو تسلی دے رہی تھی۔
"ریلیکس ہو جائیں۔" وہ اسے وہیں چھوڑ کر کچن میں آ گیا، اچھی سی چائے بنا کر ساتھ میں کچھ کھانے کی چیزیں لے کر وہ اس کے روم میں واپس آیا۔
"یہ چائے پی لیجیے۔" وہ لباس تبدیل کر چکی تھی۔
"ارے آپ کے ہاتھ پر زخم کیسا؟" اس کی نظروں کے تعاقب میں اس نے اپنے ہاتھ کی جانب دیکھا اور انگلی پر موجود زخم کو دیکھ کر وہ زخمی پن سے مسکرا دی۔
"میری روح پر اس سے ہزاروں گنا بڑے زخم لگے ہوئے ہیں، جسم کے زخموں پر تو مرہم لگ جاتا ہے روح کے زخموں کا کیا کروں؟" وہ خاموش کھڑی سوچ رہی تھی۔
وہ باہر نکل گیا، کچھ ہی دیر میں اس کی واپسی ہوئی اس کے ہاتھ میں فرسٹ ایڈ باکس تھا۔
"اللہ پاک سب کو آپ جیسا داماد دے۔" وہ انہماک سے ہاتھ پر بینڈیج کر رہا تھا، ان کی بات سن کر شاکی نظروں سے ان کی جانب دیکھا۔
"چائے پی لیں۔" وہ باہر نکل گیا، انہوں نے کسی چیز کو ہاتھ تک نہ لگایا تھا، بیڈ پر لیٹتے ہی دل میں ٹیسیں سی اٹھنے لگی تھیں۔

کوئی مجھ کو ایسی دلیل دے
کہ میں توڑ کر ترے نقش
آنکھ کی پتلیوں سے مٹا سکوں
کوئی مجھ کو ایسی دلیل دے
کہ میں دل سے تری
عمر بھر کی رفاقتوں کو مٹا سکوں

کوئی مجھ کو ایسی دلیل دے
کہ میں عمر بھر تیری یاد کا
کوئی جشن ہی نہ منا سکوں
جو نہیں تو پھر...... میرے ہمنوا
مجھے یاد کر، مجھے یاد آ......!

☆☆☆

نویلہ اور غضنفر علی ناکام لوٹے تھے، مگر وہاں فروا واپس جانے کے لئے تیار بیٹھی تھی۔

''ڈرائیور سے کہہ کر مجھے گھر بھجوا دیں۔'' اس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں، ناک سرخ ہو رہی تھی۔

''موسیٰ علی خود لینے آئے گا، ایسے نہیں جانے دوں گا میں۔'' وہ اس کے سامنے چیئر پر بیٹھ گئے تھے۔

''جب ہارنا شرط ٹھہری تو کیا فائدہ کہ جیتنے والے کو دعوت دی جائے کہ آ کر ہماری ہار کا تماشہ دیکھے۔'' اس نے بھاری آواز میں کہا۔

''آج تو موسم بہت خراب ہے، کل میں خود چھوڑ آؤں گا بیٹا۔'' وہ ازلی نرم لہجے میں بولے۔

''میں خود چلی جاتی ہوں۔'' وہ ضدی پن سے بولی۔

''مجھے معاف چاہے نہ کرو، مگر مجھ سے ناراض ہو کر مت جاؤ۔'' وہ شکستہ لہجے میں بولے، فروا نے ان کی بات مان لی تھی اور رک گئی، اگلے روز وہ ناشتے کے بعد جانے کے لئے تیار ہو گئی تھی، نویلہ بے حد اداس تھی، غضنفر علی بہت غمگین دکھائی دے رہے تھے۔

''آتی رہیے گا فروا آپی۔'' اس سے گلے ملتے ہوئے نویلہ کی پلکیں نم ہونے لگی تھیں، اس کا بھی دل بھرانے لگا تھا، مگر وہ خود پر ضبط کیے کھڑی تھی۔

موسیٰ علی کی ماما ان لوگوں کو دیکھ کر خوشگوار حیرت میں مبتلا ہو گئی تھیں۔

''میں اپنی بیٹی آپ کے حوالے کر کے جا رہا ہوں بھابھی، اب اگر موسیٰ نے اسے ہرٹ کیا تو میں اسے ہرگز معاف نہ کروں گا۔'' معصب علی اسے دیکھ کر بہت خوش تھا اور اس کی گود سے ہی نہ اتر رہا تھا۔

''اب آپ کو شکایت نہ ہو گی۔'' انہوں نے غضنفر علی کو تسلی دیتے ہوئے کہا، فروا وہاں سے اٹھ کر چلی گئی تھی، جانے سے پہلے غضنفر علی اس کے کمرے میں آئے تھے۔

''میں آتا رہوں گا ملنے۔'' فروا نے غصے سے ان کی جانب دیکھا تھا۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ سرد لہجے میں بولی۔

''مجھے تو ہے۔'' وہ کہہ گئے۔

''جب کسی کو بہت تکلیف دے کر مار دیا جائے نہ غضنفر صاحب، تو پھر اپنے دل کی تسلی کے لئے اس کی قبر پر چادر اور پھول چڑھانے بھی نہیں جانا چاہیے، کیونکہ ان چیزوں کا مرنے والے کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔'' وہ آنسو ضبط کرتے ہوئے بولی۔

''انجانے میں، یا غلطی سے کیا گیا قتل بھی اللہ معاف کر دیتا ہے اور میں نے کوئی قتل نہیں کیا بیٹا۔''

''آپ قاتل ہیں، میری امی کی خوشیوں کے ان کے اعتبار کے، افسوس دنیا میں ایسی کوئی عدالت نہیں جو اعتبار کا قتل کرنے والوں کو سزا دے اور یہی نہیں آپ میری محرومیوں کے ذمہ دار ہیں، موسیٰ علی کو میری کوئی ضرورت نہیں،

(باقی اگلے ماہ)

محبتوں کا فسوں

سونیا چوہدری

مکمل ناول

آج احسن چھٹی پر تھا اور وہ شکور صاحب کے ساتھ خود ہی سارے معاملات دیکھ رہی تھی، کل ان کے ہوٹل میں ایک شادی کی سالگرہ کے فنکشن کی بھی بکنگ تھی اور وہ اس کی تیاریوں میں آج ہی لگ چکی تھی، وہ کسی طور کہیں بھی کوئی کمی چھوڑ کر ان کو شکایت کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔

شام کو جب ڈرائیور اسے لینے آیا تو اس نے اسے یہ کہہ کر واپس بھجوا دیا کہ آج اس کو ہوٹل میں بہت کام ہے وہ خود آ جائے گی یا پھر کال کر کے گاڑی منگوا لے گی، ڈرائیور اس کے حکم کی تعمیل کرتا ہوا بنا کوئی سوال جواب کیے خاموشی سے واپس لوٹ گیا۔

جب تک فارغ ہوئی تو سات بج چکے تھے، اس نے ڈرائیور کو کال کرنے کی بجائے خود گھر جانے کا فیصلہ کیا، آج صبح سے ہلکی ہلکی رم جھم کا سلسلہ وقفے وقفے سے جاری تھا اور وہ اس رم جھم کی دیوانی تھی، اس نے اپنا اسکارف درست کیا، اپنے بیگ کی چین کو بائیں کندھے پر لٹکایا اور دونوں ہاتھ اوور کوٹ کی جیبوں میں ڈال کر ہوٹل سے نکل آئی۔

پتھریلی سڑکوں پر بھی وہ ہیل پہن کر بڑی مہارت سے چلتی جا تھی، بھیگی سڑکیں اور سڑکوں پر سیاحوں کا رش، یہی اس شہر کی رونقیں تھیں، چھوٹے چھوٹے ڈھابوں سے اڑتا گرم چائے کا دھواں اور کہیں کسی ریسٹورنٹ سے آتی مزے مزے کھانے کی خوشبوئیں، وہ موسم کو انجوائے کرتے ہوئے چل رہی تھی جب اس نے گھر جانے کے بجائے پہاڑوں کی ڈھلان اترتے ہوئے نیچے بازار کا رخ کیا۔

کئی دنوں سے اپنی کچھ ضروری چیزیں خریدنی تھیں، لیکن وہ بات آج کل پر ڈالتی رہی، مگر آج ایک تو موسم اس کا من چاہا تھا اور صبح سے

تیمور سے بھی سامنا نہ ہوا تھا جس کی وجہ سے اس کا موڈ کافی خوشگوار تھا۔

وہ ایک کپڑے کی دکان پر چلی آئی، اس نے اپنے لئے گہرے سبز رنگ کی شال خریدی جس پر شیشے چمک رہے تھے، اپنی شال خریدنے کے بعد اسے منصورہ بیگم کا خیال آیا اور ان کے لئے بھی ایک اسکن رنگ کی شال لی اور دکان سے نکل آئی۔

اسے احسن کے لئے کچھ اچھا سا گفٹ لینے کا خیال آیا تو وہ ایک دکان میں داخل ہوئی، جس کے باہر سرخ گلابوں کے بکے سجے تھے اور ایک کم عمر لڑکا اس اسٹال پر کھڑا ان کو بیچ رہا تھا، وہ ایک نظر اس پر ڈالتی ہوئی آگے بڑھ گئی، اندر داخل ہونے کے بعد اس نے احسن کے لئے ایک پرفیوم اور گھڑی پسند کی، اس نے تیمور کے لئے بھی ایک پرفیوم لے کر پیک کروا دی کہ ہو سکتا ہے اس تحفے کے بعد اس کی سختی کچھ کم ہو جائے اور وہ اس کو اپنی کزن کی حیثیت سے پہلے کی طرح نرمی سے ٹریٹ کرنے لگے۔

وہ چیزیں خرید کر دکان سے نکل ہی رہی تھی کے اس کے قدم تھم گئے، چلتی سانسیں جیسے رک چکی تھیں، آنکھوں کے سامنے کا منظر دھندلانے لگا تھا، ہاتھوں میں پکڑے شاپنگ بیگز پر اس کی گرفت ڈھیلی ہو رہی تھی۔

اس سے پہلے کے وہ اس کو دیکھتا وہ ایک سائیڈ پر اسٹال کے پیچھے دیوار کے ساتھ لگ کر چھپ گئی، وہ دکان کے اندر چلا گیا تو اس نے تیز تیز قدموں کے ساتھ چلنا شروع کر دیا، اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ کر اس کے رخسار پر ٹھہر رہے تھے، اس کا دل چاہا وہ دنیا کی ہر شے کو تہس نہس کر دے، ہر چیز کو آگ لگا کر راکھ کر دے، مگر اس نے خود پر قابو رکھا، گھر کے قریب پہنچتے ہی اس نے اپنے آنسو صاف کیے، خود کو نارمل کرنے کی کوشش کے بعد اس نے لکڑی کا بڑا گیٹ عبور کیا، چوکیدار اس کو دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا، اس نے چوکیدار کو سلام کیا اور آگے بڑھ گئی، اندر داخل ہوئی تو منصورہ بیگم تیمور کے ساتھ آتش دان کے قریب بیٹھیں ٹی وی دیکھ رہی تھیں، اس نے ان دونوں کو سلام کیا تو دونوں نے نظریں اٹھا کر سامنے کھڑی فاریہ کو دیکھا۔

"آج اتنی دیر کر دی آنے میں۔" منصورہ بیگم نے سلام کا جوب دینے کے بعد نرمی سے کہا۔

"جی بس کل ایک فنکشن ہے اسی کی تیاری میں بزی تھی۔"

"ہوں، کافی تھکی ہوئی لگ رہی ہو، تم فریش ہو جاؤ میں تمہارے لئے کھانا لگواتی ہوں۔" انہوں نے محبت سے کہا۔

"نہیں خالہ، میں کھانا کھا کر آئی ہوں۔" فاریہ کی کچھ دیر پہلے والی بھوک اچانک مر گئی تھی۔

"اچھا چائے بنوا دوں؟ کہ کافی پیئو گی؟"

"چائے بنوا دیں، میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں وہیں بھجوا دیجئے گا۔" اس کی بات پر تیمور نے چور نظروں سے اس کو گھورا اور اس کی نظروں سے فاریہ کی آنکھوں کی سرخی زیادہ دیر چھپی نہیں رہ سکی، وہ اٹھ کر اپنے کمرے کی جانب جانے لگی جب دفعتاً واپس پلٹی۔

"خالہ یہ میں آپ کے لئے لائی تھی، واپسی پر بازار چلی گئی تھی اپنی کچھ چیزیں خریدنی تھیں۔" فاریہ نے شال ان کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ارے واہ، یہ تو بہت پیاری ہے، شکریہ بیٹا۔" منصورہ بیگم نے شگفتہ لہجے میں کہا تو وہ مسکراتی ہوئی آگے کی جانب بڑھ گئی، گفٹ تو

تیمور کے لئے بھی لائی تھی لیکن اس وقت وہ اس کو دینے کے موڈ میں نہیں تھی، کیونکہ اس کا موڈ پہلے ہی بہت اپ سیٹ ہو چکا تھا اور تیمور کی کسی بات پر وہ مزید کوئی بدمزگی نہیں چاہتی تھی، اپنے کمرے میں آ کر تو چینج کرنے کے بعد بیڈ پر آ بیٹھی، ملازمہ میز پر چائے رکھ کر جا چکی تھی، چائے کے ساتھ سینڈوچ بھی تھے اور یہ یقیناً منصورہ بیگم نے ہی بھجوائے تھے، کیونکہ وہ جانتی تھیں فاریہ خود کو لے کر بہت لاپرواہ ہے۔

اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی منصورہ بیگم کی محبت اور فکر کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک سینڈوچ اٹھایا اور کھانے لگی، چائے کے گھونٹ حلق سے اتارنے کے ساتھ ساتھ نہ جانے وہ کن سوچوں میں گم تھی، کچھ دیر پہلے والا خوشگوار موڈ اب اداسی میں بدل چکا تھا، احسن کو کسی لڑکی کے ساتھ بازار میں یوں ہنستے مسکراتے دیکھنا یہ بات ہی اس کے لئے جان لیوا تھا، وہ اسے کسی اور کے ساتھ برداشت نہیں کر سکتی تھی، کیونکہ وہ اس سے محبت کرنے لگی تھی، بے پناہ محبت۔

اس نے تو کہا تھا اسے کچھ ضروری کام ہے اس لئے چھٹی چاہیے تو کیا اس کا ضروری کام یہ تھا، فاریہ نے نم آنکھوں سے سوچا۔

''وہ لڑکی کون تھی؟ اور احسن اس کے ساتھ کیا کر رہا تھا؟ کیا وہ احسن کی کوئی دوست یا کزن تھی، یا پھر احسن کی محبت؟'' اس کے ذہن میں سوالوں کے انبار لگ چکے تھے، اس کا دل چاہا وہ ابھی احسن کو کال کرے اور اس سے پوچھے کہ وہ لڑکی کون تھی اور اس کے ساتھ وہاں کیا کر رہا تھا؟ لیکن وہ اس کو کس حق سے پوچھتی، وہ اس کی باس تھی تو کام کی حد تک، اس کی ذاتی زندگی کے بارے میں اس سے سوال کرنے کا حق نہیں رکھتی تھی اور اگر وہ اس سے محبت کرتی بھی تھی تو کیا احسن اس سے محبت کرتا تھا؟ احسن نے کبھی کہا تھا کہ وہ فاریہ سے محبت کرتا ہے؟ یا فاریہ نے کبھی اس سے پوچھا تھا کہ وہ اس کو اس طرح سوچتا ہے کہ نہیں جس طرح وہ اس کے لئے سوچتی ہے، وہ سوچتے سوچتے ایک بار پھر روہانسی ہو گئی، اس کی چائے ٹھنڈی ہو چکی تھی اور دل ہر چیز سے اچاٹ ہو گیا تھا، فاریہ نے چائے پیئے بنا ہی کمرے کی لائٹ آف کر دی اور اندھیرے میں بھی کمرے کی چھت کو گھورنے لگی، کھڑکی کے شیشے سے لان میں جلتی لائٹز کی روشنی ہلکی ہلکی اس کے کمرے میں داخل ہو رہی تھی، اسے اس وقت اتنی سی روشنی بھی اچھی نہیں لگ رہی تھی، فاریہ نے بیڈ سے اتر کر پردے ٹھیک کیے اور واپس آ کر لیٹ گئی۔

اس کی آنکھوں سے آنسو متواتر بہہ رہے تھے اور وہ خاموش آنسوؤں کے ساتھ رات دیر تلک روتی رہی، اس کے سامنے نہ چاہتے ہوئے بھی احسن کا چہرہ چلا آتا تھا، ہنستا مسکراتا چہرہ، جس کو پہلی نظر میں دیکھتے ہی وہ اپنا آپ گنوا بیٹھی تھی، فجر کی اذان اس کے کانوں میں پڑی تو احساس ہوا وہ کب سے رو رہی ہے، اسے آج اپنے امی ابو پہلے سے بھی زیادہ یاد آ رہے تھے، فاریہ نے اٹھ کر وضو کیا اور فجر کی نماز پڑھنے لگی، نماز پڑھنے کے بعد اس نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو ایک بار پھر اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات ہونے لگی۔

وہ سجدے میں چلی گئی، کافی دیر اسی حالت میں رہ کر اللہ سے باتیں کرتی رہی، اللہ کو اپنے دکھ درد سناتی رہی اور اللہ ہی واحد ایسی ذات ہے جو ہر انسان کو سنتا ہے، کبھی نہیں اکتاتا، کبھی بولنے سے نہیں روکتا، وہ جب روتے روتے تھک گئی تو سیدھی ہو کر بیٹھ گئی، اللہ کے سامنے یوں اپنا دل کا

حال بیان کرنے کے بعد اس کے دل کا بوجھ کچھ ہلکا سا ہو گیا، وہ اٹھ کر کھڑکی کے پاس چلی آئی، کھڑکی کے اس پار سے آتا تیز بارش کے قطروں کا شور، اس کے اندر ایک طوفان برپا کر رہا تھا، بارش کے قطروں کی طرح فاریہ کے اندر بھی عجیب ہلچل مچی ہوئی تھی، کھڑکی کے شیشے پر ٹپ ٹپ گرتے بارش کے قطروں کو وہ بغور دیکھ رہی تھی، اس نے شیشہ کھول کر ہاتھ باہر کی جانب بڑھایا اور بارش کے قطروں کو اپنی ہتھیلی پر گرتا محسوس کیا، نرم گرم ہتھیلی پر ٹھنڈے بارش کے قطرے گرتے محسوس ہوئے تو اسے بہت اچھا محسوس ہوا، وہ کتنے لمحے یونہی کھڑی بارش کو دیکھتی رہی، وہ ساری رات جاگتی رہی تھی اور اب نیند اس پر حاوی ہو رہی تھی، وہ بیڈ پر آ کر لیٹ گئی، چند لمحے وہ یونہی کروٹیں بدلتی رہی اور پھر کچھ ہی دیر میں نیند نے اسے اپنی آغوش میں لے لیا اور وہ اپنے نرم گرم بستر پر کتنی ہی دیر سکون سے سوتی رہی۔

سکون گم ہو جائے تو اسے دنیا میں تلاش نہیں کرنا چاہیے بلکہ اللہ کی جانب رجوع کرنا چاہیے، دنیا والے آپ کو سکون نہیں دے سکتے بلکہ سکون کے نام پر بہت سی اذیتوں سے گزارتے ہیں، لیکن ایک ہی ذات ہے جو اپنے بندے کو کبھی مایوس نہیں ہونے دیتی، جب بھی بے سکونی محسوس ہو تو دنیا والوں کے سامنے اپنی پریشانیوں دکھ دردوں کا رونا رونے سے بہتر ہے اللہ کے سامنے جھک کر سکون طلب کیا جائے۔

دنیا کی خواہشات دنیا میں ہی دم توڑ جاتی ہیں، اگر باقی کچھ بچتا ہے تو ہمارا اللہ پر پختہ ایمان، جس کی بنیاد پر ہم اپنی اگلی زندگی سنوار سکتے ہیں، اس نے بھی اللہ کی طرف پہلا قدم بڑھایا تھا، کیونکہ وہ بے بس ہو رہی تھی اور اسے اس پہلے قدم میں ہی بہت سکون ملا تھا اور اب وہ ساری رات بے سکونی سے گزارنے کے بعد فجر کی نماز ادا کر کے سکون سے سو رہی تھی۔

☆☆☆

صبح جب فاریہ کی آنکھ کھلی تو نو بج رہے تھے، اس نے سامنے دیوار پر لگی گھڑی پر وقت دیکھا تو اس کا اٹھنے کا بالکل دل نہیں چاہا، وہ اسی طرح لیٹی رہی، اس کی آنکھیں بند تھیں لیکن وہ جاگ رہی تھی، کتنی ہی دیر یونہی لیٹے رہنے کے بعد اس نے ایک بار پھر منہ سے کمبل ہٹا کر گھڑی پر وقت دیکھا تو ساڑھے نو ہو چکے تھے، وہ اٹھ کر بیٹھ گئی، فاریہ نے اپنے کھلے بالوں کا جوڑا بناتے ہوئے انہیں کیچر میں بند کیا اور اٹھ کر وارڈ روب کے سامنے چلی آئی، سفید کلر کے سوٹ کے ساتھ اس نے سیاہ رنگ کی شال نکالی اور واش روم میں گھس گئی، چند لمحوں بعد جب وہ فریش ہو کر باہر آئی تو اس نے ایک نظر غور سے خود کو دیکھا، اس کی آنکھیں سوجھی ہوئی لگ رہی تھیں، اس کو دیکھ کر کوئی بھی کہہ سکتا تھا کہ وہ بہت دیر تک روتی رہی ہے۔

اس نے اپنی آنکھوں کا حال کاجل کی مدد سے چھپانا چاہا جس میں وہ کچھ حد تک کامیاب بھی ہوئی تھی، بالوں میں برش کرنے کے بعد ہلکی سی لپ اسٹک لگائی اور باہر چلی آئی، منصورہ بیگم ڈائننگ ٹیبل پر پہلے سے موجود تھیں اور ان کے ساتھ تیمور بھی تھا، ان دونوں ماں بیٹے نے اس کو بغور دیکھا اور منصورہ بیگم مسکراتی ہوئیں بولیں۔

''ماشاء اللہ، سفید رنگ تم پہ بہت جچ رہا ہے، بلکہ تم ہو ہی اتنی پیاری کے تم پر ہر رنگ کھلتا ہے۔'' انہوں نے دل کھول کر اس کی تعریف کی تو تیمور نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

''شکریہ۔'' وہ ہلکی سی مسکان لبوں پہ سجاتے

ہوئے بس اتنا ہی کہہ سکی۔

''چلو آؤ اب ناشتہ کرلو۔'' منصورہ بیگم نے اس کے لئے پلیٹ میں آملیٹ رکھتے ہوئے کہا تو وہ خاموشی سے بیٹھ کر بے دلی سے ناشتہ کرنے لگی، تیمور اس کی ایک ایک حرکت نوٹ کر رہا تھا، لیکن وہ ان دونوں سے بے نیاز اپنی ہی سوچوں میں گم تھی، ناشتہ کرنے کے بعد تیمور اٹھ کر اپنے روم میں جانے لگا تو منصورہ بیگم کی آواز پر ٹھہر گیا۔

''تم ہاسپٹل جا رہے ہو تو فاریہ کو بھی لے جاؤ، جانا تو اسے راستے سے ہے نا۔''

''نہیں، میں خود چلی جاؤں گی اور ویسے بھی مجھے ابھی کچھ دیر سے ہی جانا ہے، تیمور کو دیر ہو جائے گی۔'' فاریہ فوراً سے بولی۔

''او کے جیسی تمہاری خوشی۔'' منصورہ بیگم نے نرم لہجے میں کہا تو تیمور بنا کچھ کہے وہاں سے چلا گیا، فاریہ نے شکر کیا کہ وہ وہاں سے چلا گیا، اسے اس کی موجودگی میں سانس لینا بھی محال ہو جاتا تھا نہ جانے وہ کس طرح اسے دیکھتا تھا کہ فاریہ کو لگتا وہ ابھی اسے انہی نظروں سے کھا جائے گا۔

ناشتہ کرنے کے بعد وہ اپنے روم میں چلی آئی، اس کا ہوٹل جانے کا بھی دل نہیں چاہ رہا تھا لیکن نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے اپنا ہینڈ بیگ اٹھایا اور گھر سے نکل آئی، ڈرائیور اس کو دیکھ کر اس کی جانب بڑھا لیکن اس نے اسے اپنے ساتھ آنے سے منع کر دیا۔

''واپسی پر آپ کو کال کر دوں گی۔'' وہ بس اتنا کہہ کر آگے بڑھ گئی، ڈرائیور نے مودب انداز میں سر ہلاتے ہوئے اس کو جانے کا راستہ دیا اور وہ گیٹ پار کرتی ہوئی باہر نکل آئی۔

برف سے ڈھکے پہاڑ، کہیں دھوپ اور کہیں بادلوں کا سایہ تھا، اس دھوپ چھاؤں کے امتزاج میں وہ تنہا اداس سی چلتی جا رہی تھی، اس نے ہوٹل جانے کے بجائے پہاڑ پر بنی ایک کافی شاپ کا روخ کیا، پہاڑوں کے اوپر ہی باہر کرسیاں اور میز لگے تھے، وہ ان میں سے ایک پر جا کر بیٹھ گئی، وہ نہ جانے کن خیالوں میں ڈوبی تھی، قریب ہی پانی کا ایک چشمہ جو پورے زور و شور سے جاری تھا اور اس شور کی وجہ سے اس کے خیالوں کے سلسلے بار بار ٹوٹ رہے تھے، برف کے پہاڑوں سے ٹکرا کر آتی دھوپ اس کی آنکھوں کو چندھیانے پر مجبور کر رہی تھی، لیکن اس نے سامنے میز پر رکھے سن گلاسز کو اٹھا کر لگایا نہیں۔

وہ پھر سے اپنی سوچوں میں گم ہو چکی تھی، پاس سے گزرتے ویٹر نے اس کو جاتے جاتے کافی کا پوچھا لیکن اس کے کانوں میں شاید اس کی آواز نہیں پڑی تھی، ویٹر چند لمحے اس کے جواب کا منتظر کھڑا رہا لیکن جواب نہ ملنے پر وہ دوسرے ٹیبل کا آرڈر لکھنے لگا، دھوپ، بادل، برف، پہاڑ پانی سب اپنی دھن میں مگن تھے اور بالکل انہی کی طرح وہ بھی اپنے آپ میں گم بیٹھی تھی ایسا لگ رہا تھا یہ سارے سحر انگیز مناظر اس کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتے۔

ہاں شاید اب اس کے لئے کوئی بھی کچھ بھی معنی نہیں رکھتا تھا، وہ خود اپنے لئے بھی اب کوئی معنی نہیں رکھتی تھی، نہ جانے کیوں اس کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی جس کو چھپانے کے لئے اس نے ٹیبل سے سن گلاسز اٹھا کر لگا لئے اور اٹھ کر ہوٹل کی طرف چل پڑی، جانے سے پہلے اس نے اپنے بیگ سے کچھ پیسے نکالے اور ویٹر کو تھما دیئے، اس نے کافی نہیں پی تھی لیکن پھر بھی اس نے ویٹر کو پیسے ضرور دیئے تھے۔

وہ ایسی ہی تھی، فراخ دل کی مالک، ہوٹل

پہنچی تو گیارہ بج چکے تھے اور آج شام کو ان کے ہوٹل میں فنکشن بھی تھا، وہ اپنے آفس میں بیٹھی شام کے فنکشن کی ڈیٹیل چیک کر رہی تھی جب دروازے پر دستک دیتا ہوا احسن اندر داخل ہوا، اس نے سامنے وائٹ پینٹ پر ریڈ کلر کی شرٹ پہنے احسن کو دیکھا، وہ کافی ہینڈسم لگ رہا تھا۔

''السلام علیکم، کیسی ہیں میم؟'' احسن نے خوش اخلاقی سے پوچھا۔

''وعلیکم السلام، جی ٹھیک۔'' وہ کچھ کھوئے کھوئے سے انداز میں بولی۔

''آپ کی تو آج کی بھی لیو تھی نا، تو پھر؟'' فاریہ نے اس کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے کہا۔

''جی لیکن جو کام تھا وہ کل ہی ہو گیا، سو آج کی چھٹی کی وجہ ہی نہیں رہی اس لئے میں اپنی ڈیوٹی پر چلا آیا۔'' احسن نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہوں گڈ۔''

''آپ کچھ پریشان لگ رہی ہیں؟'' احسن نے اس کو یوں چپ دیکھ کر پوچھا۔

''نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں، بس طبیعت کچھ ناساز ہے آج۔'' فاریہ نے کرسی سے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

''اور پھر تو آپ کو آج ریسٹ کرنا چاہئے تھا۔''

''مجھے اگر آپ کے آنے کا اندازہ ہوتا تو میں آج نہ آتی، خیر اب آئی ہوں تو جلدی چلی جاؤں گی۔'' اس نے ٹیبل پہ بکھرے کاغذ سمیٹتے ہوئے ایک فائل میں ترتیب سے رکھتے ہوئے کہا۔

''جی بہتر، اوکے میں شام کے فنکشن کی تیاریاں چیک کر لوں۔'' وہ کہتا ہوا باہر نکل گیا اور فاریہ اس کو جاتا دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆

آج وہ ہوٹل سے جلدی نکل گئی تھی، اس نے تیمور کے گھر جانے کے بجائے ڈرائیور کو اپنے گھر جانے کا کہا تو ڈرائیور اس کے حکم کے مطابق اس کے گھر کی جانب روانہ ہو گیا، گھر پہنچی تو چوکیدار اس کو دیکھتا فوراً اس کی جانب بڑھا، اس نے فاریہ کو سلام کیا اور خوش اخلاقی سے اس کا حال احوال جانا، وہ نرمی سے اس کی باتوں کا جواب دے کر اندر کی جانب بڑھ گئی، سب ملازم شاید اپنے اپنے کوارٹرز میں تھے، فاریہ نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا تو اندر داخل ہوتے ہی اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

جیسے وہ کئی دنوں سے سانس روکے ہوئے تھی، اپنے گھر آ کر اسے عجیب سی خوشی محسوس ہو رہی تھی، جس کی وجہ سے اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی، وہ بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی، یہ وہ بستر تھا جس کے بغیر اسے کہیں نیند نہیں آتی تھی، لیکن حالات کب بدل جائیں انسان کو اندازہ نہیں ہوتا، منصورہ بیگم کے گھر بھی اس کو ہر آسائش ملی تھی لیکن وہ گھر اس کا اپنا نہیں تھا، وہ گھر تیمور کا تھا، جس بات کا طعنہ وہ تیمور سے کئی بار سن بھی چکی تھی، اپنے گھر میں داخل ہوتے ہی اسے ذہنی اور دلی سکون حاصل ہوا تھا۔

اس کا دل چاہا اب وہ کبھی واپس نہ جائے، تیمور کو بتائے کہ وہ بے گھر نہیں ہے، اس کا گھر ہے، وہ اس کے گھر کے بنا بھی ایک اچھے اور اپنے ذاتی گھر میں رہ سکتی ہے، لیکن وہ محض منصورہ بیگم کی وجہ سے خاموش رہتی تھی، کیونکہ وہ اسے پاؤں کی طرح چاہتی تھیں، اس کا بہت خیال رکھتی تھیں، وہ اکثر فاریہ سے کہتی تھیں کہ انہیں فاریہ میں اپنی بہن نظر آتی ہیں اور فاریہ کی شکل تھی بھی اپنی امی پر ہی۔

وہ اٹھ کر باہر آئی تو ملازمہ اسی کے کمرے کی جانب بڑھ رہی تھیں، شاید سب ملازموں کو اس کے آنے کی اطلاع مل چکی تھی اسی لئے سب ملنے آرہے تھے۔

اس نے گھر کے ملازموں کو کبھی ملازم نہیں سمجھا تھا، وہ ان سب سے ہمیشہ محبت اور عزت سے پیش آتی تھی اور یہ سب اس کے والدین کی تربیت کا اثر تھا، اس کے والدین نے اس پرورش بہت اچھے طریقے سے کی تھی۔

''بیٹا آپ کے بغیر تو اس گھر کی رونق بالکل ہی ختم ہو چکی ہے، پہلے بڑے صاحب اور بی بی جی ہمیں ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر چلے گئے اور ان کے بعد آپ بھی اس گھر کو ویران کر گئیں۔'' آیا ماں نے محبت بھرے لہجے میں کہا تو وہ دکھ بھری مسکراہٹ لبوں پر سجاتی ہوئی بولی۔

''گھر کی رونق مکینوں سے ہوتی ہے، جب مکین ہی نہ رہیں تو گھر کسی ویران جنگل کی طرح ہی لگتا ہے۔''

''ٹھیک کہا بیٹا۔'' آیا ماں اثبات میں سر ہلاتی ہوئی بولیں۔

''اچھا میں اپنے کمرے میں ہوں، کچھ وقت اکیلے گزارنا چاہتی ہوں، آپ کسی کو اب میرے کمرے میں مت آنے دیجئے گا۔''

''جی بہتر۔''

''اور چوکیدار سے کہیں کہ وہ ڈرائیور کو جانے کا کہہ دے آج رات میں یہیں رکوں گی۔'' فاریہ کی بات پر خانساماں اثبات میں سر ہلاتی ہوئی باہر چلی گئیں اور وہ اپنے کمرے میں واپس چلی آئی۔

☆☆☆

''فاریہ کہاں ہے رات کو کھانے پر بھی نظر نہیں آئی؟'' تیمور نے چائے کا کپ پکڑتے ہوئے منصورہ بیگم سے پوچھا۔

''اپنے گھر گئی ہے، کہہ رہی تھی ایک دن اپنے گھر میں رہنا چاہتی ہے تو میں نے انکار کرنا مناسب نہیں سمجھا۔''

''اچھا کیا۔'' اس نے ٹی وی کا چینل بدلتے ہوئے پرسکون انداز میں کہا، تیمور تو چاہتا ہی یہ تھا کہ وہ یہاں نہ رہے۔

''تیمور ایک بات پوچھوں؟''

''جی امی۔'' تیمور نے ان کی جانب دیکھ کر کہا۔

''تمہیں فاریہ کیسی لگتی ہے؟''

''جیسی ہے ویسی لگتی ہے۔'' تیمور نے سرسری سے انداز میں کہا۔

''میرا مطلب ہے کہ تمہارے اس کے بارے میں کیا خیالات ہیں؟''

''میرا اس کے بارے میں محض اتنا سا خیال ہے کہ اب آپ اس کو جلد از جلد اس گھر سے رخصت کر دیں۔'' تیمور کے لہجے میں ناگواری تھی۔

''مطلب؟'' منصورہ بیگم نے ناسمجھی سے اس کو گھورا۔

''مطلب کہ اب اس کی شادی کر دینی چاہیے۔'' وہ جلدی سے بات کا رخ بدل گیا۔

''ہاں میں بھی یہی سوچ رہی ہوں لیکن۔'' وہ کچھ کہتے کہتے ٹھہر گئیں۔

''لیکن؟'' تیمور نے سوالیہ نظروں سے ان کی جانب دیکھا۔

''لیکن میں فاریہ کو اپنی بہو بنانا چاہتی ہوں۔'' منصورہ بیگم کی بات نے تیمور کو ساکت کر دیا تھا۔

''امی آپ نے ایسا سوچ بھی کیسے لیا کہ میں فاریہ سے شادی کروں گا؟'' تیمور ایک دم

غصے میں آ گیا۔
"لیکن اس میں برائی ہی کیا ہے، فاریہ بہت اچھی لڑکی ہے، میری بہت پہلے سے خواہش ہے اسے اپنی بہو بنانے کی۔" منصورہ بیگم نرمی سے بولیں۔
"امی وہ اچھی لڑکی ہے یا بری مجھے اس سے کچھ لینا دینا نہیں اور پلیز آپ اب مجھ سے اس بارے میں دوبارہ کوئی بات مت کیجئے گا۔" وہ سخت لہجے میں کہتا ہوا اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا آیا، لیکن منصورہ بیگم اس کے اس رویے پر اس کو دیکھ کر رہ گئیں۔
وہ ان کا کوئی بھی فیصلہ رد نہیں کرتا تھا لیکن آج اچانک اسے ان کی کس بات پر غصہ آ گیا تھا کہ وہ یوں اٹھ کر چلا گیا تھا، شادی کی بات پر یا پھر فاریہ سے شادی کی بات پر، وہ کچھ سمجھ نہیں سکی تھیں اس لئے انہوں نے فی الحال اس بات کو یہیں پر چھوڑ دینا مناسب سمجھا تھا اور پھر چند لمحے یونہی سوچتے رہنے کے بعد خود بھی اٹھ کر اپنے کمرے میں سونے کے لئے چلی گئیں۔

☆☆☆

وہ آنکھیں بند کئے بیٹھی تھی جب موبائل کی رنگ ٹون نے اس کی توجہ اپنی جانب کھینچ لی، اس نے ہاتھ بڑھا کر بیڈ کی سائیڈ ٹیبل سے موبائل اٹھایا اور بنا نمبر دیکھے ہی کال ریسیو کر لی۔
"آخر تم خود کو سمجھتی کیا ہو؟"
"کیوں تم نے میرا جینا حرام کر رکھا ہے، ماں باپ تمہارے مرے ہیں اور تمہیں بھگتنا مجھے پڑ رہا ہے۔" وہ بنا سوچے سمجھے بولتا جا رہا تھا۔
"تیمور۔" وہ بمشکل بس اتنا ہی بول پائی۔
"خبردار اگر تم نے میرا نام بھی لیا تو، زبان کھینچ لوں گا تمہاری، تمہارے منہ سے اپنا نام سن کر اب مجھے اپنے نام سے بھی نفرت ہونے لگی ہے، دیکھو فاریہ میری بات کان کھول کر سن بھی لو اور سمجھ بھی، یہ تم جو امی کے ارد گرد گھوم کر اپنی راہیں صاف کرنا چاہتی ہو ان میں میں تمہیں ہرگز کامیاب نہیں ہونے دوں گا، میرے گھر میں مہمان بن کر آئی ہو تو مہمان بن کر ہی رہو گی تو اچھا ہو گا تمہارے لئے بھی اور میرے لئے بھی۔"
"میرا قصور کیا ہے؟"
"تمہارا قصور اتنا سا ہے کہ جب سے تم میرے گھر آئی ہو، میرا سکون برباد ہو گیا ہے اور رہی سہی کسر آج امی کی بات نے نکال دی ہے۔"
"کون سی بات؟" وہ ناسمجھی سے بولی۔
"تمہیں اپنی بہو بنانا چاہتی ہیں وہ۔" وہ ناگواری سے بولا تو فاریہ بھی اس کی بات پر دھنگ رہ گئی۔
"کیا؟"
"اب ایسے ری ایکٹ مت کرو جیسے تم کچھ جانتی ہی نہیں۔" اس کو فاریہ کی لاعلمی پر یقین نہیں ہوا تھا۔
"مجھے واقعی ہی اس بارے میں کچھ نہیں معلوم اور نہ ہی خالہ نے میرے سامنے کبھی ایسی کوئی بات کی ہے۔" فاریہ فوراً سے بولی۔
"وہ تمہارے سامنے اس بارے میں کوئی بات کریں یا نہ کریں لیکن اگر میرے سامنے آئندہ اس بات کا ذکر ہوا تو اچھا نہیں ہو گا۔" اس نے اپنی بات کہہ کر غصے سے فون بند کر دیا، فاریہ اٹھ کر بیٹھ گئی، اسے منصورہ بیگم پر غصہ آنے لگا۔
"ایک تو وہ پہلے ہی مجھے ناپسند کرتے ہیں اوپر سے میری اور ان کی شادی کی بات کر کے انہوں نے میرا اس گھر میں رہنا اور محال کر دیا ہے۔" فاریہ نے بے بسی سے سوچا۔
"اور اگر خالہ نے تیمور سے اپنی خواہش کا اظہار کیا ہے تو وہ مجھ پر کیوں اتنا بھڑک رہے

ہیں اس میں میری کیا غلطی ہے۔" وہ اپنے بالوں کو دونوں ہاتھوں کی انگلیوں میں مضبوطی سے جکڑے سوچنے لگی۔

"مجھے ہی ان سب مسئلوں کا حل نکالنا پڑے گا اور بہت جلد نکالنا پڑے گا۔" اس نے سوچتے ہوئے سر بیڈ کی پشت سے ٹکا دیا اور ایک بار پھر آنکھیں بند کر لیں۔

☆☆☆

اس کے ایگزامز ختم ہو چکے تھے اور اب وہ واپس پاکستان جانے کی تیاریوں میں تھا، لیکن جانے سے پہلے وہ ایک بار عینی سے ضرور ملنا چاہتا تھا، اس نے اپنی جیب سے موبائل نکالا اور عینی کا نمبر ڈائل کیا، بیل مسلسل جا رہی تھی لیکن کوئی کال ریسیو نہیں کر رہا تھا، اسے اپنی بے بسی پر شدید غصہ آنے لگا، ہاتھ میں پکڑا موبائل اس نے سامنے دیوار میں دے مارا۔

"آخر سمجھتی کیا وہ خود کو؟ کہ میں ہمیشہ یونہی اس کے پیچھے پاگلوں کی طرح بھاگتا رہوں گا۔" وہ غصے سے چلایا تھا، فلیٹ میں اس وقت اگر اس کے علاوہ کوئی موجود ہوتا تو یقیناً اس کے یوں چلانے پر سہم جاتا۔

"یہ لڑکیاں ہوتی ہی ایسی ہیں، محبت نہ ملے تو مرد کی بے وفائی کا جگہ جگہ ڈھینڈورا پیٹتی ہیں۔"

"اور اگر کوئی مرد سچے دل سے ان پر مر مٹے تو اسے اپنے پیچھے ذلیل و خوار کر دیتی ہیں۔"

"یہ اس قابل ہوتی ہی نہیں کہ ان سے نفرت یا محبت کی جا سکے، یہ کسی بھی رشتے کے لائق نہیں ہوتیں، نہ محبت کے نہ نفرت کے اور نہ ہی کسی ہمدردی کے، ان کو ہمیشہ ان کی اوقات میں رکھو تو یہ تب ہی ٹھیک رہتی ہیں۔" وہ اتنے دنوں کا ضبط کیا غصہ آج چیزوں کی توڑ پھوڑ اور چیخ چلا کر نکال رہا تھا۔

"آج کے بعد میں تمہیں کبھی بھی یاد نہیں کروں گا عینی اور تم بھی یہی دعا کرنا کہ زندگی میں کبھی میرا تم سے اب کبھی سامنا نہ ہو سکے۔" وہ نم آنکھوں سے لیکن سخت لہجے میں بڑبڑایا۔

"تمہاری یادیں، باتیں، جھوٹے قسمیں وعدے میں سب کچھ یہیں لندن میں دفن کر کے جا رہا ہوں، اب میں کبھی تمہارے راستے میں نہیں آؤں گا، کبھی نہیں۔" وہ خود سے باتیں کیے جا رہا تھا، اس کی کیفیت اس وقت عجیب ہو رہی تھی۔

کل صبح کی فلائٹ سے اسے پاکستان پہنچنا تھا اور پاکستان جانے سے پہلے وہ خود کو کمپوز کر لینا چاہتا تھا، وہ نہیں چاہتا تھا اس کی فیملی اس کے حال پر ترس کھائے، اسے ہمدردیوں سے بھی اب نفرت ہونے لگی تھی، اس کا ہر طرح کی محبت سے یقین اٹھ چکا تھا، اسے اگر اب کچھ یاد تھا تو نفرت، محض نفرت، اسے ہر اس انسان سے نفرت ہو گئی تھی جو کسی سے محبت کے دعوے کرتا تھا، یا اس کے سامنے محبت کا ذکر بھی کرتا تھا، ہاں یہ کہنا ٹھیک تھا کہ اسے اب محبت سے نفرت ہو چکی تھی۔

الفت بغیر رقیب کے دیتی نہیں مزہ
الجھن اگر نہ ہو تو محبت فضول ہے

☆☆☆

"احسن اگر آپ برا نہ مانیں تو آپ سے ایک بات پوچھ سکتی ہوں؟" فاریہ نے جھجکتے ہوئے کہا، احسن جو کہ اپنے لیپ ٹاپ پر کسی کام میں مصروف نظر آ رہا تھا اس نے سامنے کرسی پر بیٹھی فاریہ کو نظر اٹھا کر دیکھا۔

"جی میم پوچھیے۔"

"وہ جس دن آپ چھٹی پر تھے۔" وہ ایک لمحے کو رکی، احسن اس کی بات مکمل ہونے کا منتظر تھا۔

"جس دن آپ چھٹی پر تھے، اس دن میں نے آپ کو مارکیٹ میں دیکھا تھا، کسی لڑکی کے ساتھ، وہ لڑکی آپ کی؟" فاریہ کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی احسن مسکراتا ہوا بول پڑا۔

"She is my fiances"۔

"آہ۔" دل پہ جیسے بہت بھاری بوجھ آن پڑا تھا، جو وہ نہیں سننا چاہتی تھی، اس کی سماعتوں نے نہ چاہتے ہوئے بھی وہی سنا تھا، اس کی آنکھوں کے کونے بھیگنے لگے جن کو چھپانے کے لئے اس نے جلدی سے سامنے میز پر پڑا میگزین اٹھا کر اپنے چہرے کے سامنے کھول کر پڑھنے کی اداکاری کرنے لگی۔

احسن کو اس کا یہ انداز کچھ عجیب سا لگا تھا لیکن اس نے فاریہ سے کچھ بھی پوچھا نہیں اور واپس اپنے کام میں مگن ہو گیا، دفعتاً فاریہ کے سیل پر آنے والی منصورہ بیگم کی کال نے دونوں کو چونکا دیا، فاریہ نے کال ریسیو کی تو بات کرتے کرتے اٹھ کر اس کے آفس سے باہر چلی آئی، احسن نے جاتے جاتے اس کی آنکھوں کی سرخی اور بھرائی ہوئی آواز سے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ رو رہی ہے، لیکن کیوں؟ وہ اس وقت اس کے آفس میں بیٹھی، میگزین میں چہرہ چھپائے آخر کیوں رو رہی تھی، احسن کو کسی غیر معمولی پن کے احساس نے آ گھیرا، وہ لیپ ٹاپ بند کر کے باہر چلا آیا، فاریہ ہوٹل کے لابی میں کھڑی فون پر بات کر رہی تھی، احسن اس کے فون بند ہونے کے انتظار میں تھا، فون بند ہوا تو اس نے فاریہ کو ہوٹل سے نکلتے دیکھا، وہ جلدی سے اس کی جانب لپکا۔

"ایکسیوزمی میم۔" اس نے فاریہ کو پکارا تو اس نے مڑ کر احسن کو دیکھا۔

"آپ کہیں جا رہی ہیں؟" احسن کے سوال پر فاریہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کہاں؟" احسن کے یوں پوچھنے پر وہ حیرت سے اس کو دیکھنے لگی، آج سے پہلے اس نے کبھی اس سے یوں سوال نہیں کئے تھے۔

"کافی پینے۔" فاریہ نے مختصر جواب دیا۔

"کافی تو اپنے ہوٹل میں بھی مل سکتی ہے نا پھر آپ دوسرے ہوٹلز اور کیفے میں کیوں جاتی ہیں؟" احسن نے دونوں بازو سینے پر باندھتے ہوئے سوالیہ نظروں سے فاریہ کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"انسان وہیں جاتا ہے جہاں اسے سکون کے کچھ لمحے درکار ہیں اور جہاں میں جاتی ہوں وہ میری پسندیدہ جگہوں میں سے ایک ہے۔" فاریہ نے آگے کی جانب بڑھتے ہوئے جواب دیا۔

"تو کیا آپ کو اپنا ہوٹل پسند نہیں۔" احسن قدم سے قدم ملا کر اس کے ساتھ چلنے لگا۔

"میں نے ایسا کب کہا، یہ ہوٹل میرے بابا کی محنت کا نتیجہ ہے، یہ مجھے بہت عزیز ہے اور سب جگہوں سے بہت پیارا ہے۔" فاریہ نے اس کو دیکھے بنا کہا۔

"ہوں۔" احسن نے ہنکارا بھرا۔

"آپ کہاں جا رہے ہیں؟" فاریہ کو اچانک خیال آیا کہ وہ اس کے ساتھ ہوٹل سے نکل آیا ہے اور اسی کے ساتھ چل رہا ہے۔

"آپ کے ساتھ، کافی پینے۔" احسن نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"کیوں یہ عنایت کس خوشی میں؟" فاریہ نے دل جلا دینے والی مسکراہٹ لبوں پر سجاتے ہوئے کہا۔

"آپ مسکراتی ہوئی بہت پیاری لگتی ہیں۔" احسن نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے اس کی مسکراہٹ کی تعریف کی جس پر اس نے نظر

اٹھا کر احسن کو دیکھا اور پھر بنا کچھ کہے خاموشی سے اس کے ساتھ چلنے لگی، وہ دونوں کافی شاپ پہنچے تو احسن نے دو کپ کافی کا آرڈر دیا، فاریہ خاموش تھی اور احسن کو اس کی خاموشی کی ہی وجہ سمجھ نہیں آرہی تھی کیونکہ وہ اس کے سامنے زیادہ دیر خاموش رہتی تھی کسی نہ کسی موضوع پر اس سے بات کرتی رہتی تھی۔

''آپ کچھ پریشان لگ رہی ہیں۔'' احسن نے بغور اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا تو فاریہ نے نظر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا۔

''نہیں بس ایسے ہی۔'' اس نے ہلکی سی مسکان لبوں پر سجاتے ہوئے جواب دیا۔

''آپ اداس اچھی نہیں لگتیں۔'' احسن اس کا موڈ خوشگوار کرنا چاہتا تھا۔

''تو میں کیسے اچھی لگتی ہوں؟'' فاریہ نے نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرا کر پوچھا۔

''ہنستی ہوئی، باتیں کرتی ہوئی۔'' احسن نے مسکرا کر کہا۔

''ہوں۔'' وہ اس کی بات کا کوئی جواب نہ دے پائی۔

''آپ کی منگنی کب ہوئی؟'' فاریہ نے دل پر پتھر رکھتے ہوئے سوال کیا۔

''میری منگنی کو دو سال ہو چکے ہیں۔'' احسن نے ویٹر سے کافی کے مگ لے کر ٹیبل پر رکھتے ہوئے جواب دیا۔

''پیاری ہے آپ کی منگیتر۔''

''تھینک یو۔'' احسن اس کی بات پر مسکرایا تھا۔

''میری طرف سے کبھی انوائیٹ کریئے گا انہیں کافی پر۔''

''جی ضرور۔''

''آپ شادی کب کریں گی؟'' فاریہ نے اس کے سوال پر چونک کر اس کی جانب دیکھا۔

''سوری اگر آپ کو میرا سوال برا لگا تو۔'' احسن اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر فوراً معذرت کرتا ہوا بولا۔

''نہیں، اٹس او کے، میرا فی الحال شادی کا کوئی موڈ نہیں۔''

''کیوں؟ کیا ابھی تک کوئی ملا نہیں؟''

''ملا تو تھا۔'' فاریہ نے بے ساختہ قصداً مسکراتے ہوئے کہا۔

''تو پھر؟''

''پھر کیا وہ بھی آپ کی طرح منگنی شدہ نکلا۔'' فاریہ کا جاندار قہقہہ کافی شاپ میں گونجا، احسن کو اس کی ہنسی کھوکھلی لگی تھی۔

''کیا وہ جانتا تھا کہ آپ انہیں پسند کرتی ہیں؟'' احسن نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''کچھ بتانے کی مہلت ہی نہیں ملی اس سے پہلے ہی اس کی منگنی ہو گئی۔'' فاریہ نے کافی کا مگ منہ کے قریب لے جاتے ہوئے جواب دیا۔

''منگنیاں ٹوٹ بھی تو سکتی ہیں۔''

''تو پھر آپ توڑ دیں۔'' اس کے منہ سے بے ساختہ یہی جملہ نکلا جسے سن کر احسن ایک لمحے کو ساکت رہ گیا۔

''مطلب؟'' فاریہ اپنی بات پر خود ہی شرمندہ ہو گئی، وہ جلدی سے خود کو کمپوز کرتی ہوئی بولی۔

''مطلب کہ اگر کوئی لڑکی آپ کو پسند کرتی ہو اور وہ آپ سے اپنی محبت کا اظہار کرے تو کیا آپ منگنی توڑ دیں گے؟''

''ہرگز نہیں، میں اپنی منگیتر کو بہت چاہتا ہوں۔'' احسن نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے فوراً جواب دیا۔

''تو ہو سکتا ہے جیسے آپ اپنی منگیتر کو چاہتے

ہیں ویسے وہ بھی اس کو بہت محبت کرتے ہوں اور میں نے کبھی کسی سے کچھ چھیننا نہیں سیکھا، تو میں کسی سے اس کا ہونے والا شریک حیات چھین کر خود کیسے خوش رہ سکوں گی؟'' فاریہ کا لہجہ بکھرا بکھرا مگر انداز مضبوط تھا۔

احسن کو اس پر بہت رحم آیا تھا، اسے فاریہ سے ہمدردی ہونے لگی تھی، لیکن وہ رحم یا ہمدردی نہیں محبت کی متلاشی تھی، اسے بھیک میں ملی ہوئی ہمدردیاں یا دلاسے نہیں چاہئے تھے، اسے محبت چاہئے تھی، محض محبت۔

''میری دعا ہے اللہ پاک آپ کو بہت محبت کرنے والا ہم سفر نوازے۔'' احسن کی دعا پر وہ ہلکا سا مسکرائی تھی، مگر اس کی مسکراہٹ بھی اس وقت اس کی آنکھوں کی نمی کو چھپا نہیں سکی تھی۔

محبت مر چکی مجھ میں
جنازہ بھی پڑھا میں نے
شامل تھے سبھی اس میں
تیرے وعدے تیری قسمیں
وہ اظہار کی باتیں
تیرے اقرار کی باتیں
بہت تڑپی بہت روئی
تسلی بھی ملی ان سے
کہا مت رو اے پگلی
یہاں سب دل لگی کرتے ہیں
محبت کون کرتا ہے؟
جنازہ پڑھ چکے تھے سب
پھر وقت جدائی تھا
دفنایا گیا محبت کو
مقام بھی مرا دل تھا
اب کبھی جو آتی ہے
یاد محبت، وہ گزری یادیں
تیرے وعدے تیرے قصے
میں خود کے گلے سے
لگ کر روتی ہوں
اور کہتی ہوں
خاموش ہو جا اے پگلی
یہاں سب دل لگی کرتے ہیں
محبت کون کرتا ہے؟

☆☆☆

وہ گھر پہنچی تو سیدھا منصورہ بیگم کے کمرے میں چلی آئی جہاں وہ کسی کتاب کا مطالعہ کر رہی تھیں، اس نے دروازے پر دستک دیتے ہوئے سلام کی تو وہ اس کو دیکھتے ہی مسکرا اٹھی۔

''آ گئی میری بیٹی۔'' اس کا کل والی بات کا غصہ ان کے اتنے میٹھے اور محبت بھرے لہجے کو سنتے ہی جھاگ کی طرح بیٹھ گیا، وہ ہلکا سا مسکائی اور ان کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔

''کیسی ہیں آپ؟''

''تمہارے جانے سے کچھ اداس ہو گئی تھی لیکن اب بالکل ٹھیک ہوں۔'' وہ ہنستے ہوئے بولیں۔

''کھانا کھاؤ گی؟'' انہوں نے نرمی سے پوچھا تو وہ انکار نہ کر سکی۔

''تیمور بھی بس ابھی ہی ہوسپٹل سے لوٹا ہے، میں نے اسے کہا بھی تھا کہ واپسی پر تمہیں پک کر لیتا لیکن اس نے کہا تم ڈرائیور کے ساتھ ہی آؤ گی۔''

''جی میں ڈرائیور کو صبح ہی کال کر کے کہہ چکی تھی کہ شام میں مجھے ہوٹل سے ہی پک کر لے۔'' وہ دونوں اٹھ کر کچن میں چلی آئیں جہاں خانساماں کھانا ریڈی کر چکی تھیں اور اب ڈائننگ ٹیبل پر لگا رہی تھیں، وہ دونوں باتوں کے ساتھ ساتھ خانساماں کا ہاتھ بٹانے لگیں۔

''کیسا لگا گھر جا کر؟''

''بہت اچھا، اس گھر میں میری زندگی کے بہت سے خوشگوار لمحوں کی یادیں ہیں۔'' فاریہ نے اداس لہجے میں جواب دیا۔

''اداس مت ہو، یہ گھر بھی تمہارا ہی ہے اور بس لمحوں کو خوشگوار بنانا انسان کے اپنے ہاتھ میں ہوتا ہے، تم یہاں بھی اپنی زندگی کے خوشگوار لمحے گزار سکتی ہو۔'' منصورہ بیگم نے نرمی سے کہا تو وہ بغور ان کو دیکھنے لگی مگر ان کی بات کے جواب میں خاموش ہی رہی۔

''چلو آؤ کھانا کھالو، باقی کی باتیں بعد میں کرتے ہیں، خانساماں آپ ذرا تیمور کو اس کے کمرے سے بلا لائیں۔'' وہ باہر ڈائننگ ٹیبل کی جانب بڑھتے ہوئے بولیں تو فاریہ کے بڑھتے قدم ایک لمحے کو تھم گئے، اسے تیمور کے سامنے جانے سے نہ جانے کیوں کوفت ہوتی تھی، اسکے سامنے اس کا سانس جیسے اٹک جاتا تھا، وہ کچن میں کھڑی یہی سوچ رہی تھی کہ تیمور کا سامنا کیسے کرے، اس کے غصے میں پہلے سے بھی زیادہ اضافہ ہوچکا تھا جب منصورہ بیگم کی آواز پر چونکی، وہ ڈائننگ ٹیبل پر اس کی منتظر تھیں، اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی قدم باہر کی جانب بڑھا دیئے، تیمور اپنی نشست سنبھال چکا تھا، فاریہ نے سہمتے ہوئے انداز میں سلام کیا جس کے جواب میں اسے خاموشی کے سوا کچھ نہیں ملا تھا، وہ محتاط سی ہو کر منصورہ بیگم کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گئی، منصورہ بیگم نے اس کے سلام کا جواب نہ دینے پر تیمور کو گھورا، وہ ان کی نظروں کو نظر انداز کرتا ہوا کھانا کھانے لگا، منصورہ بیگم فاریہ کے لئے خود کھانا ڈال کر اس کو پیش کرنے لگیں تو تیمور سے خاموش نہیں رہا گیا۔

''یہ کوئی چھوٹی بچی ہے جو آپ ہر وقت اس کے ناز نخرے اٹھائے رکھتی ہیں، اللہ نے ہاتھ پاؤں دے رکھے ہیں، اپنے کام خود بھی کر سکتی ہیں۔'' منصورہ بیگم کو تیمور سے اس قسم کی توقع نہیں تھی۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے تیمور؟''

''تم کس انداز میں بات کر رہے ہو؟'' منصورہ بیگم سخت لہجے میں مخاطب ہوئیں۔

''میں بدتمیزی نہیں کر رہا، محض اتنا کہہ رہا ہوں کہ یہ کوئی بچی نہیں ہے کہ اپنے لئے کھانا خود نہ ڈال سکے۔'' فاریہ کی آنکھوں کے سامنے کا منظر دھندلانے لگا، اس کے سفید گال سرخ ہونے لگے، اتنی تذلیل، آخر کیوں؟ تیمور کا اس نے کیا بگاڑ دیا تھا، وہ اب تک سمجھنے سے قاصر تھی۔

''اگر میں اس کے لئے کھانا نکال بھی دوں تو اس میں برائی کیا ہے؟ ماں بچوں کے کام کرے تو اس میں کوئی حرج تو نہیں۔'' منصورہ بیگم فاریہ کے حق میں بولیں۔

''آپ میری ماں ہیں، اس کی نہیں۔'' تیمور نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

فاریہ کرسی پیچھے گھسیٹتی ہوئی اٹھ کر اپنے کمرے میں بھاگ گئی، منصورہ بیگم چاہ کر بھی اسے روک نہ سکیں۔

''تیمور تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ تم فاریہ سے اس لہجے میں بات کرو۔'' وہ تیمور کو ڈانٹ رہی تھیں لیکن وہ کھانا کھانے میں یوں مگن تھا جیسے اس کے آس پاس کوئی تھا ہی نہیں، منصورہ بیگم کو اس کے اس انداز پر بے حد غصہ آیا مگر وہ مزید کچھ کہے بنا اٹھ کر فاریہ کے کمرے کی جانب بڑھ گئیں۔

☆☆☆

آج کافی دنوں بعد سورج کی سنہری کرنوں نے اپنا رنگ بکھیرا تھا، آسمان نکھرا نکھرا لگ رہا

تھا، وہ ہاتھ منہ دھو کر کمرے کی کھڑکی کے پردے ہٹانے لگی تو سورج کی چمکیلی کرنیں کمرے کے چارسو بکھر گئیں۔

سرسبز پہاڑوں پر سورج کی بکھری سنہری کرنیں بہت دلکش منظر پیش کر رہی تھیں، وہ کھڑکی میں کھڑی ان خوبصورت دلکش مناظر کو دیکھ رہی تھی جب دروازے پر دستک دیتی ہوئی ملازمہ ناشتہ لے کر اس کے کمرے میں داخل ہوئی، اس نے مڑ کر ملازمہ کی طرف دیکھا۔

''یہ کس نے بھیجا ہے؟'' فاریہ نے کھانے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''بیگم صاحبہ نے، وہ کہہ رہی تھیں آپ نے رات میں بھی کچھ نہیں کھایا اب ناشتہ ضرور کر لیجیے گا۔'' ملازمہ نے منصورہ بیگم کا پیغام دیا تو اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کھانا میز پر رکھنے کا اشارہ کیا، ملازمہ نے کھانا میز پر رکھا اور واپس پلٹ گئی، فاریہ کو کھانا دیکھتے ہی بھوک کا احساس ہونے لگا۔

رات کو کھانے کی میز پر تیمور نے جو کچھ کہا تھا اس کے بعد اس کا کھانے سے دل اٹھ گیا تھا اور روتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی آئی تھی، منصورہ بیگم اسے واپس لینے بھی آئیں تھیں لیکن اس نے جانے سے صاف انکار کر دیا تو وہ چپ چاپ خاموشی سے واپس پلٹ گئیں، لیکن اب جب انہیں اندازہ ہوا تھا کہ وہ جاگ چکی ہے تو انہوں نے اس کا کھانا کمرے میں ہی بھجوا دیا کہ ہوسکتا ہے وہ تیمور کی وجہ سے ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا نہ کھائے، فاریہ کو منصورہ بیگم پر پیار آ گیا، اس نے دل ہی دل میں انہیں بہت سی دعاؤں سے نوازا اور خاموشی سے بیٹھ کر ناشتہ کرنے لگی، ناشتے سے فراغت کے بعد اس نے منصورہ بیگم کے کمرے کا رخ کیا، تیمور بھی شاید ناشتہ کر کے ہاسپٹل جا چکا تھا، اسی لئے وہ اپنے کمرے سے نکلی تھی، منصورہ بیگم اسے دیکھتے ہی اس کی جانب بڑھیں۔

''میں تیمور کی طرف سے تم سے معذرت کرتی ہوں، وہ دل کا برا نہیں ہے لیکن کل اچانک اسے نہ جانے کیا ہو گیا تھا۔'' وہ شرمندگی سے بولیں تو فاریہ نے فوراً انہیں ٹوکا۔

''خالہ یہ آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں، ایک تو آپ مجھے میری ماں کہتی ہیں، اوپر سے مجھ سے معافی بھی مانگ رہی ہیں۔''

''مگر بیٹا تیمور......'' وہ اپنی بات مکمل کرتیں کہ فاریہ نے ایک بار پھر انہیں ٹوک دیا۔

''اگر مگر کچھ نہیں، جو ہوا اس پر میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتی اور آپ بالکل بے فکر رہیں، مجھے کسی سے کوئی شکایت نہیں۔'' فاریہ نے انہیں دونوں شانوں سے تھامتے ہوئے نرم لہجے میں کہا تو وہ کچھ مطمئن سی ہو گئیں۔

''خالہ جانی مجھے آپ سے کچھ بات کرنی تھی؟''

''ہاں بولو بیٹا۔''

''میں کچھ دنوں کے لئے لاہور چاچو کے پاس جانا چاہتی ہوں۔'' فاریہ نے ان سے اجازت لینا چاہی۔

''لیکن کیوں؟ کیا تم تیمور کی وجہ سے؟'' وہ اپنا جملہ ادھورا چھوڑ گئیں۔

''ارے نہیں، میں بس ویسے ہی لاہور جانا چاہتی ہوں، چاچو کی کئی بار کال آ چکی ہے، وہ چاہتے ہیں میں کچھ دنوں کے لئے ان کے پاس جا کر رہوں۔'' فاریہ کے دو چچا تھے ایک اسلام آباد اور دوسرے لاہور میں رہائش پذیر تھے۔

بڑے والے کی آنکھ بس فاریہ کی جائیداد پر تھی لیکن اس کے چھوٹے چچا کا مزاج اس کے ابو

جیسا تھا، وہ ایک اچھے اور سلجھے ہوئے انسان تھے۔

''اور ویسے بھی میں اپنی فرینڈز کو ملنا چاہتی ہوں، آپ تو جانتی ہیں میری سب دوست لاہور میں ہیں، میں جب یونیورسٹی جاتی تھی تو اکثر ہاسٹل سے چھٹیوں کے بعد چاچو کی طرف چلی جاتی تھی، آپ فکر نہ کریں وہ میرا بہت خیال رکھیں گے۔'' فاریہ نے انہیں تسلی دی۔

''لیکن تمہارے بڑے چچا کا مزاج تو میں خوب اچھی طرح سمجھتی ہوں، اگر چھوٹا بھی بدل گیا ہوا تو۔'' منصورہ بیگم نے پریشانی سے کہا۔

''خالہ! میں انہیں بہت اچھی طرح سمجھتی ہوں اور بڑے چاچو کا مزاج بھی جانتی ہوں، میں سمجھدار ہوں اچھا برا سمجھ سکتی ہوں، آپ میرے لئے اتنی فکر مت کیا کریں۔'' فاریہ نے محبت سے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کیسے فکر نہ کروں، تم میری بہن کی اکلوتی اور چہیتی اولاد ہو، میں تمہیں ذرا سی تکلیف میں بھی نہیں دیکھ سکوں گی۔''

''آپ بہت اچھی ہیں خالہ جانی!'' فاریہ نے محبت سے انہیں اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دیں۔

''اچھا اب بتائیں اجازت ہے نا میں کچھ دنوں کے لئے جا سکتی ہوں؟'' وہ شرارت سے مسکائی تھی۔

''جیسے تمہاری خوشی۔'' وہ اس کے ماتھے پر بوسہ دیتی ہوئیں بولیں تو فاریہ مسکراتی ہوئی ان سے لپٹ گئی۔

☆☆☆

وہ کچھ دنوں کے لئے اس شہر سے دور چلی جانا چاہتی تھی، جہاں احسن کی محبت اور تیمور کی نفرت اس کے لئے تکلیف کا باعث نہ بن سکتیں، وہ کچھ دن سکون سے رہنا چاہتی تھی۔

ہوٹل کی ساری ذمہ داری وہ احسن اور شکور صاحب پر چھوڑ کر کچھ دنوں کے لئے لاہور اپنے چچا طاہر صاحب کی طرف چلی آئی، طاہر صاحب اور ان کی بیوی شمائلہ بیگم نے اس کے آنے کا خوب اہتمام کیا، شمائلہ ایک پڑھی لکھی سلجھی ہوئی خاتون تھیں، وہ چاچو سے مل کر بہت خوش ہوئی تھی، ابو کی وفات کے بعد سے وہ آج پہلی بار ان کی طرف آئی تھی، چاچو بھی اپنی بھتیجی کو دیکھ کر خوش ہوئے تھے، آخر وہ ان کا خون تھی، ان کے بھائی کی اکلوتی چہیتی اولاد تھی، وہ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی طاہر صاحب سے باتوں میں مشغول تھی جب شمائلہ بیگم ملازمہ کے ہمراہ کولڈ ڈرنک لئے لاؤنج میں داخل ہوئیں، اس نے ان کے ہاتھ سے گلاس تھامتے ہوئے قریب پڑے میز پر رکھا۔

''اور سناؤ منصورہ آپا کیسی ہیں۔'' شمائلہ نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

''خالہ جانی بالکل ٹھیک ہیں، آپ سب کو سلام کہہ رہی تھیں۔'' فاریہ نے شمائلہ بیگم کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''اور تمہارا دل تو لگ گیا نا وہاں؟'' طاہر صاحب نے محبت سے پوچھا۔

''جی چاچو، خالہ میرا بہت خیال رکھتی ہیں، میری بہت فکر کرتی ہیں۔'' فاریہ کے لہجے میں ان کے لئے محبت نمایاں نظر آ رہی تھی۔

''ہوں، یہ تو بہت اچھی بات ہے، بس ہم تو یہی چاہتے ہیں ہماری بیٹی جہاں بھی رہے خوش رہے۔'' طاہر صاحب نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''میں تو چاہتا تھا تم یہیں شفٹ ہو جاؤ، لیکن منصورہ آپا نہیں مانیں اور پھر تم نے بھائی صاحب کا ہوٹل بھی تو بہت اچھے طریقے سے

سنبھال لیا ہے۔'' وہ اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے بولے۔

''جی، آہستہ آہستہ سب کام سمجھنے لگی ہوں کوئی مسئلہ ہو تو شکور اور احسن صاحب بہت اچھی طرح سے گائیڈ کر دیتے ہیں، ابو نے بہت اچھے اور ایماندار ورکرز کا انتخاب کئے رکھا تھا۔'' فاریہ نے گلاس تھامتے ہوئے کہا۔

''ہوں، اب آئی ہو تو کچھ دن خوب آرام سے رہ، ہر فکر سے آزاد۔'' شمائلہ بیگم مسکراتی ہوئیں بولیں۔

''عاصم اور فجر دکھائی نہیں دے رہے۔'' فاریہ نے اپنے کزنز کے بارے میں پوچھا۔

''فجر تو ابھی یونیورسٹی سے نہیں لوٹی اور عاصم ابھی کچھ دیر پہلے ہی کالج سے آ کر کھانا کھاتے ہی سو گیا تھا، تم بھی کافی تھک گئی ہوگی، سفر کر کے آئی ہو، کچھ دیر آرام کر لو۔'' طاہر صاحب نے نرمی سے کہا تو وہ اثبات میں سر ہلاتی ہوئی اٹھ گئی اور اس کمرے کی جانب بڑھ گئی جہاں وہ اکثر چاچو کی طرف آنے کے بعد رہا کرتی تھی، کمرے میں آتے ہی اس نے اے سی آن کیا اور بیڈ پر آ کر لیٹ گئی، بیڈ پر لیٹتے ہی اس نے آنکھیں موندلیں اور کچھ ہی لمحوں میں وہ گہری نیند سو چکی تھی۔

☆☆☆

وہ ابھی تک سو رہی تھی جب دھڑام سے دروازہ کھلنے کی آواز پر وہ ڈر کر اٹھ کر بیٹھ گئی، عاصم اور فجر کسی طوفان کی طرح کمرے میں داخل ہوئے تھے، اس نے مندی مندی آنکھوں سے ان دونوں کو دیکھا۔

''فاریہ آپی! آپ کب تک سوتی رہیں گی، ہم کب سے آپ کے جاگنے کا انتظار کر رہے تھے، لیکن اب جب آپ نہیں جاگیں تو ہمیں مجبوراً خود آپ کے کمرے میں آنا پڑا۔'' فجر اس سے لپٹتی ہوئی مخاطب ہوئی تو اس کے ہوش واپس لوٹے جو نیند کی غنودگی سے اڑ چکے تھے۔

''سوری مجھے تھکاوٹ کی وجہ سے اندازہ ہی نہ ہو سکا کہ میں اتنی دیر تک سوتی رہی ہوں، کیسے ہو تم دونوں؟'' فاریہ نے باری باری دونوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ہم بالکل فٹ ہیں، البتہ آپ کچھ کمزور لگ رہی ہیں۔'' عاصم نے اس کی شخصیت کا بغور جائزہ لیتے ہوئے کہا تو فاریہ مسکرادی۔

''کہیں ڈائٹنگ تو شروع نہیں کر دی آپ نے؟'' عاصم نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''ارے آپی کو ڈائٹنگ کی کیا ضرورت ہے آپی تو ہیں ہی ایسی سلم اسمارٹ سی۔'' فجر نے شرارت سے مسکراتے ہوئے آنکھ دبا کر کہا تو تینوں مسکرادیئے۔

''بہت بولنے لگے ہو تم دونوں۔'' فاریہ نے عاصم کو گھورتے ہوئے کہا۔

''ارے ہم لاہوری ہیں، بولنا کوئی ہم سے سیکھے۔'' وہ فخر سے کالر جھاڑتا ہوا بولا تو فاریہ کو اس کے انداز پر ہنسی آ گئی۔

''ویسے تم سے کس نے کہا کہ لاہوری بہت بولتے ہیں؟'' فاریہ نے بیڈ سے اترتے ہوئے پوچھا۔

''لو جی، آپی کیا آپ کو ابھی بھی اس سوال کا جواب چاہئے؟ مثالیں آپ کے سامنے ہیں۔'' فجر نے عاصم اور اپنی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا تو ایک بار پھر تینوں کا قہقہہ کمرے میں گونجا۔

''اوہ مجھے تو بھول ہی گیا کہ مما نے آپ کو کھانے کے لئے بلانے بھیجا تھا اور ہم دونوں نے آپ کو باتوں میں لگا لیا، آپ جلدی سے

ہو کر چلی آئیں۔'' فجر نے اٹھتے ہوئے کہا تو عاصم اس سے پہلے ہی کمرے سے نکل آیا۔

''ہاں تم چلو، میں بس دس منٹ میں آتی ہوں۔'' فاریہ نے واش روم کا رخ کرتے ہوئے کہا تو فجر مسکراتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

☆☆☆

ڈنر کے بعد فاریہ فجر اور عاصم کے پر زور اصرار پر ان کے ساتھ آئس کریم کھانے چلی آئی، وہ آئس کریم پارلر میں بیٹھے باتوں کے ساتھ ساتھ آئس کریم کھانے میں مصروف تھے جب فاریہ کہ سیل کی رنگ ٹون نے ان کی گفتگو میں خلل ڈالا، خالہ جانی کی کال ہے، وہ دونوں خاموش ہو گئے۔

فاریہ کے کال ریسیو کرتے ہی انہوں نے اس کا حال پوچھا اور اسے اپنا بہت خیال رکھنے کی تاکید کی، فاریہ نے انہیں یقین دلایا کہ یہاں وہ بالکل ٹھیک ہے سب اس کا بہت خیال رکھتے ہیں اور اس سے محبت کرنے والے ہیں تب جا کر وہ کہیں مطمئن ہوئیں اور انہوں نے فون بند کر دیا، فون بند ہوتے ہی وہ پھر سے ان دونوں کے ساتھ گپ شپ کرنے لگی۔

''آپی آپ کی آنٹی آپ سے بہت پیار کرتی ہیں نا۔'' فجر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہاں، بہت زیادہ۔''

''اسی لئے تو وہ انہیں ہمارے پاس رہنے نہیں دیتیں۔'' عاصم نے آئس کریم ختم کرتے ہوئے کہا تو فاریہ مسکرا دی۔

''اب گھر چلیں کہ کہیں گھومنے کا پلان ہے؟'' وہ تینوں آئس کریم ختم کر چکے تھے، اور اب گاڑی میں بیٹھ رہے تھے جب عاصم نے پوچھا۔

''پیس چلتے ہیں، مجھے کچھ شاپنگ بھی کرنی ہے۔'' فجر جلدی سے بولی۔

''تمہاری تو شاپنگ کبھی مکمل ہو ہی نہیں سکتی۔'' عاصم چڑ کر بولا۔

''تو تمہارے کون سے پیسے خرچ ہوتے ہیں میری شاپنگ پر۔'' فجر نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے تنک کر کہا۔

''تم دونوں پہلے جھگڑا کر لو، ڈرائیو میں کر لیتی ہوں۔'' فاریہ نے عاصم کو ڈرائیونگ سیٹ سے پیچھے ہٹاتے ہوئے کہا تو وہ مسکراتا ہوا پسنجر سیٹ پر آ بیٹھا۔

''آپی آپ سیدھا گھر چلیں، میں نے تو بس آپ کی خاطر پوچھا تھا کہ کہیں گھومنے پھرنے کا پلان تو نہیں لیکن یہ محترمہ کی تو شاپنگ ہی ختم نہیں ہوتی۔'' عاصم نے اپنا حکم جاری کیا تو پیچھے فجر نے اس کے سر پر ہلکا سا تھپیڑ رسید کیا جس پر عاصم نے غصے سے مڑ کر اس کی جانب دیکھا، فاریہ ان دونوں بہن بھائی کے جھگڑے کو خوب انجوائے کر رہی تھی۔

''آپی دیکھا آپ نے، کیسے چھوٹے بھائی پر ظلم کرتی رہتی ہے۔'' عاصم نے معصوم بننے کی اداکاری کی۔

''آپی آپ گھر نہیں پیس چلیں میں کہہ رہی ہوں نا۔'' فجر نے عاصم کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے جواب دیا تو فاریہ اپنی ہنسی دباتی ہوئی بولی۔

''مجھے یہیں اتار دو اور تم دونوں کا جہاں دل چاہے چلے جاؤ، میں یہاں سے رکشہ لے کر گھر چلی جاتی ہوں۔''

''آپی آپ نے بھی گھر جانا ہے اور میں نے، آپ گاڑی میں بیٹھی رہیں، فجر کو اتار دیتے ہیں، یہ رکشہ لے کر جہاں چاہے جا سکتی ہے۔'' عاصم جلدی سے بولا تو فاریہ بے ساختہ کھلکھلا

اٹھی۔

"تم دونوں کبھی نہیں بدلو گے، چلو عاصم بہنوں کو ناراض کرنا اچھی بات نہیں ہوتی، کچھ دیر کے لئے فجر کی مرضی سے جہاں وہ کہتی ہے وہاں چلے جاتے ہیں اس کے بعد گھر جائیں گے۔" وہ محبت سے بولی تو عاصم نے کندھے اچکا دیئے، فجر کو فاریہ پہ پیار آ گیا، وہ گاڑی میں ہی پچھلی سیٹ سے اس کے ساتھ لپٹ گئی۔

"آئی لو یو آپی۔"

"ارے مجھے ڈرائیو کرنے دو، یہ لاڈ پیار گھر جا کر کر لینا۔" فاریہ نے اسٹیرنگ مضبوطی سے تھامتے ہوئے مسکرا کر کہا اور پھر وہ تینوں فجر کی خواہش کے مطابق پیس چلے آئے۔

☆☆☆

"مجھے بہت ڈر لگتا ہے احسن۔" وہ عجیب سے لہجے میں بولی تو احسن نے نظر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا۔

"کس بات کا ڈر؟"

"ایک انجانا سا خوف ہے، امی کی یوں اچانک طبیعت خراب ہونے کے بعد مجھے بہت عجیب سا لگنے لگتا ہے۔" افشاں نے اداسی سے کہا۔

"میں امی کے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتی، آپ جانتے ہیں نا میرا امی کے علاوہ اس دنیا میں کوئی دوسرا نہیں۔" افشاں کی آواز بھر آئی۔

"دیکھو افشاں، اللہ سے اچھے کی امید رکھو، امی کو کچھ نہیں ہوگا۔" احسن نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے اسے تسلی دینی چاہی۔

"لیکن احسن! اگر امی کو کچھ ہو گیا تو میں مر جاؤں گی، مجھے لگتا ہے میں امی کی جدائی کا صدمہ کبھی برداشت نہیں کر پاؤں گی۔" وہ احسن کے کندھے پر سر رکھ کے رو دی۔

"افشاں! تم ایسی باتیں کیوں سوچ رہی ہو، میں نے کہا نا انہیں کچھ نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ سے اچھے کی امید رکھتے ہیں، تم دیکھنا وہ بہت جلد ٹھیک ہو جائیں گیں۔"

افشاں کی امی کو بلڈ کینسر تھا اور ڈاکٹرز نے ان کو جواب دے دیا تھا، لیکن احسن نے ہمت نہیں ہاری تھی، افشاں اس کی منگیتر تھی، اس کی پہلی اور آخری محبت تھی وہ اس کو کبھی بھی تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔

"لیکن احسن ڈاکٹر نے کہا ہے کہ اب ان کی بیماری کا کوئی بھی علاج نہیں۔" وہ معصومیت سے اس کا بازو تھامتے ہوئے بولی۔

"تم ڈاکٹر کی بات پر زیادہ غور مت کرو، بس امی کا خیال رکھا کرو اور ان کو وقت پر دوائی دیا کرو، انشاء اللہ سب بہتر ہوگا۔" وہ اس کو تسلی دیتے ہوئے بولا۔

"اچھا اب یہ رونا بند کرو اور جلدی سے مجھے اپنے ہاتھوں سے بنی مزیدار چائے لا کر پلاؤ میں تب تک امی کے پاس بیٹھتا ہوں۔" وہ اس کا موڈ خوشگوار کرنا چاہتا تھا، وہ نم آنکھوں کو صاف کرتی ہوئی اداسی سے مسکرا کر کچن کی جانب بڑھ گئی اور احسن اٹھ کر اس کی والدہ کے کمرے میں چلا آیا۔

افشاں کو اس نے اپنی بہن کی شادی میں پسند کیا تھا، وہ ان کے دور پار کے رشتے دار تھے، افشاں کے ابو اس کے بچپن میں ہی انتقال کر چکے تھے، افشاں کی ماں ہی اس کی ساری دنیا تھی، جس نے بہت محنت مشقت سے افشاں کو پالا اور پڑھایا لکھایا تھا، وہ کسی امیر خاندان سے تعلق نہیں رکھتی تھی، وہ ایک عام سی سادہ سی لڑکی تھی، جو احسن کو دنیا کی ہر عورت سے زیادہ خاص اور حسین

لگتی تھی، اس کی معصومیت، اس کی سادگی احسن کا دل ہمیشہ کے لئے اپنے نام لکھوا چکی تھی۔

ان کے گھر کا نظام اس کے مرحوم والد کی چھوٹی سی دکان سے چلتا تھا جوانہوں نے کرائے پردے رکھی تھی، احسن نے جب اپنی پسند کا اظہار کیا تو اس کے گھر میں کسی کو بھی اس کی پسند سے کوئی اعتراض نہیں تھا، اس طرح اس کی محبت بہت آسانی سے اس کے نام لکھی جا چکی تھی۔

کچھ لوگ بہت خوش قسمت ہوتے ہیں جنہیں کسی انعام کی صورت محبتیں بنا کسی دشواری کے حاصل ہو جاتی ہیں اور کچھ لوگ ساری عمر ذرا سی محبت پانے کی خاطر ترستے رہ جاتے ہیں اور احسن کا شمار خوش قسمت لوگوں میں تھا جن کو محبت بہت آسانی سے حاصل ہو جاتی ہے اور وہ ساری عمر اپنی اس محبت کے سائے میں پرسکون زندگی گزارتے ہیں۔

وہ اس کی والدہ کے قریب بیٹھا اپنے موبائل پر مصروف تھا جب افشاں دو کپ چائے کے لئے کمرے میں داخل ہوئی، اس کی والدہ دوائی لے کر سو رہی تھیں، اس نے ایک کپ احسن کو تھمایا اور ایک خود لے کر اس کے سامنے پڑی کرسی پر بیٹھ گئی۔

''واہ تمہارے ہاتھ کی چائے پی کر میری ساری تھکاوٹ منٹوں میں غائب ہو جاتی ہے۔'' احسن نے چائے کا گھونٹ حلق سے اتارتے ہوئے کہا، تو اس کی بات پر ہلکا سا مسکرادی۔

''افشاں اب میں چاہتا ہوں تم جلد از جلد ہمیشہ کے لئے میرے گھر چلی آؤ۔'' احسن نے سنجیدگی سے کہا۔

''احسن آپ جانتے ہیں نا میں امی کو اکیلا چھوڑ کر......'' وہ اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی بول پڑا۔

''میں تمہیں پہلے بھی کتنی بار کہہ چکا ہوں، تم امی کو ساتھ لے چلو، ہم مل کر ان کا خیال رکھیں گے۔'' احسن کے لہجے میں محبت نمایاں تھی۔

''لیکن احسن امی کو یہ منظور نہیں، امی تو چاہتی ہیں اب ہماری شادی ہو جائے لیکن، میں جانتی ہوں میں شادی کر کے آپ کے ساتھ رخصت ہوگئی تو امی کبھی بھی ہمارے ساتھ جانے کے لئے راضی نہیں ہوں گی۔'' افشاں ایک بار پھر اداس ہوگئی۔

''اور میں امی کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتی۔'' احسن نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا، وہ اس کی مجبوری اس کی تکلیف سمجھ سکتا تھا، اس لئے اس نے دو سال کی منگنی کے باوجود اسے کبھی شادی کے لئے فورس نہیں کیا تھا، بس کبھی کبھار وہ اپنی خواہش کا اظہار ضرور کر دیتا تھا کہ وہ اس کو اب جلد از جلد اپنے گھر میں اپنی دلہن کے روپ میں دیکھنا چاہتا ہے جس پہ افشاں اکثر مسکرا دیتی اور بعض اوقات اداسی سے خاموش رہ جاتی۔

''تم جانتی بھی ہو مجھے تمہارے چہرے پر صرف مسکراہٹ اچھی لگتی ہے پھر بھی نہ جانے کیوں اتنا برا سا منہ بنا کر بیٹھ جاتی ہو۔'' وہ افشاں کو گھورتا ہوا بولا تو وہ بے ساختہ مسکرادی۔

''یہ چیز، بس اسی طرح مسکراتی رہا کرو۔'' وہ اسے محبت سے دیکھتا ہوا بولا۔

''اچھا اب میں چلتا ہوں، اپنا اور امی کا بہت خیال رکھنا۔'' وہ منگنی کے بعد سے افشاں کی امی کو امی ہی کہتا تھا جو افشاں کو بہت اچھا لگتا تھا۔

''کوئی پریشانی ہو تو فوراً مجھے کال کرنا، میں چلا آؤں گا۔'' وہ دروازے کی جانب بڑھتا ہوا بولا تو افشاں نے اثبات میں سر ہلایا اور دروازہ بند کرنے کے بعد واپس کمرے میں چلی آئی۔

☆☆☆
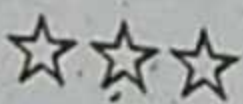
''کچھ لوگوں کے ہاتھوں میں شاید محبت کی لکیر بنی نہیں ہوتی۔'' اس نے اپنے ہاتھوں کی لکیروں کو گھورتے ہوئے سوچا۔

''کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ میں آنکھیں بند کروں اور واپس کھولنے پر میرے امی ابو مجھے واپس مل جائیں، احسن کی منگنی نہ ہوئی ہو اور وہ میری محبت کا اظہار سنتے ہی خوشی سے جھوم اٹھے اور مجھے قبول کرلے، کیا ایسا نہیں ہوسکتا میں واپس وہی فاریہ بن جاؤں، جو بہت دیر تلک سوتی رہتی تھی، جس کی باتوں سے گھر میں ہر وقت رونق رہتی تھی، جو زندگی سے بھرپور ہمیشہ مسکراتی قہقہہ لگاتی رہتی تھی، کاش...... کاش ایسا ہوسکتا۔'' اس نے سختی سے آنکھیں بھینچ کر حسرت بھرے لہجے میں کہا تو اچانک دروازے پر ہونے والی دستک نے اسے چونکا دیا۔

''آپی!'' فجر مسکراتی ہوئی اس کے قریب چلی آئی، وہ خود کو بھی پوری طرح سے کمپوز بھی نہیں کرسکی تھی۔

''آپی تایا ابو آئے ہیں۔'' فجر نے اسے اس کے بڑے چچا کے آنے کی اطلاع دی لیکن وہ اسی کیفیت میں خاموش بیٹھی اسے دیکھتی رہی۔

''کیا ہوا آپی آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' فجر نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے نرمی سے کہا تو وہ جیسے کسی گہرے خواب سے واپس حقیقت کی دنیا میں لوٹ آئی۔

''ہا...... ہاں...... میں ٹھیک ہوں۔'' وہ بوکھلائی سی بولی۔

''تایا ابو آئے ہیں، آپ ملیں گی نہیں؟'' فجر نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کیوں نہیں ملوں گی، چلو۔'' وہ اٹھ کر باہر کی جانب بڑھ گئی، فجر کو محسوس ہوا کہ وہ کچھ ٹھیک نہیں ہے لیکن پھر اپنا وہم سمجھ کر اس کے پیچھے ہو لی۔

وہ دونوں لاؤنج میں آئیں تو الیاس طاہر صاحب کے ساتھ وہیں بیٹھے چائے پی رہے تھے، فاریہ نے آگے بڑھ کر انہیں سلام کیا تو انہوں نے سلام کا جواب دینے کے بجائے طنزیہ لہجے میں اسے مخاطب کیا۔

''میں تو سمجھا تھا تمہاری خالہ تمہیں یہاں بھی مجھ سے ملنے نہیں دے گی، خوب پٹیاں پڑھا کر بھیجے گی کے چچا سے بالکل بھی مت ملنا کہیں تمہیں وہیں سے اغواء کرکے اپنے ساتھ اسلام آباد نہ لے جائیں۔'' ان کے لہجے میں چھپا طنز طاہر صاحب بھی محسوس کرچکے تھے۔

''ایسی کوئی بات نہیں نہ ہی انہوں نے اور نہ ہی انہوں نے مجھے کسی سے ملنے سے روکا ہے۔'' فاریہ نے نرمی سے جواب دیا۔

''اب جھوٹ مت بولو، خوب جانتا ہوں تمہیں بھی اور تمہاری خالہ کو بھی۔'' انہوں نے ہاتھ اٹھا کر کہا تو فاریہ خاموش ہوگئی۔

''ویسے اس نے طاہر کی طرف آنے سے نہیں روکا تمہیں؟'' الیاس صاحب نے گہری نگاہوں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

''انہوں نے کبھی آپ کی طرف آنے سے بھی نہیں روکا۔'' فاریہ نے مدھم لہجے میں کہا۔

''خوب برین واشنگ کی ہے اس نے تمہاری، کرتی بھی کیسے نا، ہے ہی چالاک عورت، بالکل تمہاری ماں کی طرح، کیسے میرے معصوم اور سیدھے سادھے بھائی کو اپنی انگلیوں پر نچاتی تھی تمہاری ماں، خود تو مری، ساتھ میرے بھائی کو بھی لے ڈوبی۔'' ان کے الفاظ فاریہ کے دل و دماغ پر کسی ہتھوڑے کی طرح پڑ رہے تھے۔

''بس چاچو، بس کریں، آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ آپ میرے مرے ہوئے ماں باپ کے

بارے میں کوئی بھی ایسی بات کریں اور رہی خالہ کی بات وہ بہت اچھی اور سلجھی ہوئی عورت ہیں، انہوں نے آپ سے کون سی چالاکیاں کی ہیں جو آپ ان کے بارے میں اس طرح کی بات کر رہے ہیں، آپ کو صرف یہ اعتراض ہے نا میں ان کے ساتھ کیوں رہتی ہوں، آپ کے گھر کیوں نہیں رہتی تو میں وہاں اپنی مرضی سے رہتی ہوں، مجھے کسی نے مجبور نہیں کیا وہاں رہنے پر۔'' وہ سب کچھ برداشت کرسکتی تھی لیکن اپنے والدین کے بارے میں ایک بھی غلط الفاظ نہیں سن سکتی تھی۔

''یہ دیکھا طاہر، اس کی خالہ نے اس کو کیسے زبان چلانا سکھا دیا ہے، کیسی بدتمیز ہوگئی ہے یہ لڑکی۔'' وہ غصے سے پاس بیٹھے طاہر صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے بولے۔

''چھوڑیں جانے دیں بھائی صاحب، بچی ہے۔'' وہ معاملے کو رفع دفع کرنا چاہتے تھے۔

''میں کہہ رہا ہوں طاہر، وہ منصورہ اس کی دولت پر آنکھ رکھے ہوئے ہے اور یہ پاگل ہمیں ہی اپنا دشمن سمجھتی ہے، میں نے کہا تھا کہ اپنا سب کچھ مجھے سونپ دو، کیسے سنبھالے گی یہ سب کچھ، اس کی اچھے سے شادی کر کے اس کو رخصت کریں گے لیکن یہ۔''

''میں اب بچی نہیں رہی، اپنا اچھا برا سمجھتی ہوں اور جو کچھ بابا نے میرے نام کیا تھا وہ میرے نام ہی رہے گا ہمیشہ، وہ نہ میں اب کسی کو سونپوں گی اور نہ ہی کبھی بعد میں، چاہے وہ پھر آپ ہوں یا میری خالہ۔'' فاریہ غصے سے کہتی ہوئی اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

''دیکھا کیسے تیور بدل گئے ہیں اس کے۔'' الیاس صاحب نے غصے سے طاہر صاحب کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''آپ بھی ہمیشہ دولت کے پیچھے بھاگتے رہتے ہیں، رشتوں کو دولت کی نظر سے نہیں محبت اور اخلاص کی نظر سے دیکھا کریں۔'' طاہر صاحب نے نرم لہجے میں کہا مگر اس وقت ان کو ان کا نرم لہجہ بھی کسی کڑواہٹ سے کم نہیں لگا تھا۔

''تم سب لوگوں کو تو میں ہمیشہ سے غلط ہی لگتا رہا ہوں، غلطی کی جو یہاں چلا آیا، میں تو لاہور کسی ضروری کام سے آیا تھا سوچا واپسی پر جاتا ہوا تم لوگوں سے ملتا جاؤں، لیکن میرا ایسا سوچنا ہی غلط تھا۔'' وہ غصے سے کھڑے ہوتے ہوئے بولے۔

''بھائی صاحب آپ مجھے غلط سمجھ رہے ہیں۔'' طاہر صاحب بھی جلدی سے کھڑے ہوئے۔

''بس بہت ہوگیا طاہر، چلتا ہوں۔'' انہوں نے ہاتھ اٹھا کر انہیں مزید کچھ بولنے سے منع کر دیا اور باہر نکل گئے۔

طاہر صاحب خاموشی سے انہیں جاتا دیکھتے رہ گئے، وہ بھی اپنے بڑے بھائی کے مزاج سے خوب واقف تھے، اس لئے ان کے جانے کے بعد خود بھی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئے۔

☆☆☆

وہ ہاسپٹل سے لوٹا تو سیدھا منصورہ بیگم کے کمرے میں چلا آیا، وہ اس سے کئی دنوں سے ناراض تھیں اور اس سے بات چیت کرنا چھوڑ رکھا تھا، کمرے کی لائٹ آف تھی، تیمور نے آگے بڑھ کر لائٹ آن کی، وہ جانتا تھا وہ سو نہیں رہیں۔

''امی!'' اس نے دھیرے سے انہیں پکارا۔

''امی، پلیز اب یہ ناراضگی چھوڑ دیں۔'' وہ ان کے قریب بیڈ پر بیٹھتا ہوا عاجزی سے بولا۔

''اچھا سوری، اس دن میں نے فاریہ سے

جو کچھ بھی بولا، آئندہ کبھی بھی نہیں کہوں گا، چلیں اب مجھ سے بات تو کریں نا۔" وہ اب ان کی ناراضگی سے زچ ہونے لگا تھا، انہوں نے آنکھوں سے بازو ہٹا کر اس کی جانب دیکھا اور سیدھی ہو کر بیٹھ گئیں۔

"تم بہت بڑے ہو گئے تیمور، تمہیں اب اپنی بوڑھی ماں کی بھی ضرورت نہیں ہے، تم جیسا چاہو ویسا کرو، تم بہت سمجھدار ہو چکے ہو، اپنی زندگی کے فیصلے خوب اچھی طرح کرنا سیکھ چکے ہو، تو دوسرے تم سے ناراض ہوں یا راضی رہیں اس سے تمہیں کیا فرق پڑتا ہے۔" وہ نرم لہجے میں مخاطب تھیں مگر ان کی خفگی بالکل واضح تھی۔

"امی آپ ایسا کیوں کہہ رہی ہیں، آپ جانتی ہیں نا میں آپ سے بہت محبت کرتا ہوں۔" تیمور نے ان کے ہاتھ تھامتے ہوئے نرمی سے کہا۔

"جن سے محبت کرتے ہیں ان کو کبھی دکھ نہیں دیتے اور تم نے جس طرح سے اس دن فاریہ سے بات کی تھی مجھے بہت دکھ ہوا تھا، میں نے تمہاری ایسی تربیت تو نہیں کی بیٹا کہ تم دوسروں سے بات کرنے کی تمیز ہی بھول جاؤ، میں جانتی ہوں وہ لاہور تمہاری وجہ سے گئی ہے، وہ چاہے زبان سے کچھ نہ کہے لیکن میں اس کی ہر بات سمجھ جاتی ہوں۔"

"اب آئے گی تو معذرت کرلوں گا، محض آپ کی خاطر۔" اس نے فاریہ کے ذکر پر چڑ کر کہا۔

"نہیں، کوئی ضرورت نہیں مجھ پر کوئی احسان جتانے کی۔" وہ خفگی سے رخ پھیرتی ہوئیں بولیں۔

"امی آپ جانتی ہیں میں آپ کی خاطر کچھ بھی کرسکتا ہوں۔" وہ اتنے دنوں سے ماں کی ناراضگی سے تھک چکا تھا۔

"تم میری خاطر کچھ بھی نہیں کر سکتے تیمور۔" انہوں نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

"میں نے کب آپ کی کوئی بات ٹالی ہے؟" اس نے سوالیہ نظروں سے ان کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"لیکن میرا فیصلہ تو رد کیا ہے نا۔" وہ کچھ یاد کرتے ہوئے بولیں۔

"کون سا فیصلہ؟"

"فاریہ سے شادی کا فیصلہ، مجھے کتنا ارمان تھا اسے اپنی بہو بنانے کا، لیکن تم نے اسے پورا ہونے سے پہلے ہی چکنا چور کر دیا۔"

"امی پلیز، مجھ سے اس موضوع پر بات مت کیا کریں۔" وہ ایک بار پھر غصے میں آ گیا۔

"آخر کیوں نہ تم سے اس موضوع پر بات کروں؟ تم چاہتے کیا ہو آخر؟ نہ اپنی پسند بتاتے ہو، نہ میری پسند پر ہامی بھرتے ہو، آخر تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے تیمور؟" وہ بھی سختی سے بولیں۔

"بس مجھے ابھی شادی نہیں کرنی۔" وہ بیزاری سے بولا۔

"تیمور فاریہ میں کیا برائی ہے؟ اتنی اچھی پڑھی لکھی سلجھی ہوئی بچی ہے، سب سے بڑھ کر اپنے گھر کی ہے، لیکن تم نہ جانے کس کے انتظار میں ہو۔"

"میں کسی کے بھی انتظار میں نہیں ہوں۔" وہ تلخی سے بولا۔

"تو پھر تم شادی کے لئے ہامی کیوں نہیں بھرتے؟" شاید آج وہ بھی اس کی جان چھوڑنے والی نہیں تھیں۔

"امی آپ چاہتی کیا ہیں؟"

"میں چاہتی ہوں تم فاریہ سے شادی کرلو اور یہ اپنی بے تکی سی شادی نہ کرنے والی ضد چھوڑ

"وہ خاموش ہو گیا، لیکن منصورہ بیگم بولتی چلی گئیں۔
"اگر تم نے اب شادی کے لئے ہاں نہ کی تو میں کبھی تم سے بات نہیں کروں گی اور فاریہ کو لے کر اس کے گھر چلی جاؤں گی، پھر تم آرام سے اس گھر میں تنہا زندگی گزارنا جہاں تمہیں کوئی بھی تنگ کرنے والا نہیں ہوگا۔"
"امی بس کر دیں پلیز۔" وہ اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام کر مدھم لہجے میں بولا تو وہ خاموش ہو گئیں۔
"جہاں جی چاہے کر دیں میری شادی، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" وہ اپنی بات کہہ کر کمرے سے نکل گیا لیکن منصورہ بیگم کی آنکھوں میں چمک در آئی، وہ خوشی سے اپنے بیٹے کو دل ہی دل میں دعاؤں سے نوازنے لگیں اور اب بس جلد از جلد فاریہ کے واپس آنے کا انتظار کرنے لگیں۔

☆☆☆

اس نے کمرے میں داخل ہوتے ہی دروازہ لاک کر دیا اور ایزی چیئر پر آن بیٹھا، وہ غصے میں چیئر کو تیز تیز جھول رہا تھا، اس کا دل چاہ رہا تھا کمرے کی ہر چیز کو تہس نہس کر ڈالے۔
"یہ فاریہ نے امی کو تو اپنے جال میں پھنسا لیا، مگر اس کا جادو مجھ پر کبھی نہیں چل سکتا۔" وہ طیش کے عالم میں نہ جانے کیا کچھ بڑبڑا رہا تھا، اس نے ایک جھٹکے سے کرسی کو روکا اور ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے سگریٹ سلگانے لگا۔
"فاریہ! میں تمہارا جینا حرام کر دوں گا، تم جب سے اس گھر میں آئی ہو میرے لئے سکون کا ایک لمحہ گزارنا بھی مشکل ہو چکا ہے، تم چاہو تو ابھی بھی اپنی زندگی بچا سکتی ہو، تم ابھی بھی انکار کر سکتی ہو۔" اس کے خیالوں کی یورش نہ جانے کہاں پہنچی ہوئی تھی جب اچانک سیل فون کی رنگ ٹون نے اس کی سوچ کے تسلسل میں خلل ڈالا۔
"ہیلو، ہاں علی بولو سب خیریت ہے؟" اس نے خود کو کمپوز کرتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔
"روم نمبر سات میں جو تمہاری کینسر کی پیشنٹ تھیں ان کی ڈیتھ ہو گئی ہے، چونکہ ان کا کیس تم ہی دیکھ رہے تھے تو تمہیں ابھی ہاسپٹل آنا ہوگا۔"
"اوہ نو، ابھی کچھ دیر پہلے ہی تو میں ان کا چیک اپ کر کے آیا تھا۔" اس نے انگلیوں کی پوروں سے سر مسلتے ہوئے کہا۔
"اچھا میں ابھی پہنچتا ہوں۔" اس نے فون بند کیا اور اپنی حالت درست کرتے ہوئے ہسپتال کے لئے نکل گیا، منصورہ بیگم شاید سو چکی تھیں اس لئے اس نے ان کو ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا، ہسپتال پہنچا تو علی اس کو اپنے مریض کے پاس ہی ملا۔
افشاں بری طرح سے رو رہی تھی، احسن اور اس کے والدین اسے تسلیاں دے رہے تھے مگر اس وقت اس پہ کسی کی بات کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔
"آپ انہیں باہر لے جائیں پلیز۔" تیمور نے احسن کو نرمی سے کہا تو وہ افشاں کو سہارا دیتا ہوا کمرے سے باہر لے آیا۔
"افشاں پلیز ایسے مت روؤ، اللہ پاک کو یہی منظور تھا اور اللہ کے فیصلوں کے سامنے صبر سے کام لینا چاہیے۔" وہ نرمی سے بولا۔
"احسن میں امی کے بغیر کیسے رہ پاؤں گی۔" وہ بری طرح سے رو رہی تھی، احسن کو اس کا یوں رونا تکلیف دے رہا تھا۔
"افشاں اللہ پہ بھروسہ رکھو، وہ ہی صبر عطا کرنے والا ہے۔" وہ اسے کندھے سے لگاتا ہوا

تو اس کی ہچکیوں میں مزید اضافہ ہو گیا۔
''آپ افشاں کو لے کر گھر چلیں، میں ہوسپٹل کی کلیئرنس سے فری ہو کر پہنچتا ہوں۔''
احسن نے اپنی امی سے کہا تو وہ اثبات میں سر ہلاتی ہوئیں افشاں کی جانب بڑھیں۔
افشاں کی امی کی ڈیڈ باڈی کو ایمبولینس کے ذریعے گھر منتقل کر دیا گیا تھا، افشاں احسن کے والدین کے ہمراہ گھر چلی گئی، احسن ہسپتال کے معاملات سے فارغ ہو کر واپسی کے لئے نکل رہا تھا جب کاریڈور میں تیمور کی آواز پر ٹھہر گیا۔
''ایکسکیوزمی۔'' احسن نے مڑ کر اس کی جانب دیکھا۔
''آپ فاریہ کے ہوٹل میں مینجر ہیں نا؟'' تیمور نے بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔
''جی اور آپ ان کے کزن ہیں۔''
''ہوں، آپ کو کیسے معلوم؟''
''انہوں نے بتایا تھا جب آپ ان کو لینے آئے تھے۔'' احسن نے سرسری سے انداز میں جواب دیا۔
''یہ مریضہ آپ کی؟''
''وہ میری ہونے والی ساس تھیں۔''
''اوہ بہت افسوس ہوا ان کی موت کا، لیکن اللہ کے فیصلوں میں کون کچھ کر سکتا ہے۔'' اس نے تعزیت بھرے انداز میں کہا تو احسن نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
دونوں ایک ساتھ ہسپتال سے نکل کر اپنی اپنی گاڑی کی جانب بڑھ کر اپنی منزل پر روانہ ہو گئے۔

☆☆☆

وہ آج ہی لاہور سے واپس لوٹی تھی جب شکور صاحب نے اسے فون کر کے اطلاع دی کہ احسن کے کسی عزیز کا انتقال ہو گیا ہے جس کی وجہ سے وہ ہوٹل نہیں آ رہا۔
فاریہ، منصورہ بیگم سے ملتے ہی ہوٹل چلی آئی، جبکہ تیمور ابھی تک سو رہا تھا اور آج اس کی نائٹ ڈیوٹی تھی جس وجہ سے اس کا اس سے اس وقت سامنا نہیں ہو پایا تھا، ہوٹل پہنچتے ہی اس نے شکور صاحب کو اپنے آفس میں بلوایا۔
''شکور صاحب آپ کو کچھ علم ہے کہ کون فوت ہوا ہے؟'' فاریہ نے پریشانی سے پوچھا۔
''نہیں میڈم! احسن صاحب کا بس اتنا ہی میسج ملا تھا کہ جو میں نے آپ کو بتا دیا۔''
''کیا آپ ان کے گھر کا ایڈریس جانتے ہیں؟'' فاریہ کو بے چینی ہو رہی تھی کہ کہیں اس کے والدین میں سے کسی کو کچھ نہ ہو گیا ہو، وہ ان سے کبھی ملی تو نہیں تھی لیکن اسے احسن سے جڑے ہر انسان سے انسیت محسوس ہوتی تھی۔
''جی معلوم ہے۔'' شکور صاحب جلدی سے بولے۔
''وری گڈ، آپ ڈرائیور کو ایڈریس سمجھائیں میں بس آ رہی ہوں۔'' شکور صاحب اس کی بات پر باہر کی جانب بڑھ گئے، اس نے جلدی سے اپنا ہینڈ بیگ اور موبائل پکڑا اور باہر گاڑی میں آ بیٹھی جہاں ڈرائیور اسی کا منتظر تھا۔
''ایڈریس پتہ چل گیا؟'' اس نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے ڈرائیور سے پوچھا۔
''جی میڈم۔''
''چلو پھر جلدی گاڑی چلاؤ۔'' ڈرائیور نے اس کے کہنے پر گاڑی کی اسپیڈ بڑھا دی، وہ شکور کے بتائے ہوئے ایڈریس پر پہنچی تو چوکیدار کے ہمراہ وہ گھر کے اندرونی حصے تک چلی آئی، گھر میں گہری خاموشی تھی۔
''آپ یہاں بیٹھیں، میں ابھی بی بی صاحبہ کو بلاتا ہوں۔'' چوکیدار کہتا ہوا اندر کی جانب

بڑھا اور چند ہی لمحوں میں واپس چلا آیا۔
''بی بی صاحبہ آرہی ہیں۔'' وہ کہہ کر واپس گیٹ پر چلا گیا۔
فاریہ خاموشی سے بیٹھی گھر کا جائزہ لیتی رہی، گھر کے ماحول سے محسوس ہو رہا تھا کہ یہاں سب کچھ ٹھیک ہے، کسی کا انتقال نہیں ہوا، اسے اب یہاں پہنچنے کے بعد احساس ہوا کہ اسے آنے سے پہلے ایک بار احسن سے کال پر بات کر لینی چاہیے تھی، لیکن وہ اس کے لئے اتنی پریشان ہوں تھی کہ اس وقت اس کو کچھ خیال ہی نہیں رہا، وہ اپنی سوچوں میں گم تھی جب ایک عورت کمرے سے نکل کر لاؤنج میں داخل ہوتی دکھائی دیں، فاریہ انہیں دیکھتے ہی کھڑی ہوگئی، اس نے ان کو سلام کیا تو وہ نرمی سے سلام کا جواب دیتی ہوئیں اس کو بیٹھنے کا کہہ کر خود بھی سامنے والے صوفے پر براجمان ہوگئیں۔
''میں احسن کے ہوٹل سے آئی ہوں، مجھے پتہ چلا کہ کسی کا انتقال ہوگیا تو میں فوراً چلی آئی۔'' وہ اپنی بات مکمل کر پاتی اس سے پہلے احسن کی امی بول پڑیں۔
''جی احسن کی ساس کا انتقال ہوا ہے، احسن اور اس کے ابو ابھی وہیں ہیں، میں ابھی کچھ دیر کے لئے کسی ضروری کام سے گھر آئی تھی، احسن سے آپ کا نام سن رکھا ہے۔'' انہوں نے ہلکی سی مسکراہٹ لبوں پر سجاتے ہوئے کہا۔
''کیا ہوا ان کی ساس کو؟'' فاریہ نے ان کا آخری جملہ نظرانداز کرتے ہوئے پوچھا۔
''ان کو بلڈ کینسر تھا۔'' انہوں نے مزید بتایا۔
''ہوں، اللہ پاک ان کے گھر والوں کو صبر عطا فرمائے۔'' فاریہ نے نظریں جھکا کر کہا۔
''ارے بیٹا ان کے گھر میں تھا ہی کون، ایک وہ اور ان کی بیٹی، خاوند تو بہت پہلے سے وفات پا چکا تھا اور بیچاری افشاں ہے، بہت پیاری بچی ہے، اپنی ماں کی موت کے بعد بالکل مرجھا سی گئی ہے۔'' وہ افشاں کے لئے اداس ہو کر بولیں۔
ماں باپ کے بغیر بچے مرجھا ہی تو جاتے ہیں اور یہ بات اس سے بہتر کون سمجھ سکتا تھا، اسے افشاں کا اور اپنا دکھ ایک سا محسوس ہوا، نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔
''آنٹی کیا میں افشاں سے مل سکتی ہوں؟'' اس نے بہت دھیمے لہجے میں کہا۔
''ہاں ضرور، میں بس نکل ہی رہی تھی، آپ چاہیں تو میرے ساتھ چل سکتی ہیں۔'' وہ کھڑی ہوتی ہوئی بولیں تو فاریہ بھی اثبات میں سر ہلاتی ہوئی کھڑی ہوگئی، وہ احسن کی والدہ کو اپنی ہی گاڑی میں لے آئی۔
وہ لوگ افشاں کے گھر پہنچے تو اس چھوٹے سے مکان کے ایک کونے میں خوبصورت معصوم سی بیٹھی تنہا لڑکی کو دیکھتے ہی وہ جان گئی ہی افشاں ہے، کیونکہ اس نے اس احسن کے ساتھ مارکیٹ میں دیکھ رکھا تھا۔
اکا دکا لوگ ہی تھے جو اس چھوٹے سے صحن میں دکھائی دے رہے تھے، باقی لوگ شاید جنازے کے بعد اپنے اپنے گھروں میں جا چکے تھے، فاریہ اس کے قریب ہی فرش پر بیٹھ گئی۔
''افشاں!'' اس نے دھیرے سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے اس کا نام پکارا تو افشاں نے غائب دماغی سے اس کی جانب دیکھا۔
''اللہ کے فیصلوں کو ہمت سے قبول کرنا چاہیے، وہ اپنے بندوں کو ان کی برداشت سے بڑھ کر کبھی کوئی تکلیف نہیں دیتا۔'' وہ نرمی سے

بولی تو افشاں کی آنکھ سے آنسو کسی موتی کی صورت ٹوٹ کر اس کے ہاتھ پر آن گرا۔

''تم ایسے روؤ گی تو تمہاری امی کو بہت تکلیف ہوگی، تم ان کے لئے پڑھو، ان کے لئے دعا کرو، پھر دیکھنا تمہیں بھی صبر آ جائے گا اور ان کے لئے بھی اللہ پاک آسانیاں فرمائے گا۔''

اسے کسی ماہر استانی کی طرح سبق سمجھا رہی تھی، وہ تو خود اندر سے ٹوٹی بکھری لڑکی تھی، لیکن اللہ جانے وہ لوگوں کے سامنے اتنی مضبوط کیسے بن جاتی تھی۔

''تم جانتی ہو جب میرے والدین کا انتقال ہوا تھا، تو مجھے لگتا تھا میں اب ان کے بغیر مزید ایک سانس بھی نہیں لے سکوں گی، لیکن یہ سب وقتی طور پر ہوتا ہے، انسان بہت عجیب ہوتا ہے افشاں، کسی بہت عزیز کے مرنے پر بھی مر نہیں جاتا، کیوں کے مرنے والوں کے ساتھ مرا جا ہی نہیں سکتا، یہ سب ہماری سوچ اور ہمارا اپنا گمان ہوتا ہے کہ کسی کے مرنے پر ہم بھی اس کے ساتھ مر جائیں گے، لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا، وقت ہر زخم کا مرہم ہوتا ہے، یہ بڑے سے بڑے زخموں کو بھی بھر دیتا ہے۔''

''میں جانتی ہوں ابھی تمہارے لئے صبر کرنا بھی دشوار ہوگا، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ اللہ پاک خود بخود تمہیں صبر عطا کر دے گا۔'' وہ خاموشی سے فاریہ کو دیکھ رہی تھی جو بہت دھیمے اور نرم لہجے میں اس سے مخاطب تھی۔

''تم دیکھو، تمہارے پاس کتنے محبت کرنے والے لوگ ہیں، احسن جو تمہیں خود سے زیادہ چاہتا ہے، اس کے والدین جو تمہیں اپنی بیٹی سمجھتے ہیں تم ان کی خاطر ہی خود کو سنبھالو، کیونکہ محبت کرنے والے خوش قسمت لوگوں کو نصیب ہوتے ہیں۔'' افشاں کی چپ نہیں ٹوٹی تھی لیکن اس وقت وہ اس سے کچھ سننے کو آئی بھی نہیں تھی، وہ بس اس کا درد بانٹنا چاہتی تھی کیونکہ وہ خود بھی اس تکلیف سے گزر چکی تھی، وہ احسن کی والدہ کو سلام کرتی ہوئی واپسی کے لئے باہر نکل رہی تھی جب دروازے پر احسن سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔

''آ...... آپ؟'' احسن نے حیرت سے کہا۔

''ہوں۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا اور آگے بڑھ گئی، احسن نے مڑ کر اس کو جاتے دیکھا، اسے اس کے اس طرح جانے پر بھی حیرت ہوئی تھی، اندر آیا تو اس کی والدہ نے اسے سب بتایا کہ فاریہ کو وہی یہاں لے کر آئی تھیں۔

لیکن احسن کو واپسی پر اس کی نم آنکھوں نے کچھ پریشان سا کر دیا تھا، وہ روتی ہوئی باہر کی جانب بڑھ رہی تھی جب احسن سے اس کا سامنا ہو گیا، شاید انہیں اپنے والدین کی یاد آ گئی ہو، احسن نے اندازہ لگایا اور افشاں کی جانب بڑھ گیا۔

☆☆☆

شام کو گھر لوٹی تو منصورہ بیگم اسی کی منتظر تھی۔

اس نے لاؤنج میں داخل ہوتے انہیں سلام کیا اور تھکی ہاری سی صوفے پر ڈھے گئی، ایک تو وہ اتنا لمبا سفر طے کر کے آئی تھی اور دوسرا آج احسن کی فکر میں ہلکان ہوتی کبھی اس گھر اور اس کے سسرال کے چکر کاٹتی رہی۔

اس نے پاؤں سینڈل سے آزاد کئے اور سر صوفے کی پشت سے ٹکاتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔

''کیا ہوا طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟'' منصورہ بیگم نے اسے یوں نڈھال ہوتے دیکھ کر فکرمندی سے پوچھا۔

''ہوں، بس تھک گئی ہوں۔'' وہ مدھم لہجے میں بولی۔

''تم بیٹھو میں بشریٰ سے کہہ کر کھانا لگوتی ہوں۔'' وہ اٹھ کر کچن کی جانب بڑھ گئیں لیکن وہ اسی پوزیشن میں بیٹھی رہی، چند لمحوں بعد منصورہ بیگم لوٹی تو اسے اسی حالت میں بیٹھا دیکھ کر اس کی جانب بڑھیں۔

''فاریہ! بیٹا کھانا کھا لو۔'' وہ نرم لہجے میں مخاطب ہوئیں تو وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگی، شاید بیٹھے بیٹھے اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔

''آپ چلیں میں جلدی سے فریش ہو کر آتی ہوں۔'' اس نے ایک ہاتھ سے اپنے سینڈل اٹھائے اور دوسرے ہاتھ میں اپنا ہینڈ بیگ تھامے ننگے پاؤں اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی، کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ وارڈ روب کی جانب بڑھی اور کپڑے لے کر واش روم میں گھس گئی، چند لمحوں بعد وہ منصورہ بیگم کے پاس پہنچی تو وہ اسی کی منتظر تھیں۔

''آپ نے اب تک کھانا شروع نہیں کیا۔'' فاریہ نے ہلکی سی مسکراہٹ لبوں پہ سجاتے ہوئے کہا۔

''تمہارے بغیر کیسے شروع کر لیتی، اتنے دن بعد آئی ہو، میں تو اداس ہو چکی تھی۔'' وہ محبت بھرے انداز میں بولیں تو فاریہ مسکرا کر رہ گئی، وہ خاموشی سے کھانا کھا رہی تھی جب منصورہ بیگم نے اسے مخاطب کیا۔

''لاہور میں سب کیسے ہیں؟''

''سب ٹھیک ہیں، چچی آپ کا پوچھ رہی تھیں۔'' فاریہ نے گلاس میں پانی ڈالتے ہوئے جواب دیا۔

''ہوں، فاریہ بیٹا! مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی تھی۔'' وہ توقف سے بولیں۔

''کس بارے میں؟'' فاریہ نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

''تمہاری شادی کے بارے میں۔'' وہ کچھ محتاط سی ہوئیں۔

''ارے میری شادی کے بارے میں، اچھا تو آپ اب مجھ سے تنگ پڑ گئی ہیں، چاہتی ہیں جلد از جلد مجھے بیاہ کر اپنے گھر سے رخصت کریں اور آپ کے گھر کا پہلے والا سکون واپس لوٹ آئے۔'' وہ شرارت سے ہنستی ہوئی بولی۔

''نہیں میری جان، میں تو چاہتی ہوں تم ہمیشہ میرے پاس اسی گھر میں رہو، میں نے تیمور سے تمہارے لئے بات کی تھی اور اسے تم سے شادی کرنے میں کوئی اعتراض نہیں اور اب میں بس تمہاری ہاں کی منتظر ہوں۔'' فاریہ کے حرکت کرتے ہاتھ ایک دم تھم گئے، اسے لگا ڈائننگ ہال میں چھائی گہری خاموشی میں دفعتاً کسی نے بلاسٹ کر دیا ہو جس کا شور اب تک اس کے کانوں میں سائیں سائیں کر کے گونج رہا ہے۔

''میں تمہیں اپنے تیمور کی دلہن بنانا چاہتی ہوں۔'' وہ خوشی سے چمکتے چہرے کے ساتھ اسے دیکھ کر بول رہی تھیں جہاں اس وقت گہری خاموشی چھا چکی تھی۔

''تم کچھ بول کیوں نہیں رہی؟'' انہوں نے اس کی مسلسل خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

''وہ...... وہ...... تیمور نے ہاں کر دی؟'' وہ جیسے کسی گہرے صدمے میں مبتلا تھی۔

''ہاں اس نے تو ہاں کر دی اب بس تمہاری ہاں کا انتظار ہے۔'' وہ خوشی سے چہکتے ہوئے بولیں۔

''بولو، تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں؟'' وہ اس سے پوچھ رہی تھیں۔

''اعتراض...... اعتراض ہے۔'' وہ غائب دماغی سے زیرلب بڑبڑائی لیکن منصورہ بیگم اس کا جواب نہیں سن سکیں۔

''کیا بول رہی ہو، تھوڑا اونچی کہو، اب اس عمر میں مجھے یہ سرگوشیاں کہاں سمجھ آتی ہیں۔'' وہ ہنستی ہوئیں بولیں۔

فاریہ کو سمجھ نہیں آرہا تھا وہ کیا کہے اور کیا نہ کہے، وہ تیمور سے شادی کیسے کر سکتی تھی، وہ تو احسن سے محبت کرتی تھی، اس کے دل میں تیمور کے لئے ایسا کوئی بھی جذبہ نہیں تھا کہ وہ اس سے شادی جیسا مضبوط رشتہ بنانے پر اتنی آسانی سے ہاں کر دیتی، لیکن اسے یہ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ تیمور نے ہاں کیوں کی؟ وہ تو اسے سخت ناپسند کرتا ہے۔

''اوہ تو مسٹر تیمور، آپ چاہتے ہیں انکار میں کروں اور آپ ہاں کر کے اپنی ماں کے سامنے فرمانبردار بیٹے ہونے کا کیبل حاصل کر سکیں، کتنے چالاک انسان ہیں آپ، لیکن آخر کب تک آپ کی چالاکیاں اور بدتمیزیاں میں برداشت کرتی رہوں گی۔'' فاریہ نے نفرت سے سوچا۔

''کن خیالوں میں کھو گئی؟'' منصورہ بیگم نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے نرمی سے کہا تو وہ چونکی۔

''کک...... کہیں نہیں۔'' وہ بس اتنا ہی کہہ سکی۔

''کیا تمہیں یہ رشتہ قبول نہیں؟'' منصورہ بیگم نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''قبول ہے۔'' جذبات سے عاری انداز میں جواب دیا گیا۔

''اللہ تیرا شکر ہے۔'' منصورہ بیگم کھل کے مسکراتی ہوئیں بولیں۔

''مجھے تم سے اسی جواب کی امید تھی۔'' محبت سے اس کا بوسہ لیتے ہوئے بولیں تو فاریہ قصداً مسکرا دی۔

اس کا دل کھانے سے اچاٹ ہو چکا تھا لیکن وہ پھر بے دلی سے پلیٹ میں چمچ چلا رہی تھی، منصورہ بیگم خوشی کے مارے اس کے چہرے پہ چھائی سنجیدگی پر بھی غور نہ کر سکیں اور وہ اپنی تھکاوٹ کا بہانہ کرتی ہوئی کھانا ختم کرتے ہی اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

☆☆☆

کون اجڑا ہوگا بھری دنیا میں ہماری طرح محسن
وہ بھی نہ ملا ہم کو اور ہم خود کو بھی گنوا بیٹھے

خالہ نے اسے بتایا تھا کہ تیمور آج نائٹ ڈیوٹی پر ہے اس لئے رات کو نہیں آئے گا، اس لئے وہ باہر لان میں آ بیٹھی، ہلکی ہلکی ہوا میں خنکی کا احساس تھا لیکن اس وقت اسے اپنی بالکل پرواہ نہیں تھی، وہ ان کو ہاں تو کہہ گئی تھی لیکن اسے اب احساس ہوا تھا کہ وہ اس نے غصے میں محض ضد میں آ کر کہا تھا۔

کیونکہ وہ جانتی تھی تیمور اسے بالکل پسند نہیں کرتا اور اس سے شادی کرنے کا تو سوچ بھی نہیں سکتا، لیکن اسے برا یہ سن کر لگا تھا کہ جب اسے اتنا ہی ناپسند کرتا ہے تو اپنی امی سے صاف صاف انکار کیوں نہ کر دیا، کیوں خود اچھا بننے کی کوشش میں مجھے برا بنانا چاہا، میں انکار کرتی تو خالہ انکار کی وجہ پوچھتی۔

''اگر میں انہیں یہ بھی کہہ دیتی کہ میں کسی اور کو پسند کرتی ہوں تو وہ مجھے اس سے ملوانے کا کہتیں، تو میں پھر ان کو کس سے ملواتی اور کیسے ملواتی؟''

''میرا من چاہا انسان تو کب کا کسی اور کے نام منسوب ہو چکا۔'' اس کی آنکھوں میں آنسو بھر

آئے۔

''اف خدایا، یہ کیسی مشکل زندگی ہے، کاش اس روڈ ایکسیڈنٹ میں میں بھی اپنے والدین کے ساتھ مر جاتی۔'' اس نے بے دردی سے لب کچلتے ہوئے سوچا، وہ ایک بار پھر بے بس ہونے لگی تھی اور اس وقت اس کی بے بسی عروج پر تھی۔

''امی! کاش آپ اس وقت میرے پاس ہوتیں، میں آپ کو بتا سکتی آپ کی بیٹی کس اذیت سے گزر رہی ہے۔'' وہ نروٹھے پن سے آسمان کی جانب دیکھتے ہوئے بولی۔

''بابا آپ تو میری ذرا سی تکلیف پر تڑپ اٹھتے تھے اور اب، اب جب میں اتنے درد میں اتنی تکلیف میں ہوں تو آپ کیوں میرے پاس نہیں۔'' اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ کر رخسار پر ٹھہر گئے جنہیں اس نے بے دردی سے اپنی انگلیوں کی پوروں سے رگڑ کر صاف کیا، وہ دونوں ہاتھوں میں سر تھام کر بیٹھ گئی اور بے آواز رونے لگی جب باہر گاڑی کے ہارن نے اسے چونکا دیا، اس نے ہاتھ میں بندھی گھڑی پر وقت دیکھا تو پونے چار ہو رہے تھے اور کئی گھنٹوں سے اس سردی میں بیٹھی آنسو بہا رہی تھی اپنی بدنصیبی پر ماتم کر رہی تھی، وہ جلدی سے اٹھی اور اٹھ کر اپنے کمرے کی جانب بڑھنے لگی، چوکیدار گیٹ کھول چکا تھا، اس نے لاؤنج میں قدم رکھا تھا جب اسے اپنے پیچھے لاؤنج میں کوئی داخل ہوتا ہوا محسوس ہوا۔

اور وہ جانتی تھی اس وقت کوئی اور نہیں تیمور ہی ہوگا، اس لیے اس نے پیچھے مڑ کر دیکھنا گوارہ نہیں کیا اور چلتی گئی جب پیچھے سے آئی آواز نے اس کے بڑھتے قدموں کو تھم جانے پر مجبور کیا۔

''فاریہ!'' اسے اس وقت اپنا نام بے حد برا لگا، کیونکہ جس شخص نے اس کا یہ نام لیا تھا اسے وہ شخص اب بالکل بھی پسند نہیں رہا تھا، اس نے بنا کچھ کہے مڑ کر تیمور کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھا، وہ ایک بازو پر کوٹ رکھے اور دوسرا ہاتھ پینٹ کی جیب میں ڈالے اسی کو دیکھ رہا تھا۔

''میں نے کھانا نہیں کھایا اور مجھے شدید بھوک لگی ہے جلدی سے کھانا گرم کر کے میرے کمرے میں لے آؤ۔'' اسے محسوس ہوا وہ اپنی کزن سے نہیں جیسے کسی ملازم سے مخاطب تھا۔

''نوکر نہیں ہوں آپ کی۔'' وہ غصے میں دھاڑی۔

''عنقریب بننے والی ہو۔'' وہ طنزیہ مسکراہٹ لبوں پہ سجاتا ہوا بولا، فاریہ اس کے جواب پر مزید جل کر رہ گئی۔

''اب یہاں کھڑی میرا منہ دیکھتی رہو گی یا کھانا لے کر آؤ گی؟'' اس نے سخت لہجے میں کہا۔

''میں آپ کے کسی بھی حکم کی پابند نہیں ہوں۔'' وہ پاؤں پٹختی ہوئی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی، تیمور کو اس کے انداز پر مزید غصہ آ گیا، لیکن وہ سختی سے اپنا ہاتھ دیوار پر مارتا ہوا خود بھی کمرے میں چلا آیا۔

کھانا تو وہ کھا کر آیا تھا لیکن فاریہ کو زچ کرنے میں اسے اب سکون ملنے لگا تھا، لیکن اس بار فاریہ نے اسے سکون کے بدلے میں پہلے سے زیادہ بے سکون کر دیا۔

☆☆☆

اتنا سمجھ چکی تھی میں اس کے مزاج کو
وہ جا رہا تھا اور میں حیران بھی نہ تھی
آراستہ تو خیر نہ تھی زندگی کبھی
پر تجھ سے قبل اتنی پریشان بھی نہ تھی

احسن آج دو تین دن بعد ہوٹل آیا تھا، وہ اپنے آفس میں بیٹھی لیپ ٹاپ پر مصروف تھی

جب اس نے دروازے پہ ہوتی دستک کو سنتے ہوئے لیپ ٹاپ سے نظر اٹھا کر سامنے کھڑے احسن کو دیکھا۔

"السلام علیکم!" احسن نے فریش موڈ میں سلام کیا تو اس نے سلام کا جواب دیتے ہوئے اسے سامنے پڑی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"افشاں کیسی ہے اب؟" فاریہ نے پہلا سوال ہی اس کی منگیتر کے بارے میں پوچھا اور یہی اس کی اعلیٰ ظرفی تھی۔

"جی پہلے سے کچھ بہتر ہے۔" احسن نے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

"بہت پیاری اور معصوم ہے، اللہ اسے ہمیشہ خوش رکھے اور اسے صبر دے۔" وہ عجیب سے لہجے میں بولی تو احسن نے چور نظروں سے اسے گھورا۔

"ہمارا اگلے ہفتے نکاح ہے۔" وہ دھیمے لہجے میں بولا لیکن اس کے لہجے میں چھپی خوشی واضح تھی۔

"آہ۔" ایک اور بلاسٹ، ایک اور درد، ایک اور بوجھ، ناقابل برداشت، ناقابل فراموش، اس کا ایک زخم بھرتا نہیں کہ دوسرا تیار تھا، اس نے بنا کچھ کہے تھک ہار کر کرسی کی پشت سے ٹکا دیا، جیسے اس کی زندگی کی آخری سانسیں لینے کا وقت آن پہنچا تھا۔

تو وہ ہمیشہ کے لئے اس نازنین کا ہونے جا رہا ہے، وہ ہمیشہ کے لئے اسے کھو رہی ہے، تو کیا اب وہ ہمیشہ اس حسین پری کی قربت میں رہے گا۔

"نہیں...... نہیں...... نہیں۔" اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر دائیں بائیں گھمایا، احسن اس کو اس کیفیت میں دیکھ کر پریشان ہو گیا وہ جلدی سے اٹھ کر اس کے قریب پہنچا اس نے مضبوطی سے اسے شانوں سے اور جھنجھوڑتے ہوئے جیسے ہوش میں لانے لگا۔

"میم...... میم...... فاریہ...... فاریہ کیا ہو ہے آپ کو۔" وہ میم سے فاریہ پکارنے لگا

فاریہ جیسے اچانک پرسکون ہو گئی، اس نے آنکھوں کو ہولے سے کھولا، وہ دشمن جاں کے قریب کھڑا تھا، فاریہ نے حسرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھا، وہ اس شہر کے سرد مو میں بھی پسینے سے بھیگ چکی تھی۔

احسن نے میز پر رکھا پانی کا گلاس پکڑ کر اس کی جانب بڑھایا، وہ بنا کچھ کہے اس کے ہاتھ سے پانی کا گلاس تھام کر ایک سانس میں سارا پانی پی گئی، لیکن اندر جو طوفان اٹھا تھا، جو آگ لگ چکی تھی وہ کسی صورت بجھنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

"Are you ok?" احسن نے اس کو دیکھتے ہوئے پریشانی سے پوچھا۔

"احسن میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، میں گھر جانا چاہتی ہوں، پلیز ڈرائیور سے کہہ کر مجھے گھر ڈراپ کروا دیں۔" وہ خود کو سنبھالتی ہوئی بس اتنا بول سکی۔

"ہاں آپ کو اس وقت آرام کرنا چاہیے، میں ابھی ڈرائیور سے کہتا ہوں۔" وہ جلدی سے باہر کی جانب بڑھا اور فاریہ ایک دکھ بھری مسکراہٹ لبوں پر سجاتی ہوئی ہنس دی، کیونکہ اسے اپنے لئے اس کا پریشان ہونا اچھا لگا تھا، وقتی ہی سہی لیکن کچھ تسکین ضرور ملی تھی۔

☆☆☆

ابھی ضد نہ کر دل بے خبر
یہ پس ہجوم ستم گراں
ابھی کس کو فرصتیں اس قدر
کہ سمیٹ کے تیری کرچیاں

تیرے حق میں دل سے دعا کرے
اس کی اتنی جلدی واپسی پر منصورہ بیگم فکر مند ہوگئیں، انہیں ملازم نے اس کے لوٹنے کی اطلاع دی تو وہ فوراً اسے اس کے کمرے کی جانب بڑھیں، ابھی دو گھنٹے ہی تو ہوئے تھے اس کو ہوٹل گئے اور وہ واپس بھی آ گئی، منصورہ بیگم نے اس کے کمرے کی جانب بڑھتے ہوئے سوچا۔
وہ دروازے پر دستک دیتی ہوئیں کمرے میں داخل ہوئیں تو اندر کا منظر دیکھ کر ان کا دل دہل گیا، وہ بیڈ پر اوندھے منہ لیٹی تھی، مصنورہ بیگم جلدی سے اس کی جانب بڑھیں، اس کو چھوتے ہی انہیں احساس ہو کہ وہ بخار میں تپ رہی ہے وہ جلدی سے بولیں۔
''تیمور...... تیمور......'' وہ اسے جھنجھوڑتے ہوئے جگانے لگیں۔
''کیا ہوا امی؟'' وہ نیم غنودگی میں بولا۔
''اٹھو بیٹا، دیکھو فاریہ کو کیا ہو گیا ہے۔''
''کچھ نہیں ہوا ہو گا، اس کے لئے اتنا پریشان مت ہوا کریں۔'' وہ بیزاری سے منہ پر کمبل لیتا ہوا بولا۔
''تیمور! وہ اپنے کمرے میں بے ہوش پڑی ہے۔'' وہ غصے سے چلائیں تو وہ فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا۔
''بیٹا تم چل کر اسے دیکھو، اچانک سے کیا ہو گیا ہے۔'' رورو دینے کو تھیں۔
''آپ...... آپ روئیں نہیں، میں دیکھتا ہوں۔'' وہ جلدی سے بیڈ سے اترا اور اس کے کمرے میں چلا آیا، منصورہ بیگم بھی اس کے ساتھ ہی اس کے کمرے میں داخل ہوئیں، تیمور نے اسے کندھوں سے تھامتے ہوئے سیدھا کر کے لٹایا، اور اس کا بازو تھام کر نبض چیک کرنے لگا، وہ واپس اپنے کمرے میں گیا اور کیبنٹ سے کچھ انجکشن اور میڈیسن نکال کر واپس اسی کے کمرے کی جانب بڑھا، وہ بڑی مہارت سے اپنا کام سر انجام دے رہا تھا اور منصورہ بیگم خاموشی سے بھیگی آنکھوں سے کبھی بے حال پڑی فاریہ کو اور کبھی پھرتی سے اپنا کام کرتے تیمور کو دیکھ رہیں تھیں۔
''فاریہ ٹھیک تو ہے نا؟'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولیں۔
''جی ٹھیک ہے، رات دیر تلک سردی میں بیٹھنے سے یہی نتیجے نکلتے ہیں۔'' وہ اس وقت بھی اس پر غصہ کیئے بنا نہ رہ سکا۔
''مطلب؟'' وہ اس کی جانب دیکھتے ہوئے بولیں۔
''معمولی سا بخار ہے، انجکشن دے دیا ہے، کچھ دیر میں ہوش آ جائے گا۔''
''لیکن معمولی سے بخار میں یوں بے ہوش کون ہوتا ہے۔'' وہ اس کے جواب سے مطمئن نہ ہوسکیں۔
''امی! بے ہوش یہ بخار سے نہیں کمزوری سے ہوئی ہے۔'' وہ اکتاہٹ سے بولا۔
''میں نے ہزار بار کہا ہے اس لڑکی کو کہ اپنا خیال رکھا کرے لیکن میری کہاں سنتی ہے۔'' وہ اس کے قریب بیٹھتی ہوئیں بولیں۔
اس نے جب سے تیمور سے شادی کے لئے ہاں کی تھی کھانا پینا چھوڑ رکھا تھا اور اگر کھاتی بھی تو صرف منصورہ بیگم کو دکھانے کی خاطر اور رات وہ دیر تک سردی میں بیٹھی رہی تھی، اس کی طبیعت رات سے ہی کچھ ناساز تھی لیکن احسن کی سنی گئی بات کے بعد اسے خود پر قابو پانا مشکل ہو گیا تھا، اسی لئے وہ گھر چلی آئی اور بیڈ پر لیٹنے کے بعد وہ کب کیسے بے ہوش ہوئی اسے کچھ خبر نہیں تھی۔
''جاگے تو کچھ کھلا کر یہ دوائی کھلا دیجئے

گا۔'' اس نے ٹیبل پر رکھی میڈیسن کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا اور خود کمرے سے نکل گیا اور منصورہ بیگم اس کے قریب بیٹھیں اس کے بالوں کو سہلانے لگیں۔

☆☆☆

جب کسی اور کو وہاں دیکھا
میں تیرے خواب سے نکل آیا

اس نے آنکھیں کھولیں تو وہ اپنے کمرے میں بیڈ پر لیٹی تھی، کمرے میں ہیٹر آن تھا اور اس پر کسی نے کمبل بھی ڈال دیا تھا، یقیناً منصورہ بیگم اس کے کمرے میں آئی تھیں، اس نے لیٹے لیٹے چھت کو گھورتے ہوئے سوچا۔

اس نے کروٹ بدلنی چاہی تو سر میں شدید درد کا احساس ہوا، اس کا سر بخار سے بھاری ہو رہا تھا، وہ اسی طرح لیٹی رہی، جب دفعتاً اسے ہوٹل میں احسن سے ہونے والی اپنی گفتگو یاد آئی اور وہ اچانک اس کے سامنے کیسے بے خود ہو گئی تھی، اسے خود پر غصہ آنے لگا، وہ اپنی سوچوں میں گم تھی جب منصورہ بیگم ہاتھ میں سوپ لئے کمرے میں داخل ہوئیں۔

''جاگ گئیں۔'' وہ سوپ والی ڈش میز پر رکھتی ہوئیں محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتی ہوئی بولیں، اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

''دیکھو تو ایک دن میں کتنی کمزور لگنے لگی ہو، میں نے کتنی بار کہا ہے اپنے کھانے پینے کا خاص خیال رکھا کرو، لیکن تم کہاں سنتی ہو میری کوئی بھی بات۔'' وہ ہلکی سی خفگی سے بولیں۔

''چلو اب پہلے یہ سوپ پی لو پھر دوائی بھی کھانی ہے۔'' انہوں نے اس کو سہارا دیتے ہوئے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگاتے ہوئے بٹھایا، وہ خاموشی سے سوپ پینے لگی، منصورہ بیگم پاس بیٹھیں اس سے ہلکی پھلکی گفتگو کرتی رہیں لیکن اس کا دھیان ان کی باتوں کی طرف نہیں تھا وہ نہ جانے کن خیالوں میں گم تھی۔

''میں نے مریم کو بھی فون کر کے تمہارے اور تیمور کے رشتے کی خوشخبری سنا دی ہے، وہ تو سنتے ہی خوشی سے چیخ اٹھی تھی۔'' فاریہ نے دفعتاً چہرہ ان کی جانب کیا اور بغور انہیں دیکھنے لگی۔

''ایک دو دن میں چکر لگائے گی وہ بھی، پھر شادی کی تاریخ وغیرہ طے کرنے کے لئے تمہارے طاہر چاچو کو بھی بلوا لیں گے، میں نہیں چاہتی اس خوشی کے موقعہ پر کوئی ناراض رہے اور الیاس کو ایک ہی بار شادی پر انوائیٹ کریں گے کیونکہ اس نے تو آ کر محض بدمزگی ہی پیدا کرنی ہے اور میں ایسی کوئی بدمزگی نہیں چاہتی جس سے گھر کا ماحول خراب ہو۔'' وہ اپنی ہی دھن میں مگن اسے اپنی منصوبہ بندی بتا رہی تھیں۔

اس نے سوپ والا خالی باؤل ان کی جانب بڑھایا تو انہوں نے میز پر رکھتے ہوئے اس کی میڈیسن نکالی اور وہ کھلانے کے بعد دوبارہ سے اپنی گفتگو شروع کر لی۔

''صبح میں تمہاری ایسی حالت دیکھ کر بہت پریشان ہو گئی تھی، وہ تو شکر اللہ کا تیمور ابھی گھر پر ہی تھا، ورنہ میں تو تمہیں دیکھ کر کچھ سمجھ ہی نہیں پا رہی تھی کہ کیا کروں کیا نہیں۔'' وہ فکرمندی سے گویا ہوئیں۔

''تیمور بتا رہا تھا تم رات دیر تک سردی میں بیٹھی رہیں، جس کی وجہ سے تمہیں بخار ہو گیا۔'' تیمور...... تیمور، اب یہ نام کسی ہتھوڑے کی طرح اس کے دماغ پر پڑتا تھا، اس نے وحشت سے اپنے دونوں کان پر ہاتھ رکھتے ہوئے سر گود میں رکھ لیا، منصورہ بیگم ایک بار پھر اس کو ایسے دیکھ کر پریشان ہو گئیں۔

''فاریہ! بیٹا تم ٹھیک ہو نا؟'' وہ نرمی سے

پوچھنے لگیں۔
"میں ٹھیک ہوں خالہ جانی، بس سر میں درد ہو رہا ہے۔" اس نے اسی طرح چہرہ جھکائے ہوئے جواب دیا تو وہ اس کا لیٹنے کا کہہ کر خود کھڑی ہو گئیں۔
"تم آرام کرو، بخار اترنے لگا تو بہتر محسوس کرو گی۔" وہ لیٹی تو انہوں نے اسے کمبل اوڑھا دیا اور کمرے سے نکل گئیں۔
ان کے جاتے ہی فاریہ نے اپنی بند آنکھوں کو کھولا، سکون، تنہائی، خاموشی، ہاں اسے اب گہری خاموشی ہی پسند تھی، وہ کمرے کی چھت کو گھورنے لگی، زندگی کتنی بے کیف لگنے لگی تھی، وہ اللہ کی ذات سے مایوس ہونے والوں میں سے نہیں تھی لیکن پھر بھی نہ جانے کیوں وہ تھکنے سی لگی تھی، اس کی آنکھوں کے کونے سے بہتے ہوئے آنسو اس کے رخسار پہ آ ٹھہرے۔
دروازے پہ دفعتاً کسی کی آہٹ محسوس ہوئی تو اس نے فوراً چہرہ پہ کمبل لیتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں اور سونے کی ایکٹنگ کرنے لگی، وہ اس وقت کسی سے بھی بات نہیں کرنا چاہتی تھی، چند ثانیے بعد اسے محسوس ہوا کہ کوئی اس کا بازو تھام رکھا ہے، اس نے آنکھیں نہیں کھولیں، شاید وہ اس کا بخار چیک کرنے آیا تھا اور یقیناً وہ اپنی نہیں منصورہ بیگم کی مرضی سے آیا تھا۔
"امی تو خواہ مخواہ اس کی فکر میں خود کو ہلکان کرتی رہتی ہیں، معمولی سا بخار ہی تو ہے، نہیں مرتی اتنی آسانی سے۔" تیمور کی بڑبڑاہٹ وہ سن رہی تھی، لیکن پھر بھی خاموش رہی، وہ واپس پلٹ گیا تو اس نے کمبل ہٹا کر بند ہوتے دروازے کو دیکھا اور کروٹ بدلتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔

(جاری ہے)

پربت کے اس پار کہیں

نایاب جیلانی

پینتیسویں قسط کا خلاصہ

نیل بر جہاندار سے گلالئی سے ملاقات کا ذکر کرتی ہے تو وہ چونک کر سوچتا ہے کہ یہ بھولی سری کہانی کا کردار نیل بر سے کہا آٹکرایا۔

ساہنواز خان مورے سے ملنے آتا ہے تو عروفہ کو بے حد برا لگتا ہے وہ عشیہ سے الجھ پڑتی ہے، اِدھر ولید نشرہ سے انتقام لینے کے لئے عروفہ کو اپنی جھوٹی محبت کے جال میں پھنسا لیتا ہے۔

صندیر خان کا خاص بندہ اسے بتاتا ہے کہ جہاندار اصل میں کون ہے، صندیر خان سب جان کر سناٹے میں رہ جاتے ہیں۔

اس کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ شاہوں کی حویلی کا کوئی گم شدہ کردار یوں سامنے آ جائے گا، کردار بھی وہ جو اپنے دامن میں انتقام اور تباہی لے کر آئے گا۔

ابام کے آپریشن کی کامیابی پر پلوشہ پورے خاندان کو دعوت پر بلاتی ہے، امام جب ڈاکٹر کے کہنے کے مطابق صبح سویرے واک کے لئے آیا تو شانزے سے ٹکراؤ ہو گیا جو اسے یوں واک کرتے دیکھ کر حیران رہ گئی۔

چھتیسویں قسط

اب آپ آگے پڑھیئے
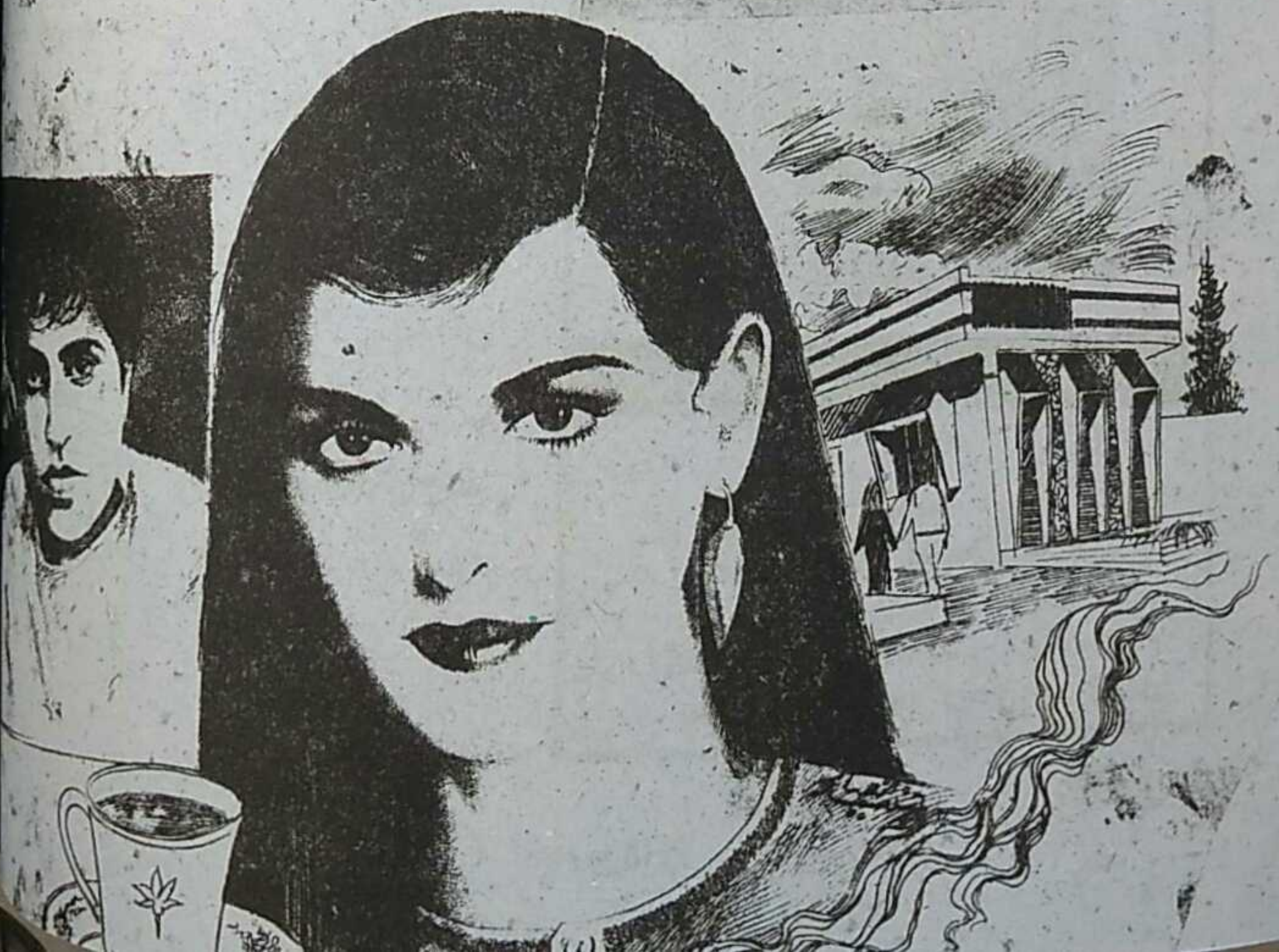
اور نیل بر کا دل ان دنوں پتے کی طرح لرزتا تھا، سمجھ نہیں آتی تھی کہ کیا ہونے والا ہے، دل کی حالت عجیب سی تھی، وہ اپنی کیفیات سمجھنے سے بالاتر تھی۔
اتنی بڑی حویلی کاٹ کھانے کو دوڑتی، امام سے بھی روز ملاقات ممکن نہیں تھی، وہ اپنی جاب کی وجہ سے بہت مصروف رہنے لگا تھا، بس ایک گلالئی بچتی تھی، جو کبھی اپنی سوتیلی ماں سے نظر بچا کر باہر نکل آتی تو نیل بر کا اچھا وقت گزر جاتا تھا۔
اس دن دوپہر کو نیل بر کا دل گھبرایا تو اسٹرابیریز چننے باہر آ گئی، اس کی اچھی قسمت تھی کہ اسے گلالئی اپنے کھیتوں میں سبزیاں توڑتی دکھائی دے گئی تھی، نیل بر کی من کی مراد بر آئی تھی، وہ تیزی سے گلالئی تک آ گئی۔
''کیسی ہو گلالئی؟'' اس نے اچانک پیچھے سے گلالئی کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا، وہ بے چاری اپنے دھیان میں مگن تھی، ایک دم ڈر گئی۔
''او...... مار ا، ڈرا ہی دیا۔'' گلالئی کے گلابی چہرے پر پسینہ اتر آیا، نیل بر اچانک ہنس پڑی تھی۔
''بہت ہی ڈرپوک ہو تم۔''
''وہ تو میں ہوں۔'' اس نے تسلیم کر لیا تھا۔
''تم کب آئیں۔'' وہ اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے پگڈنڈی کی طرف چلنے لگی۔
''بس ابھی۔''
''مگر اس وقت کیوں؟'' گلالئی نے خیرت سے پوچھا۔
''دل گھبرایا تو نکل آئی۔'' وہ اداسی سے بولی تھی، گلالئی نے اس کی اداسی محسوس کر لی۔
''خیر تو ہے نا۔'' گلالئی نے متفکر لہجے میں کہا، اسے نیل بر بہت الجھی الجھی دکھائی دے رہی تھی۔
''خیر تو نہیں ہے۔'' اس کی اداسی گہری ہو گئی۔
''خدا نہ کرے، میری جان، ایسے نہیں بولتے۔'' گلالئی نے فکرمندی سے کہا۔
''تو کیسے بولتے ہیں؟ جب کہیں خیر نظر نہ آئے تو۔'' وہ سخت دلبرداشتہ نظر آتی تھی۔
''کیا تمہارا جھگڑا ہوا ہے؟'' اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔
''کس سے؟'' نیل بر حیران ہوئی۔
''جہاندار سے۔'' گلالئی کی آواز دھیمی پڑ گئی تھی۔
''نہیں تو۔''
''پھر؟'' شاید وہ اداسی کی وجہ معلوم کرنا چاہتی تھی۔
''تمہیں نہیں پتہ گلالئی۔'' اس نے مٹی کی کنکریاں اٹھاتے ہوئے افسردگی سے کہا تھا۔
''کیا؟''
''جمعہ کو یہاں پولو کا میچ ہے۔'' نیل بر نے جیسے دھماکہ کیا۔
''او...... خدا خیر کرے۔'' گلالئی نے دل پکڑ لیا۔

''رات کو لالہ ذکر تو کر رہے تھے، میں نے ٹھیک سے سنا نہیں، اللہ خیر کرے گا، تم پریشان نہ ہو۔''

''کیا واقعی پریشان نہ ہوں۔'' نیل بر نے عجیب لہجے میں دریافت کیا۔

''کیا یہ عام میچ ہوگا؟''

''اللہ سے اچھی امید رکھتے ہیں۔'' گلالئی نے اسے تسلی دی تھی مگر اس کا لہجہ کمزور تھا۔

''جو ہارے گا، وہ خاموش رہے گا؟''

''سب بہتر ہوگا۔'' گلالئی کے الفاظ ہلکے پڑ گئے تھے اور لہجہ دھیما ہو رہا تھا، شاید برے وقت کی آہٹیں اسے بھی سنائی دے چکی تھیں وہ بھی اداس ہو گئی تھی۔

''جہاندار شاہ اور صندیر خان دو پہاڑ ہیں، دو آتش فشاں ہیں۔'' وہ اس سے زیادہ تبصرہ نہیں کر سکتی تھی۔

''گلالئی میں دل بہت خوفزدہ ہے، میں کچھ بھی کھونا نہیں چاہتی، میں بہت کچھ کھو چکی ہوں، میرے پاس اب کھونے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے۔'' وہ ہراساں نظر آتی تھی، اس کی سمندر آنکھوں میں خوف کا پانی ٹھہرا ہوا تھا۔

''تم اللہ سے اچھی امید رکھو، اللہ تمہیں تنہا نہیں چھوڑے گا، کیا کبھی اللہ نے تمہیں تنہا چھوڑا؟'' گلالئی نے اس کے نام ہاتھ تھپتھپا کر تسلی دی تھی۔

''میرا دل ڈرتا ہے۔'' وہ بے بسی سے بولی۔

''میری بات کا جواب دو، کیا اللہ نے تمہیں اکیلا چھوڑا؟ جب سب اپنے تمہارے دشمن بن گئے تھے تو تب اللہ نے ایک مضبوط آدمی کو تمہارا سہارا بنا دیا، کیا تمہیں خدا کی مدد پہ یقین نہیں۔'' گلالئی کے میٹھے الفاظ نے نیل بر کے دل میں اطمینان بھر دیا تھا۔

''مجھے خدا کی مدد پہ پورا یقین ہے۔''

''تو پھر...... گھبراؤ نہیں، خدا سب ٹھیک کرے گا۔''

''تم اتنی مطمئن کیسے رہتی ہو گلالئی؟'' کچھ دیر بعد نیل بر اس سے سوال کر رہی تھی۔

''اس لئے کہ اللہ کی مدد پہ یقین رکھتی ہوں، تم کو ایک بات بتاؤں نیل بر۔'' وہ مسکراتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''یقین کامل ہی اصل بندگی ہے۔'' وہ اس کی سوالیہ نظروں کا مفہوم پا کر جواب دے رہی تھی۔

''خدا پر یقین رکھو، وہ تمہاری خوف میں مدد کرے گا اور تنہائی میں رفیق عطا کر دے گا، کیونکہ اللہ بہت مہربان اور بہت رحمان ہے۔''

''گلالئی!'' نیل بر جیسے ٹرانس میں چلی گئی تھی، بے خودسی ہو گئی تھی اور حیران نظروں سے دیکھتی رہ گئی تھی۔

''اطمینان قلب کے لئے صرف اللہ کا سہارا کافی ہوتا ہے۔'' گلالئی جیسے کسی خواب کے سفر پہ تھی اور اس کا کنکشن کچھ دیر کے لئے موجودہ دنیا سے کٹا ہوا لگ رہا تھا۔

''میں نے اللہ سے بڑھ کر کسی کو بھی اپنا رفیق نہیں پایا، بس اللہ ہی ہے جو بے چین دلوں کو چین سے بھر دیتا ہے، ورنہ ہم محبت میں بھٹکے ہوئے لوگ کہاں جاتے نیل بر؟ ورنہ ہم تقدیر کے مارے قسمت سے ہارے لوگ کہاں جاتے؟'' اس کے لفظ لفظ سے موتی جڑ رہے تھے، اس کے حرف حرف میں خوشبو تھی اور شعور کی نمی سے وہ لفظوں کے تاج محل بنا سکتی تھی، وہ بہت خوبصورت لفظوں کی جادوگر تھی، اس کا لفظ لفظ نیل بر کے دل پر انمٹ نشان چھوڑ رہا تھا۔

''میں سوچتی تھی تم اتنی مطمئن کیسے رہتی ہو، آج مجھے میرے سوال کا جواب مل گیا ہے۔'' نیل بر نے گہرا سانس بھرا تھا، وہ جو دل میں ایک بے قراری کی لہر چکرا رہی تھی، اسے سکون مل گیا تھا۔

''ایسا سکون تمہیں بھی مل سکتا ہے۔'' گلالئی اپنی سبزی کی ادھ بھری ٹوکری اٹھاتے ہوئے بولی تھی۔

''میں اس سکون کو ڈھونڈنے کی ضرور کوشش کروں گی۔'' نیل بر نے حوصلہ افزا مسکراہٹ سے جواب دیا تھا۔

''کیا تم میرے ساتھ میرے گھر چلو گی، میں اچھی چائے تو نہیں بنا سکتی، مگر تم میرے خلوص پہ یقین رکھ سکتی ہو۔''

''مجھے گھر جانے کی جلدی نہ ہوتی تو ضرور چلتی۔'' گلالئی نے سلیقے سے ٹال دیا تھا۔

''تو تم کب اپنا وعدہ پورا کرو گی؟'' نیل بر نے مصنوعی خفگی سے جتلایا تھا۔

''کوشش کروں گی، اپنا وعدہ پورا کر سکوں۔'' گلالئی نے پیار سے جواب دیا تھا۔

''اچھا، اب دھیان سے جاؤ، اپنا خیال رکھنا خدا حافظ۔'' گلالئی نے ہاتھ ہلا کر اسے جانے کا اشارہ کیا تھا اور تب تک وہیں کھڑی رہی، جب تک نیل بر نظر سے اوجھل نہیں ہو گئی تھی۔

☆☆☆

حمت کو بی جاناں کی طرف سے بلاوا کیا ملا فارم ہاؤس میں عارضی طور پر مکین ساری لڑکیاں ہی اداس ہو گئی تھیں۔

''ارے میں جلدی آ جاؤں گی نا۔'' حمت نے کومے کو بسورتے اور نشرہ کے افسردہ ہونے پر تسلی دیتے ہوئے کہا تھا۔

''پہلے بھی ایک ہفتہ لگا کر آئی تھی۔'' کومے نے خفگی سے کہا۔

''ایک ہفتہ؟'' نشرہ کا دل بھی بیٹھ گیا، کومے اور حمت سے بہت اچھی دوستی ہو گئی تھی، اب تو ان کے علاوہ اس کا دل ہی نہیں لگتا تھا، حمت کے جانے کا سن کر وہ سب ہی افسردہ تھیں۔

''بی جاناں کی روح کو بھی چین نہیں، ایک طرف حمت کو دیکھ بھی نہیں سکتیں، دوسری طرف حمت کے بغیر رہ بھی نہیں سکتیں۔'' سبا خانہ ویسے بھی جلی بیٹھی تھی، بی جاناں کے بلاوے پر زیادہ غصہ بھی سبا خانہ کو ہی تھا، کومے اور نشرہ نے اس کی بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا۔

''پتا نہیں کیا ڈرامہ ہے لگتا ہے شاہوار کی بیوی نے کچھ زیادہ ہی ناکوں چنے چبوا ڈالیں ہیں۔'' سبا خانہ دانت کچکچا کر بولی تھی۔

''بری بات سبا خانہ۔'' حمت بولی تھی، شاہوار کے نام پر اچانک نشرہ ٹھٹک گئی، اس کے ہاتھ

میں چقندر کا ٹکڑا لرز کر رہ گیا تھا۔

''شاہوار نے بھی تو اس مہارانی کو بتُو محل کی ملکہ عالیہ بنا کر سارے اختیار دے دیا اور سب سے بڑی بات صندیر لالہ نے کوئی اعتراض بھی نہیں کیا، بی جاناں کو اس فتنی لڑکی نے مکھی کی طرح چپکا کر دیوار سے لگا دیا ہے، ان کو اب حمت کی یاد تو آئے گی نا۔'' سباخانہ نے جل کر کہا تھا۔

''فتنی لڑکی؟'' نشرہ کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا، اس نے گھبرا کر حمت کی طرف دیکھا، وہ چادر اوڑھ کر بیگ باندھے بالکل تیار بیٹھی تھی، کیا وہ حمت سے پوچھ لے، نشرہ نے دھڑکتے دل کے ساتھ سوچا تھا۔

''تم کس کی بات کر رہی ہو؟'' اور بالآخر نشرہ نے پوچھ ہی لیا۔

''اسی آفت کی پرکالہ کی، جس نے دو دن میں بتُو محل کا نظام بدل کر رکھ دیا، بی جاناں کا تخت ہی الٹ دیا۔'' جواب حمت کی بجائے سباخانہ کی طرف سے آیا تھا۔

''سباخانہ۔'' حمت اسے گھور گھور کر تنگ آ گئی تھی، مگر سباخانہ کی چلتی زبان کو روک نہ پائی۔

''آنکھیں مت دکھاؤ، سچ کہہ رہی ہوں، اب بی جاناں کا سکہ نہیں چلنے والا، ان کی ٹکر کی بلا اب آئی ہے۔'' سباخانہ نے چقندر دانتوں تلے کتر کر نخوت سے کہا تھا۔

''کچھ شرم کرو۔''

''سچ بولنے میں کیا شرم ہے، اب بی جاناں کی حکمرانی کے دن نہ گئے۔'' اس نے بلاوجہ کھوکھلا قہقہہ لگایا تھا۔

''کیا ضرورت تھی اسے گھر لانے کی۔'' حمت نے زیر لب بڑبڑا کر کہا۔

''بتُو محل کا سکون ہی برباد ہو گیا۔''

''سکون پہلے ہی برباد تھا، اور بتُو محل کو نا ودھا اور نیل بر کی بد دعائیں لے ڈوبی ہیں۔'' سباخانہ نے سکون سے حمت کا سکون برہم کر دیا تھا۔

''بس کر دو سباخانہ۔'' حمت کو مہمان لڑکیوں کا احساس تھا، ان کے سامنے گھر کی باتیں ڈسکس کرنا اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

''شاہوار خان نے بھی تو بتُو محل کی عزت کو بٹہ لگا دیا نا، اب بھگتیں سب، ودھا اور فرخزاد کے لئے اصول الگ، شاہوار خان اور صندیر خان کے لئے اصول الگ، واہ کیا انصاف کے کہنے ہیں۔'' سباخانہ تو حلق تک بھری ہوئی تھی، حمت بار بار گھڑی دیکھتی رہی، ڈرائیور آتا تو اس کی سباخانہ سے تو گلو خلاصی ہوتی اور ادھر نشرہ دم بخود بیٹھی تھی، گم صم اور چپ۔

''شاہوار...... شاہوار خان، بتُو محل اور عیشہ؟۔'' اس کا دل جیسے لمحہ بھر کے لئے دھڑکنا ہی بھول گیا تھا۔

''تو کیا وہ عشیہ کے خاندان میں بیٹھی ہے؟ ہائے اللہ۔'' اس نے دل تھام لیا تھا، ادھر سباخانہ کی توپوں کا رخ اس کی طرف ہو گیا تھا۔

''تم کو ہارٹ اٹیک تو نہیں ہونے والا، یہ دل کیوں بار بار پکڑ رہی ہو؟ دیکھو یہاں ڈاکٹر بھی آسانی سے نہیں ملتا۔''

''نہیں میں ٹھیک ہوں۔'' نشرہ گھبرا گئی تھی۔
''تو پھر چہرے پہ بارہ کیوں بج رہے ہیں۔'' سباخانہ نے الجھن بھری نظروں سے اسے دیکھا۔
''نہیں تو۔''
''اچھا نہیں تو نہ سہی۔'' وہ ہاتھ جھاڑتی اٹھ گئی تھی، اس کے پیچھے حمت بھی نکل گئی اور نشرہ اچانک حواسوں میں آ کر حمت کے پیچھے بھاگی تھی۔
''حمت...... او حمت...... رکنا ذرا۔'' وہ پھولی سانسوں سمیت اس کے سر پہ پہنچ گئی تھی۔
''اللہ خیر۔'' حمت گھبرا گئی۔
''خیر تو ہے نا؟''
''ہاں...... خیر ہے...... مجھے تم سے بات کرنی ہے۔'' نشرہ نے جلدی میں کہا تھا۔
''اب اس وقت؟'' حمت نے گھڑی کی طرف دیکھا۔
''واپس آتی ہوں تو کر لینا۔''
''واپس پتا نہیں تم کب آؤ، ابھی سن لو نا۔'' وہ لجاجت سے بولی تھی۔
''ابھی تو جلدی تھی، خیر تم بتاؤ۔'' حمت نے کچھ سوچ کر نرمی سے کہا تھا، وہ نشرہ کی گھبراہٹ کی وجہ سے ذرا متفکر ہو گئی تھی، شاید کوئی پریشان کن بات نہ ہو تو۔
''وہ مجھے تم سے پوچھنا تھا، یہ شاہوار خان سردار کبیر خان کا بھتیجا ہے نا؟'' اس کی اٹکتی سانسوں کو بمشکل رواں کرتے ہوئے پوچھا تھا۔
''ہاں، ناں سب خیر تو ہے۔'' حمت اب کے ذرا الجھ گئی تھی۔
''وہی جس نے گھر والوں کی مرضی کے خلاف شادی کر لی تھی؟'' نشرہ جیسے کوئی یقین دہانی چاہتی تھی، حمت نے سر ہلایا۔
''اوئی ماں، وہی ہے، اب بول چکو، ہمیں دیر ہو رہی ہے۔''
''اللہ...... اللہ...... یعنی عشیہ بٹو محل میں ہے اور تم شاہوار لالہ کی کزن ہو، ہائے میرے اللہ۔'' نشرہ کو تو حیرت کا شدید دورہ پڑ گیا تھا۔
''ہیں؟ تم عشیہ کو جانتی ہو؟'' اب کہ حیران ہونے کی باری حمت کی تھی۔
''عشیہ ہیام کی بہن ہے نا، میری نند ہوتی ہیں۔'' نشرہ کی آواز بھرا گئی تھی۔
''ارے سچ۔'' حمت حیرت و خوشی کے جذبات سے مغلوب ہو گئی تھی۔
''مگر تمہاری کس نند نے تمہیں گھر سے نکالا تھا۔''
''وہ عروفہ ہے۔'' نشرہ افسردگی سے ڈوب گئی تھی اور اسے بہت ساری تکلیف دہ باتیں یاد آنے لگ گئی تھیں۔
''تم بٹو محل میں عشیہ سے ملو گی؟'' نشرہ نے اس کا ہاتھ تھام کر یقین دہانی چاہی۔
''وہ لوگ ملک سے باہر تھے، پتہ نہیں آئے یا نہیں، تم فکر مت کرو، میں عشیہ سے مل کر سب بتاؤں گی۔'' حمت نے اسے یقین دلایا تھا۔

''اسے بتانا میں یہاں ہوں اور محفوظ ہوں۔'' نشرہ نے نمناک آواز میں وعدہ لیا تھا، حمت اسے یقین دلاتے ہوئے باہر نکل گئی تھی، نشرہ کی آنکھوں میں امید جگمگا رہی تھی، اسے یقین تھا اب وہ بہت جلد ہیام کے پاس ہوگی۔

☆☆☆

بی جاناں کے پاس شکایتوں کی ایک لمبی فہرست تھی، پہلے تو انہوں نے حمت کی جی بھر کے کلاس لی تھی، ادھر سے بھڑاس نکلی تو انہیں کچھ سکون آیا، مگر غصہ کم نہیں ہوا۔

''صندیر خان نے کس لئے تم دونوں کو فارم ہاؤس میں باندھ رکھا ہے؟ آخر یہ کس کی چاکری کروا رہا ہے؟ سبا خانہ کیوں نہیں آئی؟'' وہ غصے سے گرج رہی تھیں۔

''وہ لالا نے اسے اجازت نہیں دی۔'' حمت نے ہکلا کر بتایا تھا۔

''میں کہتی ہوں، تم لوگ کون سی کشیدہ کاری کر رہی ہو وہاں، جو یہاں نہیں ہوسکتی، آئے صندیر خان تو اسے کہتی ہوں، میری لڑکیاں واپس لائے اور اس چڑیل کو بڑو محل سے نکال باہر کرے۔'' اب ان کی توپوں کا رخ عشیہ کی طرف تھا۔

''اس چڑیل نے یہاں اپنا تسلط جما لیا اور بڑو محل کا نظام اپنے ہاتھ کر لیا، گھر کی لڑکیاں کو باہر نکال دیا، ٹانگیں توڑ دوں گی اس کی میں، ایک منٹ میں، اوقات یاد دلا دوں گی، ننگ خاندان کی، گھٹیا اور بدزبان عورت کی بیٹی۔'' بی جاناں کے منہ سے مغلظات کا ایک طوفان نکل آیا تھا، حمت کے کان بند ہونے لگے، دل ہی دل میں وہ توبہ استغفار کا ورد کر رہی تھی۔

''شاہوار نے جانے کس جنم کا بدلہ لیا مجھ سے، اسے پال پوس کر جوان کیا، اس لئے کہ وہ مجھ پر ایک حرافہ کی بیٹی سوار کر دے اور وہ شتونگڑی پورے بڑو محل کو انگلیوں پہ نچاتی رہے۔'' بی جاناں کا غم و غصہ کسی طور کم ہونے والا نہیں تھا، مگر کیا شاہوار لالا بی جاناں کے غم و غصے کو کم کرنے اور جھوٹی انا کے پیچھے اپنی محبت سے دستبردار ہوسکتا تھا، شاید کبھی نہیں، حمت نے گہرا سانس بھر۔

''بی جاناں آپ کی صحت اچھی نہیں، اتنا نہیں بولیں، سانس پھول رہی ہے۔'' حمت نے فکر مندی سے کہا تھا۔

''اب نہیں صحت اچھی رہنے والی۔'' وہ سخت مایوس ہو چکی تھیں۔

''شاہوار نے اچھا نہیں کیا۔''

''کہیں نہ کہیں تو شادی کرنی ہی تھی، اب لالا نے اپنی پسند سے کر لی ہے تو آپ بھی ذہنی طور پر قبول کر لیں، گو کہ ہے تو مشکل کام۔'' حمت نے دل بڑا کر کے آخر کہہ دیا تھا، بی جاناں کا قلق دو چند ہوگیا۔

''ایک سبا خانہ کو ٹھکرایا اور دوسرا اس حرافہ کی بیٹی لے آیا۔'' خانم کے لئے ان کے یہ الفاظ حمت نے سر جھکا کر سنے تھے، اسے خانم کا بھولا بسرا چہرہ یاد آنے لگا، منظر دھندلے تھے، کوئی نقوش واضح تو نہیں ہوئے، مگر اسے ایک مظلوم عورت کی صدائیں یاد آنے لگی تھیں۔

''بی جاناں اب تو کچھ نہیں ہوسکتا، ماسوائے یہ کہ بری باتیں اور خیال آپ کی طبیعت اور خراب کریں گے۔'' حمت نے ان کے پیر دباتے ہوئے نرمی سے کہا تھا۔

''اب طبیعت بگڑی ہی رہے گی، اس حرافہ کی بیٹی انتقام لینے آئی ہے، مجھے مار کر ہی دم لے گی۔'' انہوں نے حقارت سے سر جھٹکا تھا۔

''یہ آپ کا وہم ہے بی جاناں، وہ کیوں خدانخواستہ آپ کو نقصان دے گی۔''

''تم نہیں جانتی، سپولن کی اولاد ہے، کیسے نہیں ڈسے گی۔'' بی جاناں کو اپنی حکومت ہاتھ سے جاتی دکھائی دے رہی تھی، ان کے خدشات بے سبب نہیں تھے۔

''میں شاہوار سے عہد لوں گی، وہ اس لڑکی کو یہاں سے لے کر کہیں اور چلا جائے۔'' انہوں نے اپنا ارادہ ظاہر کیا۔

''مگر اس طرح شاہوار لالا کے دل میں ناراضگی بڑھے گی، بی جاناں یوں صندیر لالا بھی کمزور ہو جائیں گے، ان کے دشمن پہلے ہی گھات لگائے بیٹھے ہیں۔'' حمت نے رسان سے سمجھایا تھا۔

''مگر میں اس بات کے پیچھے اس لڑکی کو اپنے گھر میں برداشت نہیں کر سکتی۔'' انہوں نے جیسے فیصلہ سنا دیا تھا۔

''یہ گھر صرف آپ کی ملکیت نہیں ہے بی جاناں۔'' اس کی آواز پہ حمت کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا، اس نے گردن موڑ کر دیکھا اور ہکا بکا رہ گئی، اس کے پیچھے عشیہ کھڑی تھی، ہنستی مسکراتی، خوش باش۔

''سلام بھابھی۔'' حمت نے اٹکتی سانس بمشکل سے بحال کی، جواباً عشیہ نے گرم جوشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حمت کو اپنے ساتھ لگا لیا تھا۔

''وسلام۔''

''آپ کب آئیں؟ آیئے باہر چلتے ہیں۔'' وہ اسے جلد از جلد بی جاناں کی نظروں سے دور کرنا چاہتی تھی۔

''چلے جاتے ہیں، ذرا بی جاناں کی خدمت میں سلام عرض کر لوں۔'' عشیہ کا انداز خوب معنی خیز تھا، بی جاناں کو تو سر تا پا آگ لگ گئی تھی۔

''حمت اس لڑکی کو میری نظر سے دور کر دو۔'' انہوں نے گرج کر حمت کو حکم دیا تھا۔

''یہ تو ممکن نہیں بی جاناں، آپ کی نظر سے دور ہونا اب گوارا نہیں ہے، بد قسمتی سے یہ چہرہ اور اس کا دیدار آپ کو کرنا ہی پڑے گا، چاہے آپ کا دل چاہے یا بالکل نہ چاہے۔'' وہ معنی خیزی سے ہنستی ہوئی بی جاناں کو آگ بگولہ کر گئی تھی۔

''میں کہتی ہوں دفعان ہو جاؤ۔'' بی جاناں کا جسم اور آواز دونوں کپکپا رہے تھے۔

''میں بھی کہتی ہوں یہ اب ممکن نہیں۔'' عشیہ نے تالی بجائی اور معنی خیزی سے حمت کی طرف دیکھا۔

''جاؤ حمت بی جاناں کو پانی میں گلوز گھول کر دو۔'' اس کا انداز صاف دل جلانے والا تھا، حمت بے چاری پھنس گئی تھی۔

''میں کہتی ہوں لڑکی، اپنی حد میں رہو۔''

"نہ پیاری بی جاناں، میری کوئی حد نہیں ہے، میں ویسے بھی خاصی بے لگام مشہور ہوں، آپ آہستہ آہستہ ہی میری خوبیاں آشکار ہوں گی۔" اس نے ایک آنکھ دبا کر حمت کو اشارہ کیا تھا، حمت بمشکل ہی اپنی مسکراہٹ چھپا سکی تھی۔

"زبان دراز، جیسی ماں تھی، ویسی ہی تم ہو۔" انہوں نے حقارت سے کہا تھا۔

"آپ نے بالکل ٹھیک کہا، ہر بیٹی اپنی ماں کا ہی پرتو ہوتی ہے۔" اس کا انداز معنی خیز قسم کا تھا، بی جاناں کو تو ایک مرتبہ پھر آگ لگ گئی تھی۔

"بہت ذلیل اور کمینی ہو تم، ماں نے یہی سکھا کے بھیجا ہے؟"

"بالکل جو میری ماں کو دیا تھا آپ نے، وہی واپس لوٹا رہی ہوں، یہ ادلے کا بدلہ ہے، مگر آپ کو ابھی سمجھ نہیں آئے گی، ذرا کچھ اور وقت گزرنے دیں، آؤ حمت میرے ساتھ چلو۔" وہ بولتے ہوئے حمت کا ہاتھ پکڑ کر باہر لے آئی تھی اور حمت بے چاری ذرا سی مزاحمت بھی نہیں کر سکی تھی۔

☆☆☆

ہیام خان کا خون کھول رہا تھا، تھا تو وہ بھی اصلی اور نسلی پٹھان، روز گل کی فون کال نے اس کا خاندانی خون کھولا دیا تھا، اس کے دماغ کی کھڑکیاں بند ہو چکی تھیں اور اب وہ کچھ بھی نہیں سوچ سکتا تھا، سوائے اس بات کے کہ صندیر خان سے سامنا کر کے اسے چھٹی کا دودھ یاد دلا دے۔

"نشرہ صندیر خان کے قبضے میں ہے۔" یہ الفاظ نہیں الاؤ تھے جو اسے سرتا پا دہکا رہے تھے، تب اس نے یہ نہیں سوچا تھا کہ نشرہ صندیر خان تک کیسے پہنچی؟ کیا محرکات تھے اور کیا وجوہات تھیں؟ اسے اپنے پٹھانوں والے غصے پر ناز تھا اور اسی غم و غصے اور غیرت کے چڑھے طوفان کے ساتھ اس نے صندیر خان کا راستہ فائرنگ کے ساتھ نہ صرف روکا بلکہ اس کی جیپ کے ٹائر بھی پنکچر کیے، بلا اشتعال فائرنگ کی وجہ سے صندیر خان کا ڈرائیور زخمی اور خود مالک تشدید زخمی ہو گیا تھا۔

یہ حملہ اتنا اچانک تھا کہ صندیر خان اپنا بچاؤ ہی نہیں کر سکا اور نہ جواباً کوئی ردعمل دے سکا تھا، حتی کہ اسے حملہ آوار کی پہچان بھی نہ ہو سکی، ہسپتال میں چوتھے دن وہ اپنے نمک حراموں پر چلا رہا تھا۔

"میں پوچھتا ہوں، آخر وہ تھا کون؟ تم لوگ چوڑیاں پہن کر بیٹھے ہو، اسے تلاش بھی نہیں کر سکے۔"

"خان...... ہمیں تو جہاندار شاہ کا وار لگتا ہے۔" غریب خان نے کپکپاتے لہجے میں بتایا تھا، صندیر بنو آگ بگولہ ہو گیا۔

"جہاندار شاہ۔" اس کے لہجے میں بھوکے شیر کی سی غراہٹ تھی۔

"میں اس کا خون کر دوں گا، سالوں بعد دشمنی کی ابتداء اب اس کی طرف سے ہوئی ہے، میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"نہیں خان۔" کرم خان نے گڑگڑا کر التجاء کی تھی۔

"خان...... جہاندار شاہ کیوں حملہ کروائے گا، جبکہ پولو کا میچ سر پہ کھڑا تھا، یہ کسی اور کی

شرارت ہے۔"

"ہوں...... تو پھر تم لوگ کر کیا رہے ہو، شام سے پہلے مجھے رپورٹ دو، ورنہ تم لوگوں کی بوٹیاں نوچ کر کتوں کے آگے ڈال دوں گا۔" وہ غصے سے دہاڑا تھا۔

بٹو محل کی فضا افسردہ تھی، بی جاناں غم سے نڈھال نظر آتی تھیں جبکہ سردار بٹو کے شانے ڈھلک گئے تھے، صندیر خان پر قاتلانہ حملہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ دشمن ان پر گھات لگائے بیٹھا تھا، تو کیا واقعی ہی جہاندار شاہ اپنے پیاروں کے قاتلوں کو انجام تک پہنچانے کے لئے میدان میں اتر چکا تھا؟ اس خوف نے بٹو محل پر سوگ کا سایہ فگن کر رکھا تھا، حمت غمزدہ نظر آتی تھی جبکہ سباخانہ کو ایک چپ نے گھیر لیا تھا، بٹو محل کے یہ دو مرد ہی ان کا مستقبل تھے، اگر یہ دونوں ہی دشمنی کی بھینٹ چڑھ جاتے تو سردار بٹو کا قیامت تک نام مٹ جانا تھا، بی جاناں کو اپنا کروفر تحلیل ہوتا محسوس ہو رہا تھا، وہ جہاندار اور نیل بر کو سارا دن کوستی تھیں۔

"خدا غارت کرے جہاندار شاہ کو، بٹو محل کی غیرت کو داغ دار کر کے سکون نہیں ملا جو قتل و غارت پہ اتر آیا ہے۔" اللہ بھلا کرے پاس ہی سباخانہ موجود تھی، اس سے یہ بد دعائیہ کلمات برداشت نہیں ہوئے تھے، فوراً ہی بول اٹھی۔

"بٹو محل کی غیرت کو جہاندار نے داغدار نہیں کیا تھا بی جاناں آپ کی یادداشت کو کیا ہوا؟ آپ کو نہیں پتہ نیل بر خود یہاں سے بھاگی تھی آپ کے فیصلوں سے بغاوت کر کے ہونہہ۔"

"تیری زبان بہت لمبی ہوگئی، کاٹ کے رکھ دوں گی۔" عشیہ کے سامنے یہ کاٹ دار سچ ان سے برداشت نہیں ہوا تھا۔

"آپ سے ایک یہی کام ہوگا ناں اب، ہل تو سکتی نہیں ہیں۔" وہ بھی انہی کی نواسی تھی، ادھار تو رکھتی نہیں تھی، حمت نے اپنا سر پیٹ لیا۔

"بس کر دو سباخانہ، بی جاناں پہلے ہی پریشان ہیں۔"

"ان کو تو عادت ہے پریشان ہونے کی، صندیر لالا اب بالکل ٹھیک ہے، ایک دو دن میں گھر آجائیں گے۔" سباخانہ نے اٹھتے ہوئے کہا تھا۔

"کچھ پتہ چلا یہ شرارت کس کی تھی؟" حمت کے سوال پہ عشیہ بھی متوجہ ہوگئی تھی، گو کہ وہ ان کی گفتگو میں حصہ نہیں لے رہی تھی، مگر سن ضرور رہی تھی۔

"ابھی کچھ پتہ نہیں، مگر لالا ایسے تو نہیں بیٹھیں گے، دشمن کو پاتال سے بھی نکال لیں گے۔" سباخانہ نے جواب دیا تھا۔

"اللہ خیر کرے، یہ سب انجانے میں ہی ہو، خدا نہ کرے کسی اور دشمنی میں ملوث ہوں۔" حمت نے دل سے دعا کی تھی۔

☆☆☆

صندیر خان پہ قاتلانہ حملے کے بعد وہ آرام سے ہسپتال آ گیا تھا اور بہت نارمل انداز میں اپنی ڈیوٹی سرانجام دینے لگا تھا، اس نے معمول کے مریض بھی چیک کیے، کالز بھی اٹینڈ کیں اور راؤنڈ بھی لئے، اسے اگلے آدھے گھنٹے تک یہ اندازہ نہیں تھا کہ جس بندے کو اس کے ہاتھوں شدید

ضربیں لگی ہیں، اسی بندے کے زخموں کی رفو گری بھی اسی کو کرنی ہوگی، ہیام کو حیرت اور تعجب کے مارے آنکھیں کھل گئیں۔
جب اس نے خون میں لتھڑے صندیر خان کو دیکھا تھا، تقدیر اس سے کیسا امتحان لینے والی تھی؟ اس کی بیوی کا اغواء کار اس کے ہاتھوں زخمی ہونے والا اب اسی کی مسیحائی کا منتظر تھا، اچھا سرجن نہ ملنے کی وجہ سے ایمرجنسی میں اسے ہیام کے ہسپتال لایا گیا تھا، ہیام جو اسے ایک مرتبہ پھر اپنے سامنے دیکھ کر وحشی جانور بننے والا تھا، ایک دم سے اپنے پیشے، انسانیت اور مسیحائی کا خیال آ گیا۔
اس کا دشمن اس کے سامنے بے یارومددگار پڑا تھا، وہ چاہتا تو اس کے ساتھ جو مرضی کر دیتا، چاہتا تو ایک لمحے میں اسے موت کے گھاٹ اتار دیتا مگر اس کا پیشہ، اس پیشے سے وفا اور عہد اس چیز کی اسے اجازت نہیں دیتے تھے۔
اس نے دل پر پتھر اور آنکھوں سے بغض نفرت اور غصے کی پٹی ہٹا کر دیکھا تو اندر باہر سے منظر شفاف تھا، اس وقت وہ ایک مسیحا ایک ڈاکٹر بن گیا، اس کی انتھک محنت اور کوشش نے صندیر خان کے آپریشن کو کامیاب کر دیا تھا، اب وہ خطرے سے باہر تھا اور تیزی کے ساتھ روبہ صحت تھا اور جیسے ہی وہ صحت مند ہونے لگا، اسے اپنے نادیدہ دشمن کی تلاش نے جنونی بنا دیا، وہ ہسپتال کے پرائیویٹ روم میں اپنے خدمت گاروں پر چلاتا رہتا تھا۔
''مجھے شام سے پہلے اپنا مجرم چاہیے، شام سے پہلے۔''
اس دن بھی وہ کرم خان پر چلا رہا تھا، جب ہیام راؤنڈ لینے آیا، وہ باہر کھڑا سنتا رہا اور پھر گہرا سانس خارج کرتا اندر آ گیا، صندیر خان لال انگارہ چہرہ لئے نخوت سے لیٹا ہوا تھا، اسے دیکھ کر الرٹ ہو گیا۔
''ڈاکٹر مجھے یہاں سے ڈسچارج کرو۔'' وہ سخت بیزار نظر آتا تھا۔
''یہاں سے ڈسچارج ہو کر کیا کرنا ہے؟'' ہیام نے پیشہ وارانہ اسمائل کے ساتھ دریافت کیا تھا۔
''بہت سے کام دھندے ہیں۔'' اس کی بیزاری عروج پہ تھی۔
''اور اگر تم زندہ نہ بچتے تو۔'' ہیام کا انداز کھرا صاف اور معنی خیز تھا، صندیر خان لمحہ بھر کے لئے چپ ہو گیا۔
یہ بات تو اس نے سوچی ہی نہیں تھی، وہ زندہ نہ بچتا تو یہ کام دھندے کون کرتا؟
''تب بھی تو یہ کام یہ نظام چلتے ہی رہنا تھا، ہر انسان کو یہ کیوں لگتا ہے، کہ وہ نہ ہوا تو سارا نظام تبدل ہو جائے گا، حالانکہ ایسا نہیں ہے، جانے والوں کے بعد خلا ضرور رہ جاتا ہے، مگر ان کی وجہ سے نظام ہستی کے معمولات کبھی نہیں رکے۔'' وہ اس کی فائل چیک کرتا ہوا ایک سنجیدہ مزاج اپنے پیشے سے مخلص ڈاکٹر نظر آ رہا تھا۔
''بہرحال آپ کو جلد ہی ڈسچارج کر دیا جائے گا۔'' اس نے پروفیشنل مسکراہٹ کے ساتھ کہا تھا۔

''بہت شکریہ ڈاکٹر۔'' صندیر خان نے بدمزاجی پہ قابو پایا، اپنا غصہ اور بے بسی وہ اتنے شفیق ڈاکٹر پہ نہیں نکالنا چاہتا تھا، جس نے اس کی جان بچائی تھی، اس کی مسیحائی کی تھی۔

ہیام نے پیشہ وارانہ چیک اپ کے بعد نرس کو کچھ ہدایات دی تھیں اور پھر صندیر خان کا معمول کے مطابق چیک اپ کرنے مختلف دوائیاں تجویز کرنے ایکسرے دیکھنے کے بعد نرس کو مخاطب کیا تھا۔

''کل تک ان کو ڈسچارج کر دیا جائے گا۔'' اسی وقت دروازہ کھول کر کریم خان آ گیا تھا۔

''خاناں......آپ کے دشمنوں کا پتہ چل گیا۔'' اس کی آواز جوش و جذبات سے کچھ زیادہ ہی بلند ہو چکی تھی، ہیام کے کان کھڑے ہو گئے تھے، وہ چونک گیا تھا، مگر اس نے ظاہر ہونے نہیں دیا۔

''کون ہے وہ؟'' صندیر خان کا سارا خون چہرے پہ جمع ہو گیا، انتقام اور غصے نے سر تا پا بدل دیا تھا۔

''خان......وہ آپ کا رشتہ دار ہے۔'' کرم خان نے اب کہ ذرا جھجکتے لہجے میں بتایا۔

''رشتے دار کون؟ جہاندار شاہ۔'' صندیر خان کے اندر بجلی دوڑ گئی تھی، ہیام خان بھی ٹھٹک گیا تھا۔

''نہیں خاناں۔'' وہ جھجکا۔

''تو پھر؟'' صندیر خان جھنجھلایا تھا۔

''وہ بڑے خان کا بیٹا ہے نا، سردار بوٹا کا بیٹا۔'' کرم خان کے اگلے الفاظ نے صندیر خان کا دماغ بھک سے اڑا دیا تھا۔

''دماغ خراب ہو گیا ہے تیرا، یا سٹھیا گیا ہے تو، وہ کیوں کرے گا؟'' صندیر خان اس پر الٹ ہی پڑا تھا۔

''پر اس نے کر دیا ہے ایسا۔'' یہ آواز کرم خان کی نہیں تھی، بلکہ ڈاکٹر ہیام کی تھی، اس نے کرم خان کو باہر نکل جانے کا اشارہ کیا تھا، اب وہ دونوں روم میں اکیلے رہ گئے تھے، صندیر خان حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''کیوں؟'' اس کی آنکھوں میں تعجب اتر آیا۔

''جب کسی کے گھر نقب لگائی جائے تو گھر والے چوڑیاں پہن کر خاموش نہیں بیٹھے رہتے۔'' ہیام کے الفاظ نے صندیر خان کو حیرت سے بت بنا دیا تھا۔

''کس نے نقب لگائی۔''

''یہ سوال تم خود سے کرو۔'' ہیام نے حقارت بھرے لہجے میں کہا تھا، صندیر خان کا لمحے میں دماغ بند ہونے لگا، اسے ڈاکٹر کی بہکی بہکی باتوں کا مقصد قطعاً سمجھ نہیں آیا تھا۔

''تم کہنا کیا چاہتے ہو؟ اور تم کون ہو؟''

''جو کہنا چاہتا ہوں، وہ تمہیں سمجھا دوں گا، جو میں ہوں، وہ بتا دوں گا۔'' ہیام نے سلگتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے سر جھٹکا، صندیر خان حیرت و بے یقینی سے اسے دیکھتا رہا دیکھتا رہا اور پھر اسے جھٹکا لگا تھا۔

''تم...... تو وہ تم تھے؟'' وہ تعجب کے سمندر میں غوطہ زن ہو گیا تھا۔

''ہاں...... وہ میں تھا۔'' ہیام نے زہر خند لہجے میں کہا تھا۔

''بیک وقت ظالم اور مسیحا۔'' صندیر خان نے استہزائیہ ہنس کر سر کو جھٹکا دیا، وہ ابھی تک بے یقینی کا شکار تھا، ایک دم اس کا غصہ نجانے کہاں غائب ہو گیا، اب وہ پرسکون تھا اور پر شوق نظروں سے اس ہینڈسم جذباتی جوان کو دیکھ رہا تھا، دیکھا جاتا تو رشتوں کے لحاظ سے اس کے بہت قریب تھا مگر نفرت کے حساب سے سالوں دور کھڑا تھا۔

''یہ میرا فرض تھا۔'' ہیام نے نخوت سے اسے بچانے کی وجہ بتائی تھی۔

''اور وہ......'' صندیر خان کا انداز معنی خیز ہوا۔

''وہ میرا انتقام اور دشمنی۔'' وہ نفرت سے بولا۔

''کیا سردار بٹو کے مظالم کا بدلہ مجھ سے لو گے، جو محرومیاں ان کی وجہ سے تمہارا نصیب بنی اس میں میرا تو قصور نہیں تھا۔'' صندیر خان کا لب و لہجہ اور انداز بلا کا نرمی لئے ہوئے تھا، اتنا نرم کہ اسے اپنی نرماہٹ پہ بھی حیرانی ہوئی۔

''سردار بٹو کے حساب ان کے ساتھ ہیں۔'' ہیام کا انداز تلخ تھا۔

''تو پھر اس سب کی وجہ پوچھ سکتا ہوں؟'' کیا یہ صندیر خان تھا، جو اتنی ملائمت سے اپنے دشمن سے دشمنی کی وجہ پوچھ رہا تھا، جس نے اسے گولیوں سے چھلنی کیا اور پھر مسیحائی بھی ایسی کمال کی دی کہ وہ چند دنوں میں ہی روبہ صحت ہونے لگا تھا، وہ اپنے باکمال دشمن کی دشمنی پر فریفتہ ہو گیا تھا۔

''نصیب والوں کو ایسے دشمن ملتے ہیں۔'' ہیام نے تعجب سے صندیر خان کی طرف دیکھا، خلاف توقع وہ مسکرا رہا تھا اور اس کی مسکراہٹ کسی بھی طنز سے پاک تھی۔

''جو تم نے کیا، ایک سردار کو زیب دیتا ہے کیا؟ مگر تم فرعونوں کو کیا؟ عزت ذلت کیا معنی رکھتی تم لوگوں کے سامنے۔''

''کیا تم کھل کر بتا سکتے ہو۔'' صندیر خان نے سابقہ لب و لہجے میں کہا۔

''کھل کر بتا دو، مجھے گولیوں سے چھلنی کرنے کی کیا وجوہات تھیں؟''

''تم بتا سکتے ہو، میرے گھر پہ نقب لگا کر میری بیوی کو اغواء کرنے کی کیا وجوہات تھیں؟'' غصے اور غیرت کے احساس سے ہیام کی آنکھیں انگارہ ہو گئی تھیں۔

''تمہاری بیوی اور میں اغوا کروں گا؟'' صندیر خان اچھل ہی تو پڑا تھا۔

''کیا تمہاری تحویل میں میری بیوی نہیں، جبکہ میرے پاس ثبوت بھی ہیں۔'' ہیام آگ بگولہ ہو گیا تھا۔

''سکون سے بات کرو ہیام، میری تحویل میں تمہاری بیوی ہے؟ یہ بات مجھے نہیں پتا، میں نے ایک لڑکی کو پناہ دے رکھی ہے اور مجھے اس بات کی خبر نہیں تھی، وہ تمہاری بیوی ہے یا اس پناہ کو اغواء سمجھا جا رہا ہے، میں اس بات سے قطعاً لاعلم تھا۔''

''میں کیسے یقین کر لوں؟'' ہیام نے زہر خند لہجے میں کہا۔

''میں تمہیں یقین دلاؤں گا، تم میرے ساتھ فارم ہاؤس چلو۔'' صندیر خان نے زخموں کی

پرواہ نہ کرتے ہوئے بیڈ سے اٹھ کر کہا۔
''مگر آج تم کہیں نہیں جا سکتے، تمہارے زخم۔'' اچانک ہیام کے اندر کا ڈاکٹر جاگ اٹھا تھا۔
''اتنا خیال مت رکھو کہ تم پر دل ہی آ جائے۔'' صندیر خان نے ایک آنکھ دبا کر کہا تھا اور ہیام کے منع کرنے کے باوجود جیپ منگوا لی تھی، کچھ ہی دیر بعد وہ دونوں فارم ہاؤس کی طرف جا رہے تھے۔

☆☆☆

حمت نے گرد سے اٹی کتابوں پر ہاتھ پھیر کر شاعری کی ایک کتاب اٹھائی، کتنے مہینوں بعد وہ کتاب خانے میں تنہا وقت گزار رہی تھی۔
''وصل میں تشنگی۔'' اس نے کتاب کے سرورق کو دوپٹے سے جھاڑا اور کتاب کھول کر بیٹھ گئی، صفحہ قرطاس پہ بکھرے لفظ اس کے اردگرد موتی بن کر چمکنے لگے تھے۔

میری روح کو تیری پیاس سجن
میرے دل کو تیری آس سجن
میری سانس میں تیری باس سجن
تو ہردم میرے پاس سجن
تیرا ہجر نہ آئے راس سجن
ہے تیرے لئے دن رات سجن
میری آنکھوں میں برسات سجن
ہر موڑ پہ غم کی گھات سجن
تیرے پیار نے دی ہے مات سجن
تو تھام لے میرا ہاتھ سجن
ہے دل میں تیری چاہ سجن
میں دیکھوں تیری راہ سجن
تر اذکر کرے ہر ساہ سجن
اب تو ہی میری واہ سجن
اور تو ہی میری آہ سجن
یہ دنیا ہے انجان سجن
تجھے دیکھ ہوئی حیران سجن
تو میرا دین ایماں سجن
مجھے ہر دم تیرا دھیان سجن
تو رکھنا میرا مان سجن
تیری آنکھ سے پی کر جام سجن
تیرے پیار نے کیا ہے رام سجن

میری صبح میری شام سجن
تیری یاد ہی میرا کام سجن
میرا سب کچھ تیرے نام سجن

حمت کی آنکھ سے بکھرے ٹوٹتے اور بغاوت کرتے موتی ''وصل میں تشنگی'' کے سنہرے حرفوں کو بھگوتے جارہے تھے، اس نے سعدیہ ہما کی کتاب کو بہت احتیاط سے شیلف پہ رکھا اور ابھی باہر نکلنے کا سوچ ہی رہی تھی جب اس ظالم کی کال آگئی۔

حمت بے قراری سے موبائل فون ہاتھ میں لیا، دوسری طرف اس کے زخموں کا مسیحا اپنی جادو بھری آواز میں اس کا حال احوال پوچھ رہا تھا۔

''واپس آکر بتایا ہی نہیں۔'' اس کے شکوے نے حمت کے لبوں پر مسکان بچھادی تھی۔

''تمہیں کیسے پتہ چلا؟''

''ہم اپنے پیاروں سے بے خبر نہیں رہتے۔'' امام نے مسکرا کر جتایا تھا۔

''اچھا جی، چلیں مان لیتے ہیں۔'' وہ مسکرائی تھی۔

''واپس کب جانا ہے؟''

''شاید کل شام تک، لالا گھر آجائیں گے پھر۔'' حمت نے بتایا تھا۔

''اب تمہارے لالا کا کیا حال ہے؟''

''تمہیں بھی اطلاع مل گئی۔'' حمت کو حیرانگی ہوئی۔

''یہ کوئی معمولی بات تھی جو چھپی رہتی، تمہارے لالا بہت مشہور ہستی ہیں، اخبار میں خبر پڑھی تھی۔'' امام نے اس کی حیرانگی دور کی تھی۔

''اللہ کا شکر ہے، لالا بہتر ہیں اب، ورنہ کسی دشمن نے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔'' حمت آزردہ ہوگئی تھی۔

''پتہ نہیں چلا، یہ کس کا کارنامہ ہے۔''

''سب کو لگتا ہے، جہاندار نے کاروائی ڈالی ہے۔'' حمت کی آواز میں دکھ تھا۔

''ارے۔'' وہ حیران ہوا۔

''یہ بات میں نہیں مانتا۔''

''مگر تم کیوں نہیں مانتے؟ جہاندار کے علاوہ اور کون دشمن ہوسکتا ہے؟'' حمت نے تعجب سے کہا۔

''کوئی بھی اور ہوسکتا ہے، مگر جہاندار نہیں ہوسکتا۔'' امام کا لہجہ قطعی تھا۔

''تمہیں اتنا یقین کیسے ہے؟'' وہ اچنبھے سے بولی۔

''اس لئے کہ میں جانتا ہوں، جہاندار کوئی معمولی کاروائی نہیں ڈالے گا، جہاندار کا وار ہوتا تو صندیر خان بچتا نہیں۔'' امام کا انداز پرسوچ تھا۔

''اور پھر جہاندار کا ٹارگٹ صندیر خان ہے ہی نہیں، شاید تمہیں یہ بات عجیب لگے۔'' امام کے بتانے پر حمت خاموش ہوگئی تھی، شاید اسے امام کی بات پر اتفاق تھا۔

''ہوسکتا ہے۔'' وہ تسلیم کرچکی تھی، پھر پری گل کے آنے پر اس نے موبائل آف کر دیا تھا، پری گل اسے بلانے آئی تھی، باہر عجیب سا شور اٹھ رہا تھا، سبا خانہ اور بی جاناں کے چلانے کی آواز آرہی تھی، حمت دل پہ ہاتھ رکھتی باہر کی طرف بھاگی، باہر کرم خان کھڑا تھا سر جھکائے اور بی جاناں جھولی اٹھا اٹھا کر کسی کو بد دعائیں دے رہی تھیں۔

''الٰہی خیر۔'' حمت گھبرا اٹھی۔

''پری گل کیا ہوا ہے؟'' اس نے خوفزدہ کھڑی پری گل کو جھنجھوڑا تھا۔

''بی بی! صندیر لالا پر قاتلانہ حملہ ہیام خان نے کیا ہے، ہیام خان عشیہ بی بی کا بھائی اور خانم کا بیٹا ہے۔'' پری گل نے تھر تھر کانپتے ہوئے بتایا تھا۔

''یا اللہ!'' حمت کپکپا اٹھی۔

''اب عشیہ بھابھی کا جینا حرام ہوگا اور ہیام خان نے ایسا کیوں کیا؟'' اس نے ہکلا کر پری گل سے سوال کیا۔

''اللہ جانے۔''

''کیا اب نئی دشمنی کا آغاز ہونے والا تھا؟'' حمت نے خوفزدہ نظروں سے خود سے سوال کیا تھا، اس کا دل خوف کے عالم میں پھڑ پھڑا رہا تھا۔

اس نے رنجیدہ بیٹھی عشیہ کی طرف دیکھا، وہ چاروں طرف سے الزامات کی بوچھاڑ کے باعث گم صم بیٹھی تھی۔

حمت کی تسلی کے الفاظ ہی نہ مل سکے، پھر بھی وہ چھوٹے قدم اٹھاتی اس کے قریب آئی تھی، اس نے عشیہ کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ چونک اٹھی تھی، پھر اس کے ہاتھ کے دباؤ میں تسلی اور دلاسہ محسوس کر کے متشکر ہوگئی تھی، عشیہ نے اب تک بٹو محل میں حمت سے بڑھ کر کوئی اور مہربان نہیں پایا تھا۔

☆☆☆

اشعر کچن میں کھڑا پتی چینی کے ڈبے تلاش کر رہا تھا، کافی دیر کی کوشش کے بعد بھی اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی تو اس نے نیل بر کی خدمات حاصل کی تھیں، نیل بر نے بھی سارا کچن چھان مارا اور خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہوسکی تھی۔

''میرا خیال ہے، میں باہر سے لے آتا ہوں۔'' اشعر نے ناکامی کے بعد خیال اور ارادہ ظاہر کیا تو اسی وقت نیل بر کو دو عدد چھپے ہوئے ڈبے نظر آ گئے تھے، از راہ ہمدردی اس نے چائے بنانے کی بھی آفر کر دی تھی، اشعر تھکا ہوا تھا، اس نے قبول کر لی، نیل بر جب چائے بنا کر آئی تب تک جہاندار بھی آ گیا تھا، نیل بر نے اپنی چائے جہاندار کو پیش کر دی، جسے پینے کے بعد اس کے ہوش ٹھکانے آ چکے تھے۔

''ہم ٹرک ڈرائیور تو نہیں تھے نیل بر، اتنی اسٹرونگ چائے۔'' جہاندار نے ''لاحول'' پڑھتے ہوئے کپ خالی کر دیا تھا۔

''تھکاوٹ دور کرنے کا یہی نسخہ ہے، کارآمد ترین۔'' نیل بر نے شرمندہ ہونا کہاں سیکھا تھا۔

''مجھے تو پسند آئی، بہت اچھی تھی۔'' اشعر نے تعریف کی۔
''چائے یا لڑکی؟'' جہاندار کا انداز معنی خیز قسم کا تھا، اشعر نے جھینپ کر سر جھکا لیا۔
''دونوں۔'' پھر وہ دونوں ہنسنے لگے تھے، نیل بر کو غصہ آ گیا۔
''یہ تم دونوں کیا کوڈ ورڈ میں بات کر رہے ہو۔''
''تمہاری سمجھ میں نہیں آئیں گی ہماری باتیں۔'' جہاندار نے اسے پچکارا تھا، نیل بر کا منہ بن گیا۔
''کیوں؟''
''تمہاری سمجھ کمزور ہے اس لئے۔'' جہاندار اسے چھیڑ رہا تھا، وہ برا مان گئی تھی۔
''ہونہہ۔'' وہ اٹھنے لگی تھی۔
''اچھا...... ناراض نہیں ہو، بیٹھو یہاں۔'' جہاندار نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھایا۔
''وہ تمہاری سہیلی ہے نا گلالئی اس کے کھیت میں اشعر نے جیپ گھسا دی تھی۔'' جہاندار کے بتانے پر اشعر اور بھی شرمندہ ہو گیا تھا۔
''ارے...... اسے تو اپنی سبزیوں سے بڑا پیار ہے۔''
''تبھی تو بیس ہزار جرمانہ بھر کے آ رہا ہے۔'' جہاندار کے مزید بتانے پر نیل بر کا منہ کھل گیا۔
''پورا بیس ہزار؟''
''ہاں...... ناں۔'' جہاندار ہنس رہا تھا، اشعر شرمندہ ہو رہا تھا۔
''مجھے پتہ نہیں چلا، میں غلط راستے کی طرف چلا گیا تھا۔''
''ہوں۔'' جہاندار نے ہنکارا بھرا۔
''مجھے تو لگتا ہے، تم صحیح راستے کی طرف چلے گئے تھے۔'' اس کا انداز معنی خیز قسم کا تھا، نیل بر بھی مسکرا رہی تھی۔
''ہاؤ امیزنگ۔''
''ابھی آگے آگے دیکھو ہوتا ہے کیا؟'' جہاندار کا انداز شرارتی تھا۔
''اب تم کچھ زیادہ ہی کر رہے ہو۔'' اشعر جھینپ رہا تھا۔
''بچو، ہم بھی اڑتی چڑیا کے پر گن لیتے ہیں۔''
''اور ہماری چڑیا کے تو پر ہی نہیں ہیں۔'' اشعر نے پہلی مرتبہ دو بدو جواب دیا تھا، دونوں نے جاندار قسم کا قہقہہ لگایا تھا۔
''میری سہیلی کو تنگ کرنے کی ضرورت نہیں۔'' نیل بر کا انداز وارننگ دینے والا تھا۔
''اور تمہاری سہیلی نے جو میرے یار کو بیس ہزار کا ٹیکا لگایا ہے۔'' جہاندار نے ناک چڑھا کر جتایا۔
''اور جو تمہارے دوست نے میری سہیلی کا کھیت اجاڑا۔'' نیل بر بھی مقابلے پہ اتر آئی تھی۔
''حساب تو برابر ہو گیا نا، اجاڑا ہے تو آباد بھی کریں گے کیوں اشعر؟'' اس کا انداز ایک مرتبہ پھر معنی خیز قسم کا تھا، اشعر بے چارہ جھینپ گیا۔

(باقی اگلے ماہ)

تیرے عشق نچایا

سدرہ اعجاز
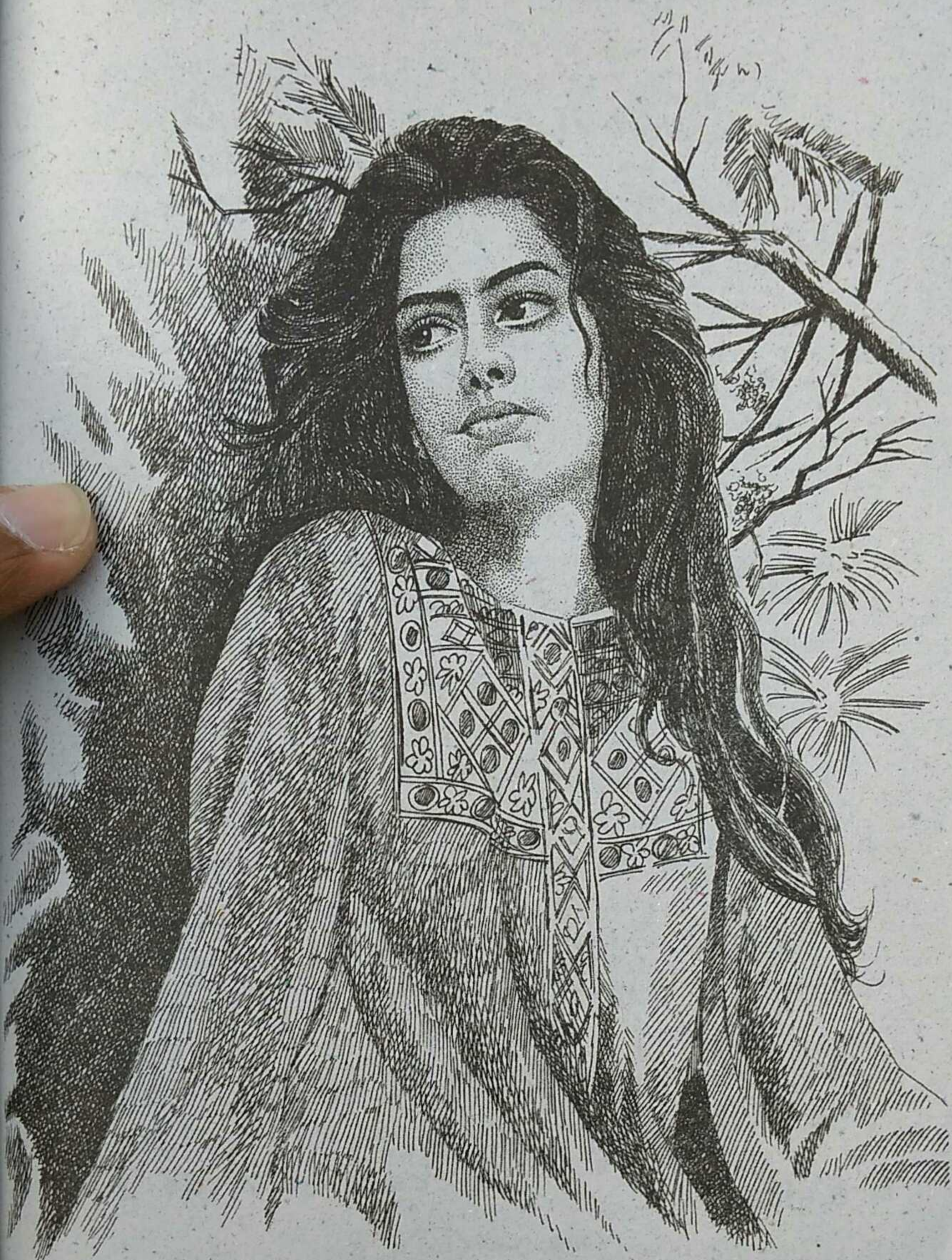
عمراں دا روگ لگا کے کتھے ماہی رہنداں ایں
تو کی جانے ویں ساہنوں لک لک رونا پیندا اے
کیہڑی گلوں رسیاں ایں؟
مینوں دیندا سزا ماہیا

"سر آپ کہتے تھے کہ یہ وقتی فیلنگز ہیں آپ کو گئے کتنے ماہ ہو گئے اور مجھے نہیں یاد کہ اس دن کے بعد میں مسکرائی بھی ہوں یا نہیں؟"
مسلسل بہنے والے آنسوؤں کو بے دردی سے رگڑ کر اس نے ڈائری بند کی، عبدالباری کے خیال میں وہ اب تک سنبھل چکی تھی پر وہ تو ٹوٹ کر بکھر چکی تھی اور انہیں کرچیوں سے بار بار زخمی ہوتی تھی، تعلیم سے دور ہوتی چلی گئی اور پانچ سے تین اور تین سے دو کے بعد اب نمازوں کی ادائیگی بالکل ختم ہو چکی تھی، اسے کائنات کی ہر شے سے گلہ تھا اس نے رب کے سامنے جھکنا چھوڑ دیا۔
ہر شے سے دل اچاٹ ہو گیا، بچپن سے عبد الباری کا پڑھایا گیا ہر سبق اس کے ذہن سے گویا مٹ چکا تھا، یاد تھا تو صرف اتنا کے وہ محبت میں دھتکاری گئی ہے۔
"محبت بھی حسن والوں کے لئے ہی ہوتی ہے بس۔" آئینے میں اپنا معصوم چہرہ دیکھ کر وہ نفرت سے کہتی۔
"کچھ نہیں بنتا مجھے، میں اسی قابل ہوں کہ مجھے دھتکارا جائے، نفرت کے لائق ہے میرا وجود۔" وہ چیزوں کو اٹھا اٹھا کر پٹخنے لگی، پانچ منٹ میں اس نے اپنا سارا کمرہ پلٹ کر دیا، آج صبر کا پیمانہ چھلک گیا تھا کہ اس کے کمرے کے دروازے کو زور زور سے دھڑ دھڑایا جانے لگا تھا، سرخ آنکھوں سے اس نے دروازے کی طرف دیکھا، نجانے کون تھا؟
"دروازہ کھولو میں ہوں۔" باہر سے جو آواز آئی وہ گڑیا کو حیران کر دینے کے لئے کافی سے

مکمل ناول

بھی زیادہ تھی، اسے لگا اسے وہم ہوا ہے، اس کے قدم میکانکی انداز میں دروازے کی اور بڑھے تھے۔

دروازہ کھول کر اسے یقین ہوا کہ یہ اس کا وہم نہیں تھا، اس کے دروازے کے باہر کھڑا ہوا وہ شخص کوئی اور نہیں اس کا بھائی ''حسن الیاس'' تھا جو اس کی سترہ سالہ زندگی میں شاید پہلی بار اس کے کمرے تک آیا تھا۔

''بھائی تم؟'' گڑیا کے لب حیرت سے وا ہوئے تھے، وہ شکل سے ٹھیک نہ لگتا تھا شاید، ہوا ہوا چہرہ پریشان صورت۔

''ہاں میں پلیز اگر تمہیں مسئلہ نہ ہو تو میرے لئے ایک کپ کافی بنا دو گی؟ ممی اور عاشی کہیں پارٹی پر گئی ہیں اور ملازمہ بھی نہیں۔'' بھاری آواز میں وہ اس سے مخاطب ہوا تھا، نجانے کیا سوچ کر وہ اثبات میں سر ہلا کر اس کے لئے کافی بنانے کچن تک آ گئی، کچن سے نکل کر حسن کے کمرے تک جاتے ہوئے جب گڑیا نے ممی کو لاؤنج میں بیٹھے دیکھا تو حسن کی غلط بیانی پر دل ہی دل میں حیران ہوئی، حسن کے کمرے کا دروازہ ناک کر کے وہ اندر آئی تھی، خوبصورت بھائی کا خوبصورت سا کمرہ، وہ پہلی بار اس کا کمرہ دیکھ رہی تھی۔

''آپ کے ساتھ رہتے ہوئے بھی اپنے اردگرد آس پاس نگاہ ڈالنے کا کبھی خیال نہیں آیا تھا مجھے، کس قدر مگن اور محدود کر لیا تھا میں اپنی ذات کو صرف آپ کے لئے۔'' وہ دل میں عبدالباری سے مخاطب ہوئی تھی۔

''رکھ دو۔'' ایکدم حسن کی آواز پر وہ ڈر سی گئی، وہ بالکل اس کے پیچھے ہی کھڑا تھا، قریب سے دیکھنے پر اس کی آنکھیں روئی روئی محسوس ہوئی تھیں گڑیا کو، وہ کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر دروازے کی طرف بڑھی۔

''اپنے اردگرد موجود رشتوں کا احساس کرنا ہمارا اولین فرض ہے گڑیا۔'' دروازے کی طرف بڑھتے اس کے قدم اس آواز سے جو کہ اس کے ذہن پر پرانی یاد بن کر گونجی تھی رک گئے، وہ مڑی۔

''حسن بھائی۔'' بے اختیار اس یاد پر وہ اسے پکار بیٹھی حسن نے حیران ہو کر اسے دیکھا تھا جو ابھی تک وہیں تھیں۔

''آر یو او کے؟'' وہ چلتی ہوئے اس کے قریب آئی تھی، وہ اب بھی نا سمجھی سے اسے دیکھ رہا تھا بھلا ان کے درمیان کب اتنی بے تکلفی رہی تھی کہ وہ حال احوال پوچھیں۔

''تم حیران ہو بھائی آئی نو پر میں نے ہمیشہ تم دونوں کو اپنا سمجھا ہے تم دونوں میرے بہن اور بھائی ہو میرے اپنے میں نے اکثر تم لوگوں سے بات کرنے کی کوشش کی مگر ہمیشہ تم سب کی بے رخی نے میری توہین کی۔'' کرب کی انتہا ہی تھی کہ وہ اس بندے کے سامنے یہ سب کہہ رہی تھی جس سے کہنے کا وہ سوچ بھی نہ سکتی تھی، اس کی آواز بھیگ گئی، وہ مزید نہ بولی، کمرے میں دو منٹ تک خاموشی چھائی رہی۔

''میں جانتا ہوں، تمہاری کسی بات سے اختلاف نہیں مجھے۔'' حسن کی بھاری آواز نے اس آواز بھری خاموشی کو توڑا تھا بالآخر۔

''ممی نے ہمیشہ ہمارے اردگرد بیوٹی کانشسنس پھیلائے رکھی، خوبصورت کپڑے خوبصورت جوتے خوبصورت گھر اور یہاں تک جب میں اسکول گیا تو ممی کہتیں تھیں کہ ہمیشہ خوبصورت دوست بنانا، وہ دل کے بہت اچھے ہوتے ہیں، میں نے ایسا ہی کیا۔'' وہ رکا، گڑیا بہت دھیان سے اپنے پیارے بھائی کو سن رہی تھی شاید پہلی بار اور شاید......

''جب تم پیدا ہوئیں ممی مجھے اور عاشی سے کہا کرتیں تھیں کہ تم ان کی بیٹی نہیں ہو، ہاسپٹل میں ان کی بچی ایکسچینج ہو گئی ہے اس لئے ہم دونوں کو بھی تم سے اٹیچ ہونے کی ضرورت نہیں، میں نے کبھی ان باتوں کو سیریس ہی نہیں لیا نہ ممی کی نیچر کے بارے میں غور سے سوچا پر اب......

اب میں......تمہارا درد سمجھ سکتا ہوں وہ......ممی جو ہماری ماں ہونے کا دعویٰ کرتی ہیں ناں وہ صرف ایک بیوٹی ورلڈ کی دلدادہ عورت ہیں، انہیں صرف خوبصورتی چاہیے حیران کر دینے والی خوبصورتی کپڑوں سے لے کر ڈسٹ بن اور گھر میں صفائی کرنے والا ملازم بھی وہ اسی خوبی کی بناء پر چنتی ہیں۔'' حسن کا لہجہ عجیب سا تھا، گڑیا حیرانی سے سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی، وہ تو ماں کا لاڈلا تھا پھر یہ سب کیا؟

''تم ٹھیک ہو بھائی؟'' اس نے اپنا سوال دہرایا تھا۔

''وہ بچپن سے میری کلاس فیلو رہی ہے، پرائمری اسکول میں بھی اور نیکسٹ بھی، پر ممی کے بیوٹی ورلڈ کے دائرے میں رہ کر میں نے کبھی غور ہی نہیں کیا اس پر، بہت خوبصورت نہیں تھی ناں۔'' وہ بات روک کر ہنسا تھا، درد بھری، ٹوٹی ہوئی ہنسی، گڑیا کا دل تیز تیز دھڑکنے لگا، حسن کا پزل آخر کیا تھا؟

''میں متوجہ ہوتا بھی کیسے؟ عام صورت تھی وہ اور میں Beautifull fairies کی پیچھے چلنے والا پر جب اسکول کے بعد کالج میں بھی وہ میری ہی کلاس میں نظر آئی تب میں چونکا اور شاید تبھی میں نے غور بھی کیا، وہ اکثر بیٹھے ہوئے مجھے دیکھتی رہتی، کلاس میں جانے سے کلاس سے واپس نکلنے تک خود پر اس کی نظروں کا حصار محسوس ہوتا تھا، مجھے اور جب میں اسے دیکھتا تو نظریں جھکا لیتی، بارہ تیرہ سال اکٹھے پڑھنے کے باوجود اس نے کبھی مجھے مخاطب نہ کیا تھا اس کی حیا نے مجھے اس قدر متاثر کیا کہ مجھے اس سے محبت ہو گئی۔'' حسن کی بات پر گڑیا سیدھی ہو بیٹھی، یہاں بھی محبت کی بات چل نکلی تھی۔

''میں نے لاسٹ ایئر فیئر ویل پر اسے پرپوز کیا اور وہ اتنی خوش تھی جیسے دنیا جہاں کی دولت مل گئی ہو اسے اس کے بعد اس کی دیوانگی جو میرے لئے تھی اس نے مجھے اس کا دیوانہ بنا دیا، وہ بہت خوبصورت نہیں ہے مگر وہ لاکھوں میں ایک ہے، کیونکہ اس کا دل محبت سے بھرا ہے میری محبت سے۔'' اس کی آواز بھیگ سی گئی۔

''اس کے گھر والے اب اس کی شادی کرنا چاہتے ہیں، میں نے ممی سے کہا کہ اس کے لئے بات کرنے جائیں پر ممی نے صاف انکار کر دیا، وہ کہتیں ہیں انہیں میرے لئے پرنس چاہیے ایسی بہو جسے دیکھ کر دنیا رشک کرے، اس کی بے مثال خوبصورتی کے دور دور تک چرچے ہوں۔'' بہت ٹوٹے ہوئے لہجے میں وہ کہہ کر رکا، گڑیا کو اپنی ماں سے دل میں بے انتہا نفرت محسوس ہوئی تھی، اپنے لاڈلے بیٹے کی ماڈلنگ کی ضد پر کچھ ماہ پہلے وہ پاپا سے لڑ کر گھر چھوڑ کے چلی گئی تھیں اور تب تک نہ آئیں تھیں جب تک پاپا نہ مانے تھے۔

''تم ان سے پیار سے بات کرو تم سے بہت پیار کرتی ہیں مان جائیں گی۔'' گڑیا نے اسے سنبھالا دیا۔

''دو مہینے سے یہی کر رہا ہوں، وہ کہتی ہیں میں نے مزید ضد کی تو وہ گھر چھوڑ کر چلی جاؤں گی اور زینب کے گھر والے اس کی شادی کر رہے ہیں، زینب کہتی ہے وہ زہر کھا لے گی۔'' وہ اونچا لمبا مرد ایک دم رو پڑا!

''میں کیا کروں؟ اگر...... اگر اسے کچھ ہو گیا تو میں پاگل ہو جاؤں گا میں خود کو ختم کر لوں گا۔'' گڑیا نے اسے تھام کر اس کے آنسو پونچھے۔

''سب ٹھیک ہو گا بھائی، اللہ ہے ناں تم فکر مت کرو۔'' وہ خود بھی رو رہی تھی، یہ محبت کس کس کو خوار کرے گی آخر؟

''تم...... تم نماز پڑھتی ہو نا؟ اللہ تمہاری سنے گا تم پلیز میرے لئے دعا کرو پلیز۔'' وہ ایک آس اک یقین کے ساتھ اس کے ہاتھ پکڑ کر بولا تھا اور وہ ایکدم لرز سی گئی، حسن کے الفاظ نے اسے فریز کر دیا تھا۔

''اللہ کو ہماری ضرورت نہیں، ہمیں اللہ کی ضرورت ہے۔'' عبدالباری کی آواز نے تصور سے سرگوشی کی تھی۔

''میں نے تو...... میں تو بہت عرصہ ہوا اللہ کو یاد کرنا چھوڑ دیا، میں تو مایوس ہو گئی، ناامید ہو گئی، منکر ہو گئی، ناشکری ہو گئی۔'' اس کا دل اسے کچوکے لگا رہا تھا۔

''یہ سب جو میرے ساتھ ہو رہا ہے اسی ناشکری کا نتیجہ ہی تو ہے میں نے کیا کر لیا خود کے ساتھ۔'' اک اک پل اک اک نافرمانی اس کی آنکھوں کے سامنے آ رہی تھی جو وہ کر چکی تھی۔

''کیا اللہ مجھے معاف کرے گا؟'' دل کی اتھاہ گہرائیوں میں اک ہی سوال تھا۔

''کیا اللہ مجھے معاف کرے گا؟''

☆☆☆

''میرا اللہ تو ہمیشہ معاف کر دیتا ہے ہمیشہ۔'' لہجہ کیسا یقین بھرا تھا۔

''اسے ناراض مت کرو اور اگر ناراض کر دو تو اسے منانے میں جلدی کرو فوراً اسے منا لو وہ بندے کی توبہ کا منتظر ہوتا ہے بس ادھر ایک آنسو نکلا نہیں اور اس نے ہمیں پاک کر دیا۔'' وہ ہمیشہ اسے اچھی باتیں ہی تو سکھایا کرتا تھا اور اس کی انہیں اچھی باتوں نے تو اس کا دیوانہ بنایا تھا گڑیا کو، وضو کر کے آج بہت مہینے بعد وہ اللہ کے حضور حاضر ہوئی تھی اور پھر اتنا جی بھر کے روئی کہ دل روئی کی طرح ہلکا ہو گیا، رو رو کر گڑگڑا کر معافی مانگ کر اس نے عبدالباری کی لمبی عمر کے لئے دعا مانگی تھی، حسن کی مشکل آسان ہو جانے کی دعا مانگی اپنی ماں کا دل نرم ہو جانے کی دعا مانگی تھی، بہت دیر تک روتے رہنے کے بعد جب وہ اٹھی تھی تو بہلے والی گڑیا تھا، کچھ کر دکھانے کا عزم لئے، آنکھوں میں چمک لئے مسکراتی ہوئی ''عبدالباری کی گڑیا''۔

''اے اللہ پاک میری ساری امیدیں صرف آپ سے ہی تو ہیں آپ ہی میرا یقین ہیں آپ کے بغیر میں خاک ہوں بس میرے دل بے چین کو چین عطا فرمائیں میرے بے قرار دل کو قرار عطا فرمائیں۔'' ٹھوکر کھا کر پلٹنے والے شاید اللہ کے زیادہ قریب ہو جاتے ہیں اس کی نمازیں بھی طویل ہو گئی تھیں، اور دعاؤں میں مانگی جانے والی دعا بھی شدت اختیار کر چکی تھی، دعا کا آغاز اور اختتام اک ہی نام سے ہوا کرتا تھا، مگر اب دعاؤں میں طلب کا ذکر ختم ہو چکا تھا۔

''مجھ پر اپنا رحم کر دے مولا، مجھے پرسکون کر دے میری تڑپتی روح کو قرار دے۔'' آنسوؤں سے بھیگے چہرے کے ساتھ وہ قرار لینے پر بضد تھی اور اسے قرار ملنے والا تھا، ایسا قرار جو جلتی روحوں کو ٹھنڈا کر دے، شور وغل سے بھری جھیل میں سناٹا ہو جائے، صرف پانی کی بوندیں گرنے کی آواز ہو۔

☆☆☆

''میں نے بہت کچھ خراب کر دیا ہے۔'' کتابوں کا ڈھیر دیکھ کر اس کے منہ سے بے ساختہ

نکلا تھا اپنی فضول ضد اور سوگ میں وہ اپنا بہت سا قیمتی وقت ضائع کر چکی، جب بورڈ کے امتحان سر پر آئے تو اسے اس چیز کا احساس ہوا تھا، عبد الباری نے اس پر بہت محنت کی تھی اور اس نے پل بھر میں اس ساری محنت کو مٹی میں روند دیا، احساس دیر سے سہی پر ہو گیا تھا، بورڈ کے ایگزامز میں اس نے دن رات ایک کر کے پڑھائی کی تھی، مگر ایف ایس سی میں یہ محنت شاید کوئی حیثیت نہ رکھتی تھی، تب ہی سب ایگزامز بس گزارے لائق ہی ہوئے تھے، پھر سیکنڈ ائیر میں بہت زیادہ محنت کرنے کا وعدہ اس نے خود سے کر لیا تھا، گھر میں حسن اور ناز کے درمیان فی الحال کشیدگی تھی اب اکثر حسن اس سے بات کر لیتا احوال پوچھ لیا کرتا اور ممی اس بات پر حیران بھی تھیں، عاشی کی آج کل ہاؤس جاب چل رہی تھی اس وجہ سے وہ بہت مصروف رہتی تھی، عبدالباری کے بارے میں تایا جان سے خبر ملی تھی کہ وہ اپنی ڈیوٹی جوائن کر چکا ہے، یعنی اب وہ ایک پاک سپاہی بن چکا تھا اور اس کی ڈیوٹی بھی کسی دور شہر میں لگی تھی، عبدالباری سے کی گئی سب باتوں پر وہ بہت شرمندہ تھی اور اب اس کا سامنا کرنے سے کترا بھی رہی تھی، گو کہ اس کا اک اک جذبہ سچا تھا پر اسے یوں اظہار کر کے اپنے جذبوں کو بے مول کر دیا تھا شاید اور وہ یہ بھی چاہتی تھی کہ عبدالباری اس کی اس نادانی پر اسے معاف کر دے یا نہیں، ان کے کالج کا ٹرپ جا رہا تھا، یہ ٹرپ کالج کے اسٹوڈنٹس کو مختلف تاریخی مگر گمنام جگہوں سے متعارف کروانے کے لئے جا رہا تھا، پاپا سے اجازت لے کر گڑیا بھی اس ٹرپ کے ساتھ چلی آئی، بس انہیں پہلے اسلام آباد لے آئی تھی، اسلام آباد ایک خوبصورت شہر تھا، انہیں شام پانچ بجے واپس کراچی کے لئے نکلنا تھا، آخر میں راستے میں ان کی بس میں کوئی مسئلہ ہو گیا، دس منٹ کے بعد مس نے اندر آ کر سب لڑکیوں کو اطلاع دی کہ بس کو ٹھیک ہونے میں آدھا گھنٹہ لگ جائے گا اس لئے وہ چاہے تو بیٹھ جائیں چاہے تو قریب جگہوں کی سیر کر لیں، بہت سی لڑکیاں گروپس کی شکل میں باہر نکل گئیں، ساتھ نگران مس کو بھی جانا تھا، وہ بھی باہر نکل آئی، وہ چلتے ہوئے ذرا بس سے فاصلے پر آ گئی تب ہی اس کے کانوں میں الگ ایسی آواز گونجی جسے سن کر دل بے چین سا ہو گیا، یوں جیسے دور کہیں کوئی دھن چھیڑ رہا تھا، اس کے قدم بے اختیار آگے بڑھنے لگے یہ آواز دائیں طرف موجود گلی سے آ رہی تھی، قریب جانے پر اس آواز میں اور بہت سے آوازیں شامل ہو گئیں، بانسری، تبلے اور بھی نجانے کون کون سی آوازیں تھیں جو دل کو اس قدر بے چین کر رہی تھیں کہ وہ بغیر ڈرے اس گلی کی طرف مڑ گئی، اس گلی میں اکا دکا لوگ تھے، پوری گلی پیلے رنگ کی روشنی میں نہائی تھی اور آوازوں کا مرکز گلی کے کونے میں بنا ایک بڑا سا دروازہ تھا شاید کوئی مقناطیسی طاقت تھی جو اسے اس طرف کھینچ لے گئی، وہ کہاں ہے؟ اسے واپس بھی جانا ہے اس نامعلوم طاقت نے ہر خیال دل سے نکال دیا اور وہ اس طرف چل پڑی، دروازے کے سامنے رک کر دیکھا تو پتا چلا یہ کوئی مزار تھا دروازے کے عین اوپر بزرگ کا کتبہ درج تھا اور دروازے کے ساتھ بائیں طرف ایک بورڈ لگا تھا جس پر انگریزی میں Mevlevi,sNight درج تھا، دل میں اس بورڈ پر لکھے جملے کا مطلب اور پس منظر جاننے کا تجسس سا جاگا تھا اور بغیر سوچے سمجھے دیوانگی کے عالم میں اس نے اپنا دایاں پاؤں بڑھا دیا۔

''بی بی جی جوتا۔'' نجانے وہ درمیانی عمر کا

شخص کہاں سے برآمد ہوا تھا اور اب اسے جوتا اتارنے کا کہہ رہا تھا، گڑیا کے جوتا اتارنے پر اس نے جوتا ہاتھوں سے پکڑ کر سامنے رکھ دیا، وہ باقی آنے والے لوگوں کے جوتے بھی اس قدر پیار و محبت سے اتر وا رہا تھا کہ وہ چند لمحے کھڑی ہو کر اسے دیکھنے لگی پھر تیز ہوتی آوازوں نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا اور وہ اندر بڑھ گئی۔

اندر دہلیز پر قدم رکھتے ہی اس کے بے قرار دل کو قرار سا ہوا تھا، جیسے دل بے چین سکون میں آ جائے، اس بات کو اس نے خود بہت شدت سے محسوس کیا تھا۔

ایس عشقے دی جھنگی وچ مور بولیندا
ایس عشقے دی جھنگی وچ مور بولیندا
سانوں قبلہ تے کعبہ سوہنا یار دسیندا

پنجابی کے یہ بول اس کے کانوں میں پڑھے تھے، یہ کوئی کلام تھا شاید اور وہ اسے پہلے بھی سن چکی تھی شاید، صحن کو پار کر کے اب وہ ایک بڑے سے ہال نما کمرے میں تھی اور پھر بالآخر اس کی آنکھوں نے وہ منظر دیکھ ہی لیا کہ جسے دیکھنے کے لئے اس کی روح بہت دور سے اسے کھینچ لائی تھی، اس کی تڑپتی ہوئی روح پر پھوار سی پڑ گئی۔

سامنے سفید لباس میں جھومتے ہوئے وہ وجود پیروں تک آتے کھلے فراک نما سفید لباس پہنے سر پر لمبی سی ٹوپیاں لئے وہ ایک ہی ادا میں گول گول گھوم رہے تھے۔

ڈھونڈ اتا سارا جہاں
وے ویہڑے آ وار میرے
بھانویں جان نہ جان

ایک ہاتھ آسمان کی طرف اور دوسرا ہاتھ فضا میں زمین کی طرف کر کے وہ جھوم رہے تھے، حاضرین محفل میں سے بھی کچھ لوگوں پر جذبات کا غلبہ اس قدر بڑھتا کہ وہ بھی ہوش و حواس سے بیگانہ ہو کر ان کے درمیان آ کر رقص کرنے لگتا، یہ اللہ پاک کی بڑائی کو بیان کرنے کا ان کا ایک بہت خوبصورت انداز ہوتا ہے اور ان لباسوں میں جب وہ رقص کرتے ہیں تو ان کے دل ''اللہ اللہ'' کی پکار کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ اس وقت وہ اپنے تمام رشتہ دار، بال بچے، دنیا ہر چیز کو بھول کر جھومتے ہیں اور ان کے دلوں میں صرف اور صرف اللہ ہوتا ہے، آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر وہ اللہ تعالیٰ سے رحمتیں، برکتیں اور نور طلب کرتے ہیں اور جھکا ہوا زمین کی طرف والا ہاتھ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ جو ان کا رب انہیں عطا کرے گا اسے وہ زمین والوں کے ساتھ بانٹیں گے۔

جھب (جھلک) دے بوھڑیں وے طبیبا
نئی تاں میں مر گئیاں
تیرے عشق نچائیاں کر کے تھیا تھیا تھیا

اس آخری بول پر وہ سب دائیں بازو کو پیشانی تک لگا کر اور بائیں بازو کو پہلو میں چھوڑ کر اب تیزی سے جھومنے لگے تھے، وہ حیرانی سے ان سب کو دیکھ رہی تھی، اس کے لئے یہ سب اتنا نیا نہیں تھا کیونکہ وہ صوفی ازم کے بارے میں بہت کچھ پڑھ چکی تھی اسے مطالعے میں انٹرسٹ تھا اسی طرح کہیں اس نے ان سب کے بارے میں سرسری سا پڑھا تھا پر وہ سرسری سا آگے اس کے سامنے آ جائے گا اسے ادراک نہیں تھا۔

تیرے عشق نچائیاں کر تھیا تھیا تھیا
تیرے عشق نچائیاں کر تھیا تھیا تھیا

''تھیا'' اصل میں ''تھئی..... آہ'' جو کہ رقص کی تال ہوتی ہے اور یہ وہ لفظ ہے کہ جب ان کا وجود پور پور اپنے محبوب کے عشق میں ڈوبتا ہے تو وہ ''تھیا'' کی تال پر رقص کرنے لگتے ہیں اور اس

رقص کی تکرار سے وہ وجدان کے عالم میں آجاتے ہیں، ان کے چہروں پر اتنا سکون تھا کہ جیسے وہ اس کائنات کی مخلوق ہی نہ ہوں، اب ان کا رقص دھیما پڑ چکا تھا، ان کا عشق انتہاؤں کو چھو آیا تھا، گڑیا پر اس مقام پر کھڑے کھڑے عشق کی جو "حقیقت" کھلی تھی وہ بہت انوکھی تھی۔

تیرے عشق نچائیاں کر کے تھیا تھیا

اس ایک جملے نے اس کے دماغ میں بسیرا کرلیا تھا اور شاید یہ اس کے لئے کسی آنے والے وقت کے لئے ایک "اہم پوائنٹ" ثابت ہونا تھا۔

☆☆☆

گھر آکر اس کا دل بہت دن تک بے چین رہا، آخر کیوں وہ ادھر گئی؟ اور ادھر سے آنے کے بعد کیسی آگ تھی جو اس کے دل میں لگی تھی، اس کا کوئی دوست ہم راز بھی نہ تھا جس سے وہ سب ڈسکس کرسکتی جو ایک تھا اسے وہ خود گنوا چکی تھی، ایگزامز اسٹارٹ ہو گئے تو دھیان تھوڑا بٹ گیا، دن رات ایک کرکے اس نے ایگزامز دیئے تھے۔

"اس بار خوب محنت کرنا، فرسٹ ائیر کی کمی پوری کر دینا۔" بابا اسے پریشان دیکھ کر اس کے پاس آبیٹھے۔

"بابا..... سر نے مجھ پر اتنی محنت کی، مجھے کمپلیکس سے نکالنے والے صرف وہ ہی تھے ورنہ آپ سب نے کبھی مجھ پر توجہ دینے کی ضرورت ہی نہ سمجھی تھی۔" وہ ان کے کندھے پر سر رکھے رو پڑی۔

"وہ چلے گئے تو میں نے بہت برا کیا ان کے ساتھ ان کی ساری محنت مٹی میں ملا دی، میں نے پھر الٹا سیدھا کہہ دیا ان سے، جس سے وہ ناراض ہو گئے مجھ سے کبھی بات نہیں کریں گے اب۔" اس درد کو کتنے عرصے سے دل میں چھپا کر رکھا تھا بابا کے سامنے وہ باہر نکل گیا۔

"کیا ہو گیا بیٹا؟ وہ تم سے کبھی ناراض نہیں ہوسکتا میرے بچے۔" انہوں نے اس کے آنسو صاف کیے تھے۔

"تمہیں پتا ہے جب تم پیدا ہوئی تو عبد الباری نے تمہارا نام رکھا تھا "نور فاطمہ" اور پھر پیار کا نام "گڑیا" اتنے پیارے نام رکھے میری پیاری سی بیٹی کے۔" وہ مسکرائے گڑیا بھی بھیگی آنکھوں سے مسکرا دی، عبد الباری کا نام ہی تو مسکرانے کا وسیلہ تھا بس۔

"میں مانتا ہوں بہت سی کوتاہیاں کی ہیں میں نے میں تمہیں وہ اہمیت نہیں دے سکا جس کی حقدار تھی پر میں تم سے بہت پیار کرتا ہوں مائی چائلڈ۔" انہوں نے اس کے سر پر پیار کیا۔

"اور عبد الباری بھی آپ سے بہت محبت کرتا ہے اس نے بہت محنت کی آپ پر تا کہ آپ ایک دن ساری محنتوں کا حساب دو اور سب کو پتا چلے کہ اس کی محنت بے جا نہیں تھی، اب وہ ڈیوٹی پر ہوتا ہے پاکستان کا فوجی ہے، اس کے بغیر آگے بڑھنا سیکھو اور سب کو حیران کر دو۔" بابا کی باتوں نے اس کے اندر اک جوش اک جذبہ بیدار کر دیا تھا۔

☆☆☆

"نور......!" کالج سے واپسی پر اپنے نام کی پکار سن کر وہ رکی تھی، پیچھے مڑ کر دیکھا تو کوئی لڑکا اس کے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"Who are you?" کافی کھردرے لہجے میں نور نے پوچھا تھا، پتا نہیں کون تھا اور اسے کیوں مخاطب کر بیٹھا تھا۔

"یا میرے اللہ یہ دن بھی آنا ہی تھا۔" وہ مصنوعی اداسی سے منہ بنا کر بولا تھا اور تبھی اس

کے چہرے کو غور سے دیکھتی نور چیخی تھی۔
''حمزہ بھائی آپ۔'' وہ خوشی سے باقاعدہ چلائی تھی۔
''شکر ہے پہچان لیا ورنہ مجھے برتھ سرٹیفکیٹ لانا پڑتا۔'' وہ ہنسا۔
''تم کہاں چلے گئے تھے؟ اف اور امی کہاں، اللہ میں کتنے سالوں تک یاد کرتی رہی تم سب کو۔'' وہ بات کرتے ایکدم اداس ہو گئی، آنکھوں میں آنسو بھر لائی۔
''ارے تم تو بہادر بنتی تھی بزدل لڑکی۔'' اس کے سر پر ٹہوکا دے کر وہ مزے سے بولا تھا۔
''امی اور میں لاہور چلے گئے تھے ابا کے پاس ابا کو امی کا کام کرنا پسند نہیں تھا یاں وہیں بس گئے پھر امی تو اکثر تمہیں یاد کرتیں تھیں پر میری پڑھائی تھی وہاں تو کبھی آنا ہی نہ ہوا اب پچھلے ماہ ابا کی ڈیتھ ہو گئی تو ہم واپس کراچی آ گئے۔'' وہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔
''اوہ آئم سوری۔'' گڑیا بھی اداسی سے بولی تھی۔
''خیر اللہ کے کام ہیں، ابا کے بعد گھر کا چولہا بند ہی ہو گیا تقریباً ایک ماہ سے جاب کے لئے دھکے کھا رہا ہوں مگر انٹر پاس کو جاب کون دے؟'' وہ زخمی سا مسکرایا، گڑیا سے رہا نہ گیا اور وہ حمزہ کے ساتھ امی سے ملنے آ گئی، دور جھاڑیوں کے اندر سے گزر کے ایک ویران سی جگہ پر چھوٹا سا کمرہ نما گھر تھا، امی کے گلے لگتے وہ اس قدر روئی کہ ان کو بھی رلا دیا۔
''اپنی بیٹی کو تنہا چھوڑ دیا بالکل پیار نہیں مجھ سے اپنا دودھ پلا کر اپنا بنایا اور پھر بیگانہ کر دیا بتائے بغیر غائب ہو گئیں۔'' امی اس کی باتوں پر روتے روتے ہنس دیں۔
''کنی پیاری ہو گئی اے نی میری نوری۔''
امی اب کمزور اور نحیف ہو چکی تھیں۔
''ذرا بھی نہیں ویسی ہی ہے میں نے فوراً پہچان لیا۔'' حمزہ نے چوٹ کی تو وہ اسے گھورنے لگی، حمزہ اور امی کے ساتھ ایک بھرپور اور خوشیوں بھرا دن گزار کر جب وہ شام کو گھر آئی تو ایک قیامت اس کی منتظر تھی، ایسی قیامت جس نے ان کے گھر کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا۔

☆☆☆

گھر کے باہر کھڑی گاڑیوں نے اسے چونکا تو دیا تھا، چھٹی حس بھی مسلسل کچھ غلط ہونے کا احساس دلا رہی تھی پھر جب گھر میں داخل ہوتے ہی ملازمہ نے بتایا کہ ''حسن میاں نے خودکشی کر لی'' تو گڑیا کے ہاتھ میں پکڑا بیگ زمین بوس ہوا تھا، اس کی آنکھیں پھٹنے کے قریب ہو گئیں۔
''جھوٹ۔'' وہ اسے دھکا دے کر اندر آئی تھی اور اندر آ کر اس کی چیخیں نکل گئیں، سب نے گردن گھما کر اسے دیکھا اور اس کا باپ تیزی سے اس کے پاس آیا تھا۔
''میرا حسن...... میرا بیٹا چلا گیا مجھے چھوڑ کر۔'' وہ باپ کے گلے لگ کر رو دی، اس کا باپ خود صدمے سے بے حال تھا۔
''میرا بیٹا...... میرا بیٹا۔'' کی گردان کرتا، گڑیا کا دل مٹھی میں جکڑا جا رہا تھا، اس نے زور سے باپ کو تھام لیا، سب اس منظر پر آنکھیں نم کر بیٹھے تھے، سوائے اس کی ماں کے، گڑیا کے دل میں آیا اس کی ماں کدھر ہے؟ سر گھما کر دیکھا، تو وہ سفید چادر کے نیچے بے حس پڑے حسن کے پاس بیٹھی تھی بے حس و حرکت، ساکت، پتھریلی آنکھوں کے ساتھ، عاشی پاس بیٹھی شاید ماں کو حرکت میں لانے کی کوشش میں تھی، گڑیا باپ کو چھوڑ کر آگے بڑھی اور حسن کے سپید مردہ چہرے کو دیکھ کر وہ ساری ہمت کھو بیٹھی اور نیچے ڈھے گئی۔

''حسن بھائی، یہ کیا کر دیا تم نے؟'' وہ اب بلند آواز میں رو رہی تھی، اس کی ماں کے وجود میں اب بھی حرکت نہ ہوئی وہ بے حس و حرکت شاید صدمے میں تھی، اکلوتے بیٹے کی موت کا صدمہ۔

''آ گیا سکون آپ کو؟ مار دیا میرے بھائی کو؟'' ایکدم نجانے اس میں اتنی ہمت کہاں سے آ گئی کہ وہ ماں کے سامنے جا بیٹھی اور اب وہ اسے پکڑ کر جھنجھوڑ رہی تھی۔

''اس عورت نے میرے بھائی کو مار دیا اس کا غرور اسے حرام موت مرنے پر مجبور کر گیا، میرا بھائی مر گیا اب تم چین مناؤ، اور......'' اس کے منہ پر پڑنے والے تھپڑ نے اس کے حواس ٹھکانے لگائے تھے۔

''کیا بکواس کر رہی ہو؟'' عاشی خونخوار نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی، ہر کوئی حیران سا اس منظر کو دیکھ رہا تھا، اس کی ماں کے وجود میں اب حرکت آئی، وہ اب انجان سے انداز میں اپنی بیٹی کو دیکھ رہی تھی جو اسے نفرت سے دیکھ رہی تھی۔

''یہ سب کو اپنے غرور تلے روند دیں گی سب کو۔'' وہ بلند آواز میں روتی جا رہی تھی، بابا نجانے کہاں تھے؟ تایا جان نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور تائی جان کو اسے اندر لے جانے کا اشارہ کیا تھا۔

''تمہارے باپ نے مجھے بتایا کہ آج ہی تمہاری ماں حسن کا رشتہ اپنی کسی دوست کی بیٹی کے ساتھ طے کر کے آئی تھی اور جب آ کر حسن کو بتایا تو دونوں میں خوب جھگڑا ہوا تمہاری ماں اپنی ضد پر قائم رہی اور حسن نے اندر جا کر اپنی نبض کاٹ کر خود کو ختم کر لیا۔'' تائی جان کی بات سن کر اس کے رونے میں مزید اضافہ ہوا تھا۔

''ہمیشہ سے تمہاری ماں نے ہر کسی پر اپنا تسلط جمایا ہے کتنا پیارا بچہ تھا میرے الیاس کا، ہائے عمر ہی کیا تھی ابھی اس کی محض انیس بیس سال؟'' وہ خود آبدیدہ تھیں۔

''کیسی قیامت ٹوٹ پڑی ہمارے گھرانے میں، عبد الباری سے رابطہ نہیں ہو پا رہا۔'' عبد الباری کے ذکر پر گڑیا کا رونا رک گیا۔

''ہو بھی جائے تو کیا فائدہ؟ وہ دور دراز کے علاقوں میں ڈیوٹی پر ہے، اول تو پہنچ ہی نہ پائے گا اور اس کے آنے سے کون سا حسن واپس آ جائے گا۔'' تائی کا بین سمجھ آتا تھا پر اس کی ماں؟ وہ اب کیوں صدمے میں چلی گئی تھی؟ خود ہی اپنے ہاتھوں سے اپنے بیٹے کی قبر کھود کر اب صدمہ؟

''اور بھائی تم کہتے تھے کہ سب ٹھیک ہے۔'' پچھلے ہفتے اس کے پوچھنے پر حسن نے کہا تھا۔

''کاش میں گھر پہ ہوتی تو تمہیں ایسا کبھی نہ کرنے دیتی۔'' وہ دل ہی دل میں بولی، پر یہ سب شاید یوں ہی ہونا تھا، حسن کے جنازے میں ''زینب'' کو دیکھا تھا گڑیا نے، شاید وہ اپنی ماں کے ساتھ آئی تھی اور اسے دیکھ کر اسے خود پر ضبط کرنا مشکل ہو گیا۔

''زینب!'' ہچکیوں سے رو رہی تھی۔

''دل سے یہ جڑے ہیں دل اپنے، کہنے کو کوئی رشتہ ہی نہیں۔''

''اس پیاری سی لڑکی کو صبر عطا فرمانا میرے اللہ اس کا تو سب کچھ لٹ گیا، کچھ دن بعد اس مردہ وجود کو ڈولی میں بٹھایا جائے گا اسے سنبھالا دینا میرے مالک تو تو سب پر قادر ہے۔'' اس کے دل میں دعاؤں کا اک سمندر اس وقت چل رہا تھا اور پھر ''اللہ اکبر'' کی تکبیر کے ساتھ اس

کے پیارے بھائی کو ہمیشہ کے لئے اس گھر سے نکال دیا گیا۔

☆☆☆

''لوگ چلے جاتے ہیں اپی کہانیاں رہ جاتیں ہیں، حسن بھائی بھی اک کہانی بن کر رہ گیا ہے جسے روز وہ عورت پڑھتی ہے اور پھر روز اس کے انجام پر روتی ہے۔'' اپی حمزہ کے ساتھ افسوس کرتے آئیں تھیں، وہ انہیں لئے اپنے کمرے میں آ گئی۔

''سب اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے، بابا بزنس میں عاشی جاب میں اور ممی...... وہ تو سارا دن کمرے سے نہیں نکلتیں، بابا اور ممی کی بہت لڑائی ہوئی تھی، ایک ماہ ہو گیا دونوں نے آپس میں بات نہیں کی۔'' وہ بے تاثر لہجے میں بتا رہی تھی۔

''مجھے لگتا تھا ان کا غرور ٹوٹ گیا پر شاید ابھی انہیں اور ضربوں کی ضرورت ہے، انہیں اور موتوں کی۔'' اپی نے اس کے منہ پر تھپڑ دے مارا۔

''کیا اول فول بولی جاندی ایں؟ کیڑے ویلے وی دعا دا ویلا ہو سکدا، سوچ سمجھ کے بول۔'' وہ غصے میں تھیں۔

''اپی میں آپ کے ساتھ جانا چاہتی ہوں گھر کے ماحول سے میرا دماغ پھٹتا ہے۔'' وہ شکل سے کمزور لگ رہی تھی اور پھر اپی نے الیاس احمد سے اجازت لی کہ اسے کچھ دن ان کے گھر رہنے دیا جائے، وہ بھی اس کی حالت کے پیش نظر انکار نہ کر سکے۔

وہ لمبا چوڑا سامان لے کر اپی کے گھر آ گئی اور یہاں آ کر حمزہ اور اپی کی کوششوں سے وہ آہستہ آہستہ ٹھیک ہونے لگی اور پھر پڑھائی کو جاری کیا۔

''حمزہ بھائی اکیڈمی کی جاب ٹھیک رہے گی تمہارا میتھس بھی کافی اچھا ہے۔'' وہ حمزہ سے مخاطب تھی۔

''ٹھیک ہے میں انہیں کل سے جوائن کر لوں گا پے کا تھوڑا مسئلہ تھا پر نہ ہونے سے تو بہتر ہے۔'' حمزہ بھی بے روزگاری سے اکتا گیا تھا، پڑھائی سے وقت بچا کر گڑیا نے نیوز پیپر میں آرٹیکل لکھنے شروع کیے جس سے وہ اپنی سکلز کو نکھارنا چاہتی تھی، وہ حسن کی روح کے سکون کے لئے دعائیں کرتی اور ان دنوں میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں تھا جب اس نے رات کو سوتے اور صبح اٹھتے وقت عبدالباری کو یاد نہ کیا ہو، عبدالباری کا تصور تو ہر وقت ساتھ تھا، پر اب طلب کا عالم نہیں تھا، عبدالباری کے نام پر دل تیزی سے دھڑکتا تھا اور نظریں خود بخود جھک جاتیں تھیں، شاید محبت نکھر رہی تھی، بڑھ رہی تھی اور عشق کے مقام تک جا رہی تھی۔

☆☆☆

پیا ملن کی آس ہے من میں
نینوں میں برساتیں ہیں
تنہائی کے چپ آنگن میں
میری ان سے باتیں ہیں

کمرے کی کھڑکی میں کھڑی وہ آسمان پر نکلے پورے چاند کو دیکھ رہی تھی۔

''سر آپ بھی کہیں کھڑے شاید اس چاند کو دیکھ رہے ہوں۔'' اس کے تصور پر ہونٹ کھل اٹھے اور وہ مزید محویت سے چاند کو دیکھنے لگی، آج سال بھر سے اوپر ہو گیا تھا عبدالباری سے ملاقات کیے، حسن کی ڈیتھ سے پہلے ایک بار وہ گھر آیا تھا اور الیاس احمد نے اسے بتایا کہ وہ بہت جلدی میں تھا اس لئے جلد ہی چلا گیا، گڑیا کالج میں تھی اور وہ جانتی تھی کہ وہ جلدی کیوں چلا

گیا، وہ تو خود اس کا سامنا کرنے کا حوصلہ نہ پاتی تھی، عبدالباری کا وہ تھپڑ اسے آج بھی یاد تھا، کیسے مایوسیوں کی طرف دھکیل گیا تھا وہ تھپڑ اسے۔

''حسن بھائی تم جاتے جاتے مجھے میری زندگی لوٹا گئے۔'' ایک تارا اس کی آنکھ سے ٹوٹ کر گرا تھا، اس نے قریب سے آنکھیں موند لیں اور جب آنکھیں کھولیں تو دھک سے رہ گئی، سامنے عبدالباری کھڑا مسکرا رہا تھا۔

☆☆☆

''آ...... آپ؟'' اس کا دل دھڑکنا بھول گیا۔

''مجھے یقین ہی نہیں آ رہا، آپ یہاں کیسے؟'' اس کے حلق سے آواز بھی نہ نکل پا رہی تھی۔

''میں آپ سے بہت شرمندہ ہوں سر، مجھ میں ہمت ہی نہیں آپ کا سامنا کرنے کی پلیز مجھے میری نادانی پر معاف کر دیں آپ کیسے اپنی گڑیا سے ناراض ہو سکتے ہیں۔'' وہ بھیگے لہجے میں معافی مانگ رہی تھی، وہ اب بھی مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔

''آپ بولتے کیوں نہیں؟'' گڑیا نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھنا چاہا تو اس کا ہاتھ کھڑکی میں لگے پردے سے جا ٹکرایا، عبدالباری وہاں سے غائب ہو چکا تھا، وہ تیزی سے گردن گھما کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

''یا میرے اللہ؟ یہ سب کیا تھا؟'' آنسو تیزی سے اس کے گالوں پر بہہ رہے تھے۔

''کیا یہ میرا تخیل تھا؟ میرا تصور اس قدر پختہ ہو گیا ہے کہ وہ مجھے دکھنے لگے ہیں؟'' وہ سر پکڑ کر بلند آواز میں رونے لگی۔

''نوری؟ دے نوری۔'' ابی اس کی آواز سن کر دوڑی چلی آئیں۔

''ابی...... سر...... وہ...... م...... مجھے...... ابھی...... ابھی وہ ادھر تھے۔'' روتے ہوئے کھڑکی کی طرف اشارہ کر کے اس نے بتایا تھا، ابی کا دل دھک سے رہ گیا۔

''کی ہو گیا اے تینوں؟ او ایتھے کینویں آ سکدا اے؟'' ابی کو شبہ ہوا کہ کہیں وہ پاگل تو نہیں ہو گی۔

''میں نے...... میں نے انہیں دیکھا وہ مجھے دیکھ کر مسکرا رہے تھے، ان سے کہیں وہ واپس آ جائیں پلیز ابی۔'' وہ تڑپ تڑپ کر ان کے سینے سے لگ کر رو دی، ابی خود بھی آبدیدہ ہو گئیں، پچھلے بہت سے دنوں سے وہ اس کی حالت دیکھ رہی تھیں ہنستے ہنستے روتے لگتی اور عبدالباری سے اس کی محبت ان سے ڈھکی چھپی تو نہ رہ سکی تھی۔

☆☆☆

شاید اس کی حقیقی ماں اس کی حالت کا مذاق ہی بناتی اور اسے ڈرامے کا نام دے دیتی پر ابی اس لئے اگلے ہی دن کہیں دور دربار پر حاضری کے لئے آ گئیں تھیں، چھوٹی موٹی حرکتیں اور اس کی عجیب حالت تو وہ کافی دن سے دیکھ رہی تھیں پر کل جو ہوا اس کے بعد وہ ڈر سی گئیں تھیں، وہ اسے اپنی سگھی اولاد کی طرح عزیز رکھتیں تھیں اسی لئے اسے فوراً دم کے لئے لے آئیں تھیں کہیں اس حالت میں وہ خود کو نقصان نہ پہنچا لے دربار میں داخل ہوتے ہی گڑیا کے دل کو سکون ملا تھا اور اس کے ذہن میں اس دن کی ساری فلم چل پڑی، درگاہ پر لوگوں کا رش تھا، پاؤں رکھنے کی بھی جگہ نہ تھی، اللہ والوں کے آستانے یوں ہی ہر وقت بھرے رہتے ہیں کوئی دیگیں چڑھاتا اور کوئی لنگر تقسیم کرتا نظر آتا ہے، کوئی سجدوں میں گرا روتا ہوا نظر آتا تھا تو کوئی دھاگے باندھتا، ابی نے اور

اس نے حاضری کے نوافل پڑھے اور پھر دعا میں گڑیا نے اللہ تعالیٰ سے خوب گڑگڑا کر اپنے دل کے سکون کی دعا مانگی تھی، جدائی اگر جان لیوا تھی تو صبر کی دعا مانگی تھی، عبدالباری کی حفاظت کی دعا مانگی تھی، امی اسے چھوڑ کر کچھ معلوم کرنے گئیں تھیں، وہ اٹھ کر جالیوں کے پاس آ گئی اور منت کا ایک دھاگا باندھ دیا، دل کو سکون نصیب ہوا تھا، وہ وہاں کھڑی دعا مانگ رہی تھی جب اس کے کانوں میں اسی دن کی طرح وہ دل پر دھڑکتی دل پر لگتی ہوئی آواز گونجی تھی، اسی لے میں اسی سر میں وہ چونک کر مڑی، اس کے قدم اس آواز کی سمت ہوئے تھے، درگاہ سے ذرا فاصلے پر ایک اونچی پہاڑی تھی اور یہ آوازیں وہیں سے آ رہی تھیں وہ ایک ٹرانس کی کیفیت میں اس طرف چل پڑی، اس کی روح اس سفر میں جاگ اٹھی تھی، وہاں پہنچ کر دیکھا تو کچھ قوال بیٹھے تھے اور ہارمونیم کے ساتھ کلام پڑھ رہے تھے، کچھ بزرگ، ملنگ اور چند ایک خواتین کا گھیرا ان کے گرد لگا تھا۔

موہے اپنے ہی رنگ میں رنگ لے نجام
موہے اپنے ہی رنگ میں رنگ لے نجام

اس قدر خوبصورت دل کو چھو لینے والا کلام، گڑیا کی تڑپتی روح پر کاری ضرب لگی تھی، اسے ایک جھٹکا سا لگا اور ہوش و حواس کھوتے ہوئے اپنے دونوں بازوؤں کو ہوا میں بلند کیے وہ ان سب کے وسط میں آ کر گول گول جھومنے لگی تھی۔

جوگنیاں کا بھیس بنا کے
پی کو ڈھونڈن جاؤں گی

دونوں بازوؤں کو فضا میں بلند کیے وہ زمین پر پیر مار کر تیز تیز گھوم رہی تھیں، جھوم رہی تھی، قوال مصروف تھے کسی کو اس کی پرواہ نہ تھی، خواتین ایک دوسرے کو دیکھ رہی تھیں، وہ اس قدر تیزی میں جھوم رہی تھی، جیسے گیت کے بول اس کے دل پر جا کر لگ رہے تھے، آنکھیں بند کیے ایک چہرے کو تصور میں بسائے وہ جھوم رہی تھی۔

''نوری!'' نجانے امی کہاں سے بھاگتی ہوئی آئیں تھیں، انہیں سانس چڑھی ہوئی تھی اور گڑیا کو اس حالت میں سب کے سامنے جھومتے دیکھ کر ان کے چھکے چھوٹ گئے، انہوں نے تیزی سے آگے بڑھ کر اسے تھاما تھا اور یوں ایکدم رک جانے پر وہ اپنے ہوش و حواس کھو چکی تھی شاید، گڑیا کا سر ان کے کندھے پر ڈھلک گیا، امی کے دل کی دھڑکن بہت تیز دھڑک رہی تھی، کچھ خواتین نے آگے بڑھ کر گڑیا کو اٹھانے میں ان کی مدد کی۔

''اس لڑکی میں عشق کی آگ لگی ہے، ایسی آگ جو کبھی ٹھنڈی نہ پڑ سکے گی، اسے اس کے حال پر چھوڑ دو، یہ خود ہی سنبھلے گی۔'' اس احاطے سے نکلتے ہوئے ایک ملنگ نے امی سے مخاطب ہو کر کہا تھا۔

☆☆☆

''میں بالکل ٹھیک ہوں بابا، آپ فکر مت کریں۔'' گڑیا نے بمشکل مسکرا کر الیاس احمد کو اپنی ٹھیک حالت کا یقین دلایا تھا، ابھی کچھ دیر پہلے امی اسے یہاں چھوڑ کر گئیں تھیں اور ڈھکے چھپے لفظوں میں الیاس احمد کو اس کی حالت کا بتایا تھا، اب وہ شاید باپ ہونے کی وجہ سے جھجک رہے تھے، گڑیا ان کی طرف سے کسی تفتیشی سوال کی منتظر تھی، پر انہوں نے کچھ نہ کہا۔

''بیٹا اپنا خیال رکھو، میں اپنی مزید دکھ نہیں اٹھا سکتا، میرا ہے ہی کون اب تم دونوں کے علاوہ؟'' بابا کی آنکھوں میں نمی سی جھلکی۔

''بابا آپ فکر مت کریں، آپ کی گڑیا کمزور نہیں ہے، کسی کے لئے خود کو حرام موت نہیں ماروں گی۔'' گڑیا نے خود ہی بات کر دی۔

''اور وہ سب جو ہوا مجھے نہیں معلوم وہ کیوں ہوا اور کیسے ہوا مجھے کچھ نہیں پتا بس آپ دعا کریں۔'' ان کے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھ کر خود کو مضبوط ظاہر کرنا چاہا، بابا چلے گئے تھے، گڑیا بھی اپنے کمرے میں آ کر سو گئی۔

شام کا نجانے کون سا پہر تھا جب اونچی آوازوں پر اس کی آنکھ کھلی تھی، وہ گھبرا کر اپنے کمرے سے نکلی، بالکنی میں کھڑی ہو کر سیدھی ڈرائنگ روم پر نظر پڑی، وہاں ممی اور بابا جھگڑ رہے تھے شاید، حسن کی ڈیتھ کے بعد ایسے منظر اسے دو سے تین بار دیکھنے کو ملے تھے پر اس بار موضوع گفتگو بلکہ موضوع جھگڑا گڑیا کی ذات تھی۔

''تم نے کبھی اسے بیٹی سمجھا ہی نہیں ایسی کٹھور اور بے حس عورت میں نے کبھی نہیں دیکھی۔'' ان کی آواز اتنی بلند ضرور تھی کہ وہ با آسانی سن سکتی تھی۔

''ہاں ہوں میں بے حس وہ میری بیٹی ہے ہی نہیں میرے صرف دو بچے ہیں۔'' اس کی ماں جواباً چلائی تھی۔

''اور اس میں سے ایک بچے کو اپنی انا اپنے غرور کے ہاتھوں تم مار چکی ہو، میں مزید برداشت نہیں کروں گا کہ تم میری بچی کے ساتھ زیادتی کرو، وہ ایک ذہنی مریضہ بن کے رہ گئی ہے۔'' بابا کا اس قدر غصے بھرا لہجہ اس نے پہلی مرتبہ سنا تھا۔

''میری طرف سے وہ بھاڑ میں جائے بھیج دو اسی دو ٹکے کی ماسی کے پاس اسے۔'' ان کے لہجے میں ابی کے لئے حقارت تھی۔

''زبان سنبھال کر بات کرو۔'' بابا کا طیش بھرا لہجہ، وہ تیزی سے سیڑھیاں اتر کر نیچے آئی تھی، کہ کہیں معاملہ بگڑ نہ جائے پر اس کے اندر جانے سے پہلے بابا تیزی سے بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گئے اور پھر گھر سے باہر گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی تھی۔

''بابا...... بابا۔'' وہ بھاگی بھاگی ڈرائنگ روم کے باہر کی طرف کھلنے والے داخلی دروازے تک گئی تھی، پر وہ جا چکے تھے۔

''سارے فساد کی جڑ تم ہو اب یوں فکر مندی دکھا کر یہ ڈرامہ بازی کسے دکھا رہی ہو؟'' وہ عورت جو اس کی ماں تھی اب اس کے سر پر کھڑی چلا رہی تھی۔

''میں نے کبھی آج تک آپ کا برا نہیں چاہا۔'' وہ سرد مہری سے بولی تھی۔

''بکواس بند کرو اپنی تمہاری وجہ سے آج میرا شوہر مجھ پر اس قدر چلا کر گیا ہے، سارے گھر کا سکون تباہ کر کے رکھ دیا ہے تم نے۔'' وہ اس پر پھنکار رہیں تھیں۔

''اس عبدالباری سے جدائی برداشت نہیں ہو رہی ناں تم سے یہ سب جو پاگل پن کا ڈرامہ ہے ناں یہ اس جاہل سوسن کو ہی دکھانا تم، وہ ہی ان سب پر یقین کر کے پریشان ہو سکتی ہے۔''

''اُفف...... ابی آپ نے کیا کر دیا؟'' وہ دل ہی دل میں ابی سے مخاطب ہوئی، اس کی ماں کو اس بات کی خبر ہو گئی تھی۔

''دفع ہو جاؤ میرے گھر سے ابھی۔'' اگلا فقرہ سننے کے بعد گڑیا کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔

''حسن کو بھی تم نے ہی میرے خلاف بھڑکایا ہو گا مجھے یقین ہے ورنہ میرا بیٹا کبھی میرے کسی حکم کو ٹالے ایسا ہو ہی نہیں سکتا، آخری دنوں میں تمہارے ساتھ ہی بات کرتا تھا وہ، نکل جاؤ ادھر سے ابھی اسی وقت۔'' وہ اب اسے گھسیٹ رہی تھیں۔

''ممی...... کیا کر رہی ہیں آپ چھوڑیں

مجھے۔'' وہ چلا رہی تھی پر افسوس کہ اس وقت اس کی ماں اور اس کے علاوہ گھر پر کوئی نہ تھا۔

''نکلو اور آئندہ اپنی منحوس شکل مت دکھانا مجھے۔'' وہ نفرت میں پاگل جنونی ہو رہی تھی۔

حسن کی موت کے لئے ان کو ذمہ دار ٹھہرایا جا رہا تھا اور اب یہ ان جیسی ہمیشہ من پسند اور چاہی جانے والی عورت کے لئے یہ سب برداشت سے باہر تھا، وہ اسے برے طریقے سے گھسیٹ رہی تھیں۔

''شرم نہیں آتی تمہیں ویسے بڑی دینی بنتی ہو، یہ عشق و معاشقی کا چکر تو بچپن سے چل رہا ہے اور تمہارا باپ کہتا ہے کہ میں نے تمہیں ذہنی مریضہ بنا دیا۔'' گڑیا نے خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا اور زمین پر گر سی گئی پر اس کی ماں رکی نہیں تھی وہ اسے اس حالت میں بھی کھینچ رہی تھی، اس کی ٹانگیں زمین سے رگڑ کھا رہی تھیں۔

''اپنی عمر دیکھو تم اور اپنے کام، ناچنے کا بہت شوق ہے تمہیں چلو جاؤ کسی کوٹھے میں ناچو رقص کرو۔'' ان کے دماغ پر نفرت اور غصہ اس قدر سوار تھا کہ انہیں پتا نہیں تھا کہ وہ کیا بولے جا رہی تھیں، اس کی ٹانگوں پر جلن کا احساس ہو رہا تھا، اس گیٹ کے پاس لا کر ناز نے اٹھایا اور پھر گیٹ کھول کر باہر کی طرف دھکا دے دیا، گڑیا جو پہلے ہی درد سے بے حال تھی، اسے لگا تھا وہ کسی اونچائی سے بہت نیچے پھینکی گئی ہو۔

''آ......آ......ہ۔''

مہربان ہاتھوں نے اسے گرتے وجود کو تھام لیا تھا، اس کے وجود نے جھٹکا کھایا اور پھر تھامنے والے کے ساتھ لگ کر خود کو بچا لیا، اس کی ماں گیٹ کو زور سے بند کر کے اندر جا چکی تھی، اچانک دل کو کسی انہونی کا احساس ہوا تھا، یہ مہک، یہ مہک تو وہ ساری دنیا میں کھو کر بھی پہچان سکتی تھی، ڈرتے ہوئے گڑیا نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا، وہ خواب یا تخیل نہیں تھا، سامنے اسے تھامے یقیناً پریشان سا عبدالباری ہی کھڑا تھا، گڑیا کے ہاتھ ڈھیلے پڑے اور ایکدم اس نے الگ ہو کر خود کو سنبھالا تھا۔

''یہ خواب ہے، یہ تصور ہے میرے اللہ میری آزمائش کو ختم کر دے۔'' وہ عبدالباری کی طرف سے رخ موڑ کر سر اٹھا کر اللہ سے مدد طلب کر رہی تھی، اتنی پریشان کن سچویشن میں بھی عبدالباری کا تصور چلا آیا تھا، اس کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے، عبدالباری حیران سا اس کی حرکات کو دیکھ رہا تھا، آخر وہ کیا کر رہی تھی؟

''گڑیا آر یو اوکے؟'' بالآخر آگے بڑھ کر وہ بولا اور گڑیا نے جھٹکے سے آنکھیں کھولیں، یہ تصور نہیں تھا، تخیل نہیں تھا۔

''سر آپ اصل میں یہاں ہیں؟'' وہ حیران سی ہو کر پوچھ رہی تھی، مٹے مٹے آنسو، گیلی آنکھیں، اجڑے بال اور کھلے ہونٹوں کے ساتھ اس سے سوال کرتی وہ عبدالباری کو بالکل بچپن والی معصوم سی گڑیا لگی تھی، عبدالباری نے اس کا ہاتھ تھام اور آگے بڑھ گیا، وہ بھی بچوں کی طرح اس کے ساتھ چل پڑی۔

☆☆☆

''گھر سے نکال دیا مجھے۔'' اپنی نگاہیں جھکائے اس نے بتایا تھا۔

''پر کیوں؟'' وہ اسے لئے گھر آیا تھا، تائی اسے دیکھ کر حیران رہ گئیں، عبدالباری نے نجانے انہیں کیا کہا کہ انہوں نے کوئی سوال نہ کیا تھا۔

''ان کی طرح خوبصورت نہ ہونے کی وجہ سے، حسن بھائی کی ڈیتھ کی وجہ سے، بابا کے ساتھ ان کا جھگڑا ہونے کی وجہ سے...... او......

اور۔'' اس کے ہونٹ پھڑ پھڑا گئے، عبد الباری اس کے جواب کا منتظر تھا۔

''اور آپ سے...... محبت کی وجہ سے۔'' نظریں ابھی بھی جھکیں ہوئی تھیں، اس کی اس بات پر عبد الباری خاموش رہا، گڑیا ابھی بھی ویسی ہی معصوم تھی، اسے بات چھپانی نہیں آتی تھی شاید اور عبد الباری سے تو بالکل بھی نہیں۔

''آپ باز نہیں آئی گڑیا، یعنی آپ نے قسم اٹھالی ہے مجھے رسوا کرنے کی۔'' عبد الباری کا ٹھنڈا لہجہ گڑیا کو کسی آری کی طرح کاٹ گیا۔

''آپ کو پتا ہے، آپ کی اس فضول حرکتوں کی وجہ سے اب میں چچا جان اور چچی جان کے سامنے سر نہیں اٹھا پاؤں گا کبھی۔'' وہ بہت دکھی لگتا تھا۔

''میں نے...... میں نے ہمیشہ آپ کو سب اچھا بتایا، کبھی کوئی فضول بات تک نہیں کی آپ سے، میرا مقصد آپ میں کانفیڈنس اور موٹیویشن پیدا کرنا تھا، میں آپ آگے بڑھتا دیکھنا چاہتا تھا اور بس۔'' عبد الباری کی ساری باتیں درست تھیں اس کی تھوڑی گردن سے جا لگی۔

''پچھلے ڈیڑھ سال سے میں نے آپ سے بات تک نہ کی اور نہ آپ سے ملا صرف اسی وجہ سے کہ آپ کا دماغ ٹھکانے پر آجائے، آپ خود کو آگے بڑھاؤ پر، آج...... آج میں چچا جان سے حسن کی ڈیتھ کا افسوس کرنے گیا تھا صرف اور مجھے کیا پتا تھا۔'' عبد الباری نے سر ہاتھوں میں تھام لیا، وہ خاموش تھی، بالکل خاموش۔

''کیا میں اتنی بری ہوں سر کہ آپ مجھ سے محبت نہیں کر سکتے؟'' انتہائی بیچارگی سے اس نے عبد الباری سے سوال کیا تھا۔

''میری جگہ اگر کوئی بہت خوبصورت لڑکی ہوتی تو شاید آپ ایسا نہ کرتے۔'' وہ دکھ سے مسکرائی، عبد الباری نے گہرا سانس خارج کیا۔

''آپ کا دعویٰ ہے کہ آپ کو مجھ سے محبت ہے؟'' عبد الباری ایکدم سوال کر بیٹھا۔

''مجھے عشق ہے آپ سے۔'' نظریں جھکا کر جواب دیا گیا۔

''عشق...... ہاہاہا۔'' عبد الباری نے چھوٹا سا قہقہہ لگایا۔

''عشق کسے کہتے ہیں معلوم ہے آپ کو؟'' عبد الباری اب بالکل سیریس تھا۔

''مجھے نہیں پتا بس اتنا پتا ہے کہ آپ کا جیتا جاگتا نام ہی میری زندگی کا ترجمان ہے۔'' وہ اتنی گہری بات کہہ گئی کہ چند پل وہ خاموش رہ گیا۔

''اپنے نفس کو...... کنٹرول میں رکھنا سیکھو گڑیا۔'' عبد الباری کے لہجے میں ایسا کچھ تھا کہ وہ سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

''اپنی نفسیاتی خواہشات کو عشق کا نام دے کر اس کی توہین مت کرو۔'' عبد الباری اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مخاطب تھا۔

''عشق پانے کا نام نہیں ہے، یہ تو محسوس کرنے کا نام ہے اپنے محبوب کو اپنے ارد گرد آس پاس۔'' گڑیا نے ہونٹ کھولے۔

''گڑیا...... عشق تو طلب کا نام ہی نہیں، نجانے آپ کے ذہن میں کیا سب چلتا رہتا ہے آپ کی عمر یہ سب سوچنے اور کرنے کی نہیں۔'' عبد الباری کا لہجہ نرم پڑا۔

''عشق تو زندگی کو وقف کر دینے کا نام ہے دوسروں کے لئے، دوسروں کے کام آنے کا نام ہے، سمجھنے کا، محسوس کرنے کا عشق تو جھک جانے کا نام ہے بس۔'' عبد الباری کا لہجہ خوابیدہ سا ہو گیا۔

''صبر کا نام ہے عشق۔''

''ریجکشن کے باوجود مسکرانے کا نام عشق۔'' وہ اسے تفصیل سے بتا رہا تھا۔

''میں ایک پاک وطن کا فوجی ہوں اب میری زندگی اور موت میرے ملک کے لئے ہے ایسے میں یہ عشق وشق میں افورڈ نہیں کر سکتا۔'' عبدالباری نے آخر میں بات تمام کی۔

''آپ کو کسی نہ کسی سے تو شادی کرنی ہے تو۔'' گڑیا نے کچھ بولنا چاہا۔

''میں نے کہا نا گڑیا، عشق طلب کا نام ہی نہیں۔'' وہ کھڑا ہو گیا۔

''اور میں جس سے بھی شادی کروں، کم از کم وہ آپ نہیں ہوں گی۔'' ایک تیز ترین آرا اس کے دل پر چلا کر وہ وہاں سے اٹھ گیا، گڑیا کا دل رک سا گیا، عبدالباری اس قدر سخت الفاظ کیسے استعمال کر سکتا تھا؟

''ریجیکشن کے باوجود مسکرانے کا نام عشق ہے۔'' گڑیا کے ہونٹ دھیمے سے مسکرا اٹھے۔

☆☆☆

''اللہ کے نام پر کچھ دے دو بی بی۔'' اس کے بڑھتے قدم رک گئے، اس نے بیگ میں ہاتھ ڈالا اور بیس روپے کا نوٹ نکال کر اس فقیر کو دے دیا، اب وہ سیدھی چل رہی تھی۔

''اللہ کے واسطے میری مدد کرو بیٹی یہ خرید لو، میرے بچے بھوکے ہیں اللہ تمہارے دل کی مراد پوری کرے۔'' اس کے چلتے قدم اب زمین پر منجمد ہو گئے تھے، وہ بوڑھا شخص اس کے سامنے سراپا التجاء بنا تھا۔

''عشق تو کسی کے کام آنے کا نام ہے۔'' تصور کی آواز پر گڑیا نے بیگ میں ہاتھ ڈالا اس کے پاس صرف سو روپیہ تھا اور اس نے آٹو سے گھر جانا تھا، کچھ سوچ کر اس نے وہ پیسے بابا جی کو دے دیے اور آگے بڑھ گئی۔

''بیٹا یہ تو لیتی جاؤ۔'' بابا جی نے اسے پکارا۔

''ایسے ہی رکھ لیں۔'' وہ مڑے بغیر بولی تھی۔

''بیٹا میں محنت پر یقین رکھتا ہوا خیرات نہیں لیتا اگر نہیں لینا تو پیسے واپس لیتی جاؤ۔'' اس ضعیف انسان میں کتنا ظرف تھا، وہ جھٹکے سے مڑی تھی، وہ کولڈ ڈرنک کا ٹن اس کی طرف بڑھائے ہوئے تھا۔

''کیا محنت کرنے سے سب مل جاتا ہے بابا جی؟'' وہ اس کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھ کر سوال کر بیٹھی۔

''ہاں سب مل جاتا ہے، محنت سے برکت بھی آتی ہے، مانگنے سے عزت، عزت نہیں رہتی، محنت سے کچھ وقت ضرور لگ جاتا ہے پر اللہ اس کا پھل ضرور دیتا ہے۔'' سڑک پر بیٹھے اس بابا جی یقین اور توکل کس بلندیوں پر تھا، اس کا اندازہ اس کی باتوں سے لگایا جا سکتا تھا، گڑیا نے وہ ٹن تھام لیا۔

''لوگ مجھ سے نہیں خریدتے بیٹی ان کا خیال ہے کہ شاید میرے پاس نمبر دو مال ہے؟'' بابا جی کی بات پر نور کا دل دکھا تھا اور پھر اس نے وہاں کھڑے ہو کر دو گھنٹوں میں تقریباً وہ سارے ٹن پیک سیل کر دیے، بابا جی چل نہیں سکتے تھے، اس لئے ایک جگہ بیٹھنے سے بھی سیل کرنے میں مسئلہ ہوتا تھا۔

''میں روز یہاں آیا کروں گی آپ کی مدد کرنے آپ میرے لئے دعا کرنا میری دلی مراد پوری ہو جائے، آپ کریں گے ناں دعا؟'' انہیں پیسے اور تھیلا واپس تھماتے ہوئے اس نے پوچھا تھا۔

''تیری آنکھوں میں جلتی قندیلیں کبھی نہ

بجھیں گی انشاء اللہ، تیرا عشق تجھے قلندری کی منزل تک لے جائے گا آمین۔'' ان کی بات پر گڑیا دھک سے رہ گئی۔

''کمال ہے میرے اندر بسا عشق، ساری دنیا کو یہ عشق نظر آتا ہے، سوائے ان کے۔'' وہ مسکرا کر آگے بڑھ گئی اب اسے پیدل چل کر ابی کے گھر تک جانا تھا کیونکہ اس رات وہ تایا جان کے ساتھ اپنے گھر جانے کی بجائے ابی کی طرف ہی آ گئی تھی، ابی کو اس نے کچھ نہ بتایا تھا کہ گھر میں کیا ہوا۔

یوں بھی اب ان سب باتوں کا کوئی فائدہ نہ تھا، عبدالباری خود تو واپس جا چکا تھا پر جاتے جاتے گڑیا کو صبر، برداشت، مسکرانا، اور مدد کرنا ضرور سکھا گیا تھا، وہ اب بھی اس کے تصور میں اترتا تھا، اس کے تخیل کے دریچوں میں جھانکتا تھا، اس کا نام سن کر اب اس کی نظریں جھک جایا کرتیں تھیں، عشق ادب کے مقام تک جا رہا تھا اور ادب عشق کا دوسرا نام ہی تو ہے اور محنت شاید تیسرا؟

☆☆☆

''بابا...... بابا۔'' وہ دوڑی دوڑی کمرے میں آئی تھی، بیڈ پر اس کا باپ لیٹا تھا جو بہت کمزور دکھتا تھا۔

''بابا...... آ......آپ نے مجھے بتایا کیوں نہیں مجھے ابھی ابی نے بتایا کہ آپ کو ہارٹ اٹیک ہوا۔'' اپنے باپ کے سرہانے بیٹھ کر وہ رونے لگی، الیاس احمد نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

''کیا بتاتا تمہیں؟ میں تو خود شرمندہ ہوں تم سے اس دن ہماری لڑائی کا بدلہ اس نے تم سے لیا، گھر سے نکال دیا تمہیں، گھر آنے پر چوکیدار نے مجھے سب بتایا، میں وقاس بھائی کی طرف گیا تو پتا چلا تم سوسن کی طرف جا چکی ہو، ایک بیٹا اپنی لاعلمیوں کی وجہ سے کھو چکا ہوں میں، اب اور حوصلہ نہیں مجھ میں۔'' بابا ایکدم رو پڑے تھے۔

''ایک ہی بیٹا تھا میرا، بیٹیاں تو اپنے گھروں کی ہو جاتیں ہیں، بیٹوں سے نسل بڑھتی ہے، میرے بعد میرا نام لینے والا چلا گیا اور تمہارے ساتھ ناز کا سلوک، بس یہی وجہ بنی میرے مرض کی۔'' گڑیا نے انہیں چپ کروا کر پانی پلایا۔

''میری فکر مت کریں میں ٹھیک ہوں، ممی سے ناراض نہیں ہوں مجھے عادت ہو چکی ہے ان کے رویے کی پر بابا، انہوں نے سر کے بارے میں جو بولا، اللہ کی قسم سر کی سوچ بالکل پاک ہے، انہوں نے کبھی ایسا کچھ سوچا بھی نہیں یہ سب تو میری، میری طرف سے۔'' ان کے کندھے پر سر رکھے وہ رو پڑی۔

''میں جانتا ہوں میری بچی، حسن سے بھی بڑھ کر وہ عزیز ہے مجھے، میں بھائی صاحب سے خود بات کروں گا۔'' بابا کی بات پر گڑیا نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔

''کیسی بات؟''

''آپ کے اور عبدالباری کے متعلق۔'' بابا نے مسکرانے کی کوشش کی۔

''نہیں ہرگز، ہرگز نہیں، آپ ایسا کچھ نہیں کہیں گے۔'' وہ تیزی سے نفی میں سر کو گھما رہی تھی۔

''پر بیٹا اس میں حرج ہی کیا ہے؟'' بابا شاید اس کی محبت میں سب کہہ رہے تھے۔

''نہیں بابا پلیز، سر کی عزت مجھے اپنی جان سے پیاری ہے اور وہ ایسا کچھ نہیں چاہتے پلیز آپ سب بھول جائیں اگر مجھے کچھ ملنا ہوا تو میری محنت کے بل بوتے پر ملے گا۔'' اس کی بات بابا کی سمجھ میں تو نہ آئی تھی پر وہ خاموش ضرور

ہو گئے تھے، پھر وہ وہیں رک گئی، ممی سے اس کا سامنا ضرور ہوا پر انہوں نے کوئی ری ایکشن نہ دیا تھا، شاید بابا کی طبیعت کا لحاظ تھا، خیر بابا کی طبیعت جب تک نہ سنبھلتی اسے اب یہیں رہنا تھا اس لئے اس نے کسی بات پر غور نہ کیا اور اپنے کمرے میں چلی آئی۔

☆☆☆

''بابا ہم ایک بڑا سا ٹرسٹ بھی کھولیں گے، غریب بچوں کے لئے ٹھیک ناں؟ پھر ہم دونوں مل کر اسے چلائیں گے۔'' دونوں آنکھوں کو گول گول گھما کر ان سے کہتی وہ انہیں اس قدر کیوٹ لگی تھی کہ انہوں نے اس کی پیشانی چوم لی۔

''ٹھیک ہے۔'' وہ رضا مند تھے۔

''سیلری بہت زیادہ نہیں دوں گی میں آپ کو۔'' ان پر رعب جھاڑ کر وہ بولی اور پھر وہ دونوں کھلکھلا کر ہنسنے لگے، آج بابا کی طبیعت اچانک سے بگڑ گئی تھی، ابھی ابھی وہ ہاسپٹل سے بلڈ لگوا کر آئے تھے، خون کی بہت کمی ہو گئی تھی انہیں، حسن کی موت کا دکھ انہیں اندر ہی اندر کاٹ کر دل کا مریض بنا چکا تھا، اب وہ بابا کا دل بہلانے ان کے ساتھ باتوں میں مصروف تھی، پھر جب وہ تھک کر نیند کی آغوش میں چلے گئے تو وہ وہاں سے اٹھ آئی، اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اگلی صبح یہ آخری محافظ بھی اس کے سر سے اٹھ جائے گا۔

اس کی ماں کی دلدوز چیخوں کا بھی اس پر کوئی اثر نہ ہوا، وہ تو بس لاؤنج کے بیچوں بیچ میں پڑے اپنے پیارے بابا کے خاموش چہرے کو دیکھ رہی تھی، جو آنکھیں موندے سکون سے پڑے تھے۔

''رات کو تو مجھ سے باتیں کیں بابا نے پھر، پھر کیسے؟'' اس کا دل اس حقیقت کو تسلیم نہ کر پا رہا تھا کہ صبح اس کا باپ ابدی نیند سو چکا تھا، ناز اس بار خوب رو رہی تھیں، چیخ چیخ کر پر اب رونے کا کیا فائدہ؟ اب الیاس احمد اٹھ نہیں سکتا تھا، زندگی میں ہم انہیں رلاتے ہیں اور ان کے جانے کے بعد ہم رو رو کر سر پر آسمان اٹھا لیتے ہیں، تایا جان بھی چھوٹے بھائی کی موت پر آبدیدہ تھے، اپی نے اسے رلانے کی بہت کوشش کی پر وہ ایک ہی جگہ پر نظریں ٹکائے بت بنی بیٹھی تھی۔

''اللہ اکبر'' کی صدا کے ساتھ جب ان کا جنازہ اٹھنے لگا تو وہ ایکدم کانوں پر ہاتھ رکھ کر وہاں سے بھاگ کر باہر آ گئی، وہ باہر آ کر لان میں بنی سیڑھیوں پر بیٹھ گئی، اپنے چہروں پر اگر پردہ ڈالا جا سکتا تو وہ خود کو چھپا لیتی، اپنے چہرے کو گھٹنوں میں چھپا کر وہ گہرے گہرے سانس لینے لگی، اس کا وجود کپکپا رہا تھا، پورے وجود پر کپکپی طاری تھی، آنسوؤں کا گولا سا حلق میں اٹکا تھا پر دل شاید پتھرا چکا تھا، اس کی کپکپاہٹ میں اضافہ ہوا۔

''گڑیا!'' جب ایک مہربان ہاتھ اس کے سر پر آ ٹھہرا تھا، اس کا وجود اب ساکت تھا، پر سر اس نے نہ اٹھایا تھا۔

''گڑیا!'' عبدالباری کے ہاتھ کا دباؤ سر پر بڑھا تھا اور ایکدم وہ سر اٹھا کر عبدالباری کا ہاتھ تھام کر رو پڑی، اس کے ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں تھامے اس پر اپنا ماتھا ٹکائے وہ بری طرح سے رو رہی تھی، وہ ہمیشہ اس شخص کے سامنے ٹوٹ جاتی تھی، پگھل جاتی تھی، بکھر جاتی تھی، بہت سارا رو لینے کے بعد بھی آنسو تھے کہ نکلے جا رہے تھے۔

''عشق میں تو چھونا بھی گناہ تصور کیا جاتا ہے۔'' اس حال میں بھی وہ سرگوشی اس کے

کانوں میں گونجی اور عبدالباری کے ہاتھ پر اس کی گرفت کمزور پڑتے پڑتے ختم ہوگئی، عبدالباری نے اس کی یہ حرکت نوٹ کی تھی، اب وہ اپنا چہرہ صاف کر رہی تھی، عبدالباری اس کے ساتھ ہی سیڑھی پر بیٹھ گیا، گڑیا نے گردن موڑ کر دیکھا، وہ فل یونیفارم میں تھا، یعنی وہ سیدھا ڈیوٹی سے یہاں آرہا تھا، تائی نے تو بتایا تھا کہ وہ بہت دور کہیں ڈیوٹی پر ہوتا ہے آج کل، نجانے کن دقتوں سے وہ آیا ہوگا۔

''بابا سے پیار بھی تو بہت تھا سر کو، بابا بھی بہت پیار کرتے تھے آپ سے۔'' وہ دل ہی دل میں اس سے مخاطب تھی، جھکی ہوئی نظریں اور زرد چہرے کے ساتھ وہ وہاں پر بیٹھی ضرور تھی پر دماغی طور پر حاضر نہ تھی شاید، ایک عجیب سی خاموشی دونوں کے درمیان حائل ہوگئی تھی، کیسی عجیب بات تھی، زندگی میں کیسا موڑ آگیا تھا کہ دل کے سب سے قریبی شخص سے بھی بات کرتے ہوئے اسے جھجک محسوس ہو رہی تھی۔

''زندگی میں آنا اور جانا لگا رہتا ہے، جانے والوں کا نعم البدل تو کوئی نہیں ہوسکتا پر ہمیں ان جانے والوں کے لئے رونے کے ساتھ دعا بھی کرنی چاہیے۔'' عبدالباری نے ہی بات کا آغاز کیا تھا۔

''چچا جان کے لئے ڈھیر ساری دعا کرو، آپ کے آنسو انہیں تکلیف پہنچائیں گے پر آپ کی دعا انہیں سکون دے گی ان کی قبر کو روشن کردی گی۔'' اس کے پاس بے چین دلوں کو قرار دینے والے الفاظ نجانے کہاں سے آتے تھے؟

''وہ...... وہ میرا آخری سہارا تھے، ان کے بعد، میں...... میں کس کے لئے جیوں؟'' گڑیا کے لب ہلے۔

''سہارا تو اللہ پاک ہیں سب کا، وہ ہمیں پہلے محبت دے کر اور پھر اسے لے کر آزماتا ہے، آخر میں اس کے سوا کون ہے ہمارا؟'' عبدالباری سامنے گیٹ کی طرف دیکھ رہا تھا اور گڑیا اس کے ہاتھوں کو عشق نے جب سے ادب کرنا سکھایا تھا، اس کے چہرے کو دیکھنا گویا بے ادبی لگتی تھی اسے۔

''ہاں اللہ پاک وہی میرا سہارا ہیں بس، اور مجھے ضرور عطا کریں گے، یہ سب میری آزمائشیں ہی تو ہیں بس۔'' اپنے آنسوؤں کو بے دردی سے رگڑتی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اللہ ہی تو ہے میرا، بس اللہ۔'' وہ آگے بڑھتی جاتی، آنسو صاف کرتی جاتی اور یہ کہتی جاتی تھی، عبدالباری نے بہت غور سے اسے دیکھا تھا، وہ بہت بدلتی جا رہی تھی، ڈر اور خوف سے آگے، اس کی چال میں اعتماد تھا، ٹوٹا ہوا اعتماد جسے جوڑنے کا عزم اس کی چال سے جھلک رہا تھا۔

☆☆☆

''میں تمہارے پیسے ہرگز نہیں لوں گا۔'' حمزہ نے وہ انویلپ اس کی طرف پھینکا، وہ جانتی تھی اس میں بہت سلیف رسپیکٹ تھی، اچھی جاب کے لئے وہ اسٹڈی آگے جاری رکھنا چاہتا تھا، پر جس کالج میں ایڈمیشن کا وہ خواہاں تھا وہاں کی فیس بہت زیادہ تھی، گڑیا اپنی جمع پونجی جو پاکٹ منی کی صورت اس کے پاس موجود تھی اٹھا لائی، پر حمزہ اس بات پر راضی نہ تھا۔

''تو چھڈ اینوں۔'' (تم چھوڑو اسے) روٹیاں بناتی ابی نے اسے کہا تھا، گڑیا کی گریجویشن کا دوسرا سال چل رہا تھا، اس نے شام کے وقت اکیڈمی جوائن کر لی، وہ شام کو وہاں پڑھانے لگی، کالج کے بعد وہ پتا نہیں کہاں کہاں پھرتی رہتی تھی، ابی اکثر پوچھتیں تو وہ ٹال جاتی، اس طرح کے سوالوں کا سامنا صرف ابی کے گھر

میں ہوتا تھا ورنہ جب وہ اپنے گھر جاتی تو کوئی پوچھنے والا نہ تھا، عاشی کی اسٹڈی کمپلیٹ ہوچکی تھی اب وہ ہاسپٹل میں جاب کرتی تھی سو گھر سے ہی آتی جاتی تھی، ممی بابا کی ڈیتھ کے بعد چپ سی ہوگئیں تھیں، اکثر گڑیا کو وہ نماز پڑھتیں نظر آتی تھیں۔

پہلے بیٹے اور اب شوہر کی ڈیتھ کے بعد شاید ان کا غرور ٹوٹ چکا تھا، زندگی کسی کے جانے سے کہاں رکتی ہے، حسن کے جانے سے نہ کچھ ہوا تھا اور نہ ہی الیاس احمد کے جانے سے زندگی میں فل اسٹاپ لگا تھا، بلکہ زندگی تو ہر لمحے کے بعد ''کوماز'' لگا کر آگے بڑھتی جاتی تھی۔

☆☆☆

موہے اپنے ہی رنگ میں رنگ لے نجام
موہے اپنے ہی رنگ میں رنگ لے نجام

سازندوں کے سازوں میں اس کا پورا وجود وجد جھوم رہا تھا، ہر اک تال اس کے دل کی دھڑکن کو اور زور سے دھڑکا دیتی، دونوں پیروں کو زمین پر مار مار کر وہ پورے جوش سے ہوش و حواس کھوئے جھوم رہی تھی۔

رنگ کی رنگائی جو تو مانگے
مورا جوبن گروی رکھ لے نجام

اپنے سر کو گردن کی طرف ڈھلکا کر بازوؤں کو اوپر کی طرف اٹھا کر اس کے رقص نے تیزی پکڑی تھی۔

جوگنیاں کا بھیس بنا کے
پی کو ڈھونڈن جاؤں گی
تن من ان پہ واروں گی
سجن جوگنیاں کہلاؤں گی

آنکھیں موندیں سر کو آسمان کی طرف بلند کرکے، ہر ایک چیز سے بے خبر، وجد کے عالم میں وہ واقعی ایک ''جوگنیاں'' کا روپ لگتی تھی۔

موے اپنے ہی رنگ میں رنگ لے نجام

تیزی سے جھومتا اس کا وجود اپنے کھلے گھیر دار لباس میں ایک درویش کا وجود لگتا تھا، دل کی ہر دھڑکن بہت تیزی سے دھڑک رہی تھی، سانس دھونکنی کی طرح تیز چل رہی تھی، پر وجود رکنے سے انکاری تھا، سانس اور تیز ہوئی یوں لگتا تھا جھوم جھوم کر وجود ہوا میں تحلیل ہو جائے گا، سانس لینا دشوار ہو رہا تھا، بہت دشوار ''اللہ'' سانسوں نے اس خوبصورت لفظ کو پیاسے ہونٹوں سے نکالا تھا اور اس کی آنکھ کھل گئی۔

اس نے اردگرد نگاہ دوڑائی، وہ اپنے کمرے میں موجود تھی ''اللہ'' وہ اٹھ کر بیٹھ گئی ہونٹ بہت پیاسے تھے، سائیڈ ٹیبل سے پانی کا گلاس اٹھا کر اس نے اپنے حواس کو قابو میں کرنے کی کوشش کی، پیشانی پر ٹھنڈے پسینے کے قطرے نمودار تھے۔

''آہ...... یہ خواب تھا۔'' سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام کر وہ بیڈ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی، اسے یوں محسوس ہو رہا تھا گویا وہ حقیقت میں اس کیفیت سے گزری ہو، سر ابھی بھی جھوم رہا تھا۔

''سر تو ٹھیک ہیں ناں۔'' دل بے چین سا ہو گیا، آج بہت عرصے بعد اس پر یہ کیفیت طاری ہوئی تھی اور پھر وضو کر کے وہ اللہ کے حضور جھک گئی، اسے اب اللہ کے سامنے گڑگڑا کر اس کی سلامتی کی دعائیں مانگنی تھیں۔

''ہر دم خیال یار......''
کرے غافل! کرے کافر!

☆☆☆

''ماسٹرز کیا ہوا ہے ثناء نے، بہت خوبصورت ہے ماشاء اللہ۔'' تائی نے چائے کا کپ پکڑتے ہوئے کہا تھا۔

''اور عبد الباری کے ساتھ تو خوب جچے

گی۔'' تایا جان کو چائے پکڑاتا اس کا ہاتھ ایک لمحے کو کپکپایا اور پھر وہ کپ زمین بوس ہو گیا۔
''آرام سے بیٹا۔'' تایا جان بولے تھے، تائی ذرا کی ذرا دیکھ کر واپس باتوں میں مشغول ہو چکیں تھیں، گڑیا جھک کر ٹوٹے ہوئے کانچ اکٹھے کرنے لگی۔
''اس ماہ کی پندرہ تاریخ کو نکاح ہے انشاء اللہ رخصتی اگلے سال کریں گے، عبد الباری کی پروموشن کے امکانات ہیں اس کے بعد۔'' اس کے ہاتھ پر کانچ کا ٹکڑا لگا تھا۔
''سی۔'' لبوں سے سسکی سی نکلی۔
''تم چھوڑ دو جاؤ رضوانہ کو بھیجو۔'' ممی نے اسے مخاطب کر کے کہا تو، وہ کھڑی ہو گئی۔
''عبد الباری تو مانتا نہیں کہتا ہے شادی نہیں کرنی بڑی مشکلوں سے منایا ہے، جلدی جلدی میں سب اس لئے کیا کہ ثناء کے والد کو واپس سعودیہ جانا ہے۔'' تائی جان کی بات وہاں سے نکلتے اس کے کانوں میں پڑی تھی، وہاں سے تو وہ چپ چاپ آ گئی پر کمرے میں آ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔
''یہ سب اک نہ اک دن تو ہونا ہی تھا۔'' دل نے دہائی دی۔
''تم طلب کی منزل کو بہت پیچھے چھوڑ آئی ہو پھر یہ آنسو؟'' دماغ نے ڈپٹا۔
''صبر کرنا، عشق ہے۔'' اس دلکش آواز کی سرگوشی پر، آنکھوں کے موتی ٹوٹ کر گرے اور روتے لب، خاموش ہو گئے۔

☆☆☆

ہر جگہ روشنیاں پھوٹ رہیں تھیں، برقی قمقموں سے پورا ہال جگمگا رہا تھا، انٹرنس کو خوبصورت گلابوں سے سجایا گیا تھا، وہ ہاتھ میں پکڑے گلابوں کے بکے کو لئے اپنے کھلے گھیر دار فراک کو سنبھالتی پورے اعتماد کے ساتھ آگے بڑھی تھی، آج وہ بہت دل سے تیار ہو کر آئی تھی، سرخ رنگ کا فراک کانوں میں بڑے بڑے جھمکے پہنے اور بالوں کو کھلا چھوڑے یقیناً آج وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی، وہ زندگی میں پہلی بار اس طرح تیار ہوئی تھی، موقع بھی تو بہت اہم تھا۔
''آج اس کے محبوب کا نکاح تھا۔''
''نور اس طرف آ جاؤ۔'' ممی کے ساتھ چلتی عاشی نے اسے پکارا تھا، مگر اس نے ان سنی کر دی، اس کی نظریں جس چہرے کو تلاش رہیں تھیں وہ اسے بالآخر اسٹیج پر کھڑا نظر آ گیا تھا، بلیک تھری پیس میں ملبوس وہ بہت خوبصورت لگ رہا تھا، وہ کسی سے باتوں میں مصروف تھا، اس کے عین پیچھے صوفے پر خوبصورت سی دلہن بیٹھی تھی، اس کے ارد گرد کچھ لڑکیاں تھیں، یعنی نکاح ہو چکا تھا اور وہ لیٹ ہو گئے تھے گڑیا کی پیاسی نظروں نے عبد الباری کے اک اک نقش کو چھوا تھا، تبھی شاید نظروں کا ارتکاز محسوس کر کے عبد الباری نے سر اٹھا کر دیکھا اور سیدھی نظر گڑیا پر جا پڑی، اسے دیکھ کر وہ حیران ہوا تھا شاید، اس کے آنے کی توقع نہیں تھی اسے شاید، گڑیا نے فوراً نظریں جھکا کر اس کی طرف قدم بڑھا دیے۔
''السلام علیکم!'' اس کے پورے وجود نے عبد الباری پر سلامتی بھیجی تھی۔
''کیسے ہیں آپ سر؟'' اپنے ہونٹوں پر دلکش مسکراہٹ سجا کر وہ بولی تھی۔
''میں ٹھیک ہوں۔'' نجانے کیوں اسے عبد الباری کے چہرے پر ذرا بھی خوشی محسوس نہ ہوئی تھی۔
''یہ آپ کے لئے، بہت بہت مبارک ہو آپ کو۔'' اس نے وہ گلدستہ عبد الباری کی طرف بڑھایا۔

''جھینکس۔'' آج تو وہ حیران کرنے پر تلی تھی، آج وہ ایک بدلی ہوئی سمجھدار لڑکی لگ رہی تھی، پیاری سی۔

''آپ ٹھیک ہو گڑیا؟'' بہت دیر بعد عبد الباری نے سوال کیا تھا۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں بہت بہت خو...... خوش۔'' آنکھیں تیزی سے نمکین پانیوں سے بھریں تھیں، اس نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا کر خود پر ضبط کیا تھا، ورنہ دل تو سینے میں چیخ رہا تھا، چلا رہا تھا، دھاڑیں مار رہا تھا۔

''بہت پیاری ہے ماشاء اللہ۔'' وہ مسکرائی۔

''آپ کی...... وائف۔'' عبد الباری کے نا سمجھی سے دیکھنے پر وہ بولی تھی۔

''اللہ پاک آپ دونوں کی جوڑی سلامت رکھیں۔'' اس کی آنکھوں کی وہ نمی، جسے وہ لاکھ ضبط کرتی، چھپائی تھی پر عبد الباری دیکھ چکا تھا، وہ عبد الباری کے سامنے ہرگز ٹوٹنا نہیں چاہتی تھی اس لئے سر جھکا گئی۔

''آپ اپنی وائف کے پاس بیٹھیں، شی از ویٹنگ فار یو میں چلتی ہوں۔'' بھیگی آنکھوں سے مسکرا کر کہتی وہ وہاں سے آگے بڑھ گئی رکی نہیں تھی نہ اس نے دیکھا کہ پیچھے کھڑا عبد الباری پتھر کا ہو چکا تھا۔

☆☆☆

''کیا عبد الباری کو اس کی آنکھوں میں اپنے لئے عشق کا سمندر نظر نہیں آتا تھا؟'' علی عمر نے حیرانی سے سامنے بیٹھی ہستی سے پوچھا تھا، اس دن عزہ کے ساتھ دماغ کھپا کر وہ ہاسپٹل کے لئے نکلا جب راستے میں اس کی گاڑی کی ٹکر ہو گئی اور جس کے ساتھ اس کی گاڑی ٹکرائی تھی، وہ اس کی کولیگ ڈاکٹر عاشی الیاس احمد تھیں جو ماضی میں اس کی سینئر بھی وہ چکیں تھیں، عاشی سے معذرت کر کے وہ اس کو چھوڑنے گھر تک آیا تھا کہ اس کی گاڑی مسئلہ کر رہی تھی، عاشی نے اسے اندر آنے کی دعوت دی اور نجانے کیوں وہ بھی اندر آ گیا، شاید قسمت اسے یہاں کھینچ لائی تھی، اسے یہاں آنا ہی تھا، اس کے اندر مچلتی بے چینی کا سامان یہاں موجود تھا۔

''یہ...... یہ کون؟'' دیوار پر لگی تصویروں میں سے ایک تصویر کو دیکھ کر وہ بری طرح چونکا تھا اور سوال کر بیٹھا۔

''یہ میری چھوٹی بہن نور فاطمہ۔'' عاشی نے اسے بتایا اور پھر اس کے اندر موجود سوالوں کا سمندر باہر آنے کو بے تاب ہوا تھا، علی عمر نے کچھ دیر سوچا اور پھر اپنی ساری الجھنیں عاشی کے سامنے کھول دیں، نور فاطمہ سے متعلق ہر ایک بات جو اسے پریشان کر رہی تھی اتنے دنوں سے، عاشی نے اس کی باتوں کو تحمل سے سنا اور پھر اسے اپنی ماں کے پاس لے گئی اور اب فرخندہ ناز اسے نور فاطمہ کی کہانی سنا رہی تھیں۔

''کیا عبد الباری کو اس کی آنکھوں میں عشق کا سمندر نظر نہیں آتا تھا؟'' علی عمر کی آنکھوں میں حیرانی کے ساتھ نمی بھی تھی، ہر ایک بات پر اس کی آنکھیں بھیگیں تھیں۔

''پتا نہیں شاید وہ جان بوجھ کر اس عشق سے نظریں چراتا تھا، شاید اسی میں اس کی بھلائی تھی اور سب سے بڑھ کر اس کی گڑیا کی۔'' ناز کی آنکھیں بھیگیں ہوئیں تھیں۔

''لیکن مجھے ایک بات سمجھ نہیں آئی آنٹی؟'' علی عمر نے سوال کیا۔

''جیسا کہ آپ نے مجھے سب بتایا، آپ کا رویہ نور فاطمہ کے ساتھ بچپن سے ہی انتہائی کھردرا رہا اور ہمیشہ ایک فاصلے پر، پھر...... پھر آپ اس کے بارے میں...... آئی مین آپ کو یہ

سب کیسے پتا؟'' علی عمر ایک اہم پوائنٹ پر آ کر رکا تھا۔

''تم نے بہت اچھا سوال کیا بیٹا، تمہاری بات میں دم ہے۔'' وہ اس کی بات پر ڈھیرے سے مسکرائی تھی۔

''میں ایسی بدقسمت عورت ہوں، میری نادانی کی وجہ سے میرا بیٹا اس دنیا سے منہ موڑ گیا، میرا شوہر چلا گیا اور وہ...... جسے میں نے اپنی اولاد ماننے سے ہی انکار کر دیا تھا، ہمیشہ میری نفرتوں کا نشانہ بنی رہنے والی وہ میری بیٹی، مجھے تو اس کے ایک پل کی بھی خبر نہ تھی، میں نے کبھی اس میں دلچسپی لی ہی نہیں تھی، یہ سب جو تمہیں میں نے بتایا ہے ناں یہ سب مجھے اس کی پالنے والی ماں نے بتایا تھا، اس کی ابی نے جو شاید اس کی حقیقی ماں سے بڑھ کر ہے اس کے لئے، بہت بعد میں یہ سب باتیں مجھے پتا چلیں جب وقت گزر چکا تھا۔'' وہ کہیں کھو گئیں تھیں۔

''آپ نے بتایا کہ عبدالباری کا نکاح ہو گیا تھا، پھر شادی بھی ہو گئی ہو گی یقیناً تو گڑیا، آئی مین نور فاطمہ، اس نے شادی کیوں نہیں کی ابھی تک؟'' علی عمر کے دل بے چین نے ایک اور سوال کیا تھا، کہانی ابھی پوری نہیں ہوئی تھی اور یہ بات علی عمر کو مزید بے چین کر رہی تھی۔

''عشق کے بعد کسی اور کی طلب ہی کہاں رہتی ہے شاید؟'' سامنے بیٹھی وہ عورت ہرگز ویسی نہیں دکھتی تھی جیسی کہ اس کہانی کے شروع میں تھی، کیا اس نے تب کوئی خول چڑھا رکھا تھا یا اب؟ اس کا اصل روپ آخر کیا تھا اور اگر اب وہ ایسی ہو گئی تھی تو کیا وجہ تھی؟ اس عشق کی داستان کا انجام آخر کیا ہوا تھا؟ اور وہ درویش لڑکی آج بھی عشق میں سرمست تھی، علی عمر کارواں دواں آگے کی داستان کا منتظر تھا۔

''عبدالباری کیا اب آپ لوگوں سے رابطے میں نہیں ہے؟'' علی عمر کے سوال کے جواب میں جو اسے سننے کو ملا تھا، وہ اس پوری داستان عشق کا سب سے اہم پوائنٹ تھا، اسے سن کر ایسا لگا جیسے اس کے وجود میں جان نہ رہی ہو، سامنے بیٹھی وہ عورت آخر کہہ کیا رہی تھی۔

☆☆☆

نکاح کے دو دن بعد تک وہ شدید بخار میں مبتلا رہی تھی، وہ اتنی کمزور ہرگز نہ تھی پر نجانے کیوں حقیقت کو تسلیم کرنے میں اسے درد کا سامنا تھا، دو دن شدید بخار میں مبتلا رہنے کے بعد وہ بالآخر تیسرے دن اٹھ کھڑی ہوئی، اس کے قدم اسے جہاں لے گئے وہ چلی آئی اور جب نظروں کے سامنے درگاہ کی چوکھٹ پائی تو آنکھیں پھر سے بھیگ اٹھی تھیں، اس نے حسرت بھری نگاہوں سے چوکھٹ کے پاس بیٹھے بابا جی کو دیکھا تھا جو جوتے اکھٹے کر کے سنبھال رہے تھے۔

''کیا میں یہ جوتے اٹھانے میں مدد کر دوں آپ کے ساتھ؟'' وہ ان کے سر پر کھڑی اب کہہ رہی تھی، اس بزرگ نے انتہائی حیرت سے اس نادان اور دیوانی لڑکی کو دیکھا تھا، بکھرے بال، روئی روئی آنکھیں۔

''پر...... پتر۔'' انہوں نے کچھ کہنا چاہا۔

''پلیز...... میرے بے قرار دل کو سکون ملے گا، آپ کو اللہ کا واسطہ۔'' اس کے لہجے میں ایسا کرب تھا، ٹوٹے ہوئے کانچ سے تھے کہ وہ مزید کچھ کہے بغیر اسے اجازت دے گئے اور پھر بہت دیر تک وہ انتہائی محبت سے یہ کام کرتی رہی تھی، جب ساتھ ملحقہ مسجد کے امام صاحب کے آنے کا وقت ہوا وہ وہاں سے چلی آئی، اس کے بے قرار دل کو واقعی قرار ملا تھا۔

"بے شک تو ہی تو ہے جو دلوں کو سکون دینے والا ہے۔" گھر آ کر جائے نماز پر کھڑے ہو کر اس کے دل نے اقرار کیا تھا۔

"سبحان ربی الاعلیٰ۔" اس کا وجود سجدے میں جھک گیا۔

"پاک ہے میرا پروردگار سب سے اعلیٰ۔"

☆☆☆

زمین پر زوروں سے پڑتے بارش کے قطرے بہت بھلے معلوم ہوتے تھے، ہر طرف بارش کی سوندھی خوشبو پھیلی ہوئی تھی اور اس پر بارش برسنے کی دلکش آواز وہ اپنی ہتھیلیوں کو کھول کر بانہیں وا کیے آسمان کی طرف منہ کر کے بارش میں بھیگ رہی تھی، وہ گول گول گھوم کر آہستہ سے بارش کے قطرے اپنے چہرے پر جمع کرتی اور پھر ایک جھٹکے سے سر کو دائیں بائیں ہلا کر سارا پانی گرا دیتی، اس حرکت کے بعد وہ کھلکھلا کر ہنستی تھی، اسے اس سب میں بہت مزا آ رہا تھا۔

تھامے دل شام کی بانہیں
دن رنگ دے رنگ دے شامیں
ہر پہر رنگیں رنگین رنگریزہ

بارش کی چادر کے اس پار اس نے اپنے محبوب کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا تھا، اس کے بھیگے ہونٹ مسکرا اٹھے، شاید نہیں یقیناً وہ عبد الباری ہی تھا، وہ آہستہ آہستہ اس کی طرف قدم بڑھا رہا تھا، بارش نے اس کے پورے وجود کو بھیگا دیا تھا۔

بس رنگ اب مجھ کو رنگ دے
میرا آنچل دامن رنگ دے
موہے خود سا کر دے مورے رنگریزہ
رنگ رنگریزہ رنگ ریزہ

اس کے لب دھیرے دھیرے گنگنا رہے تھے، بارش اس کی آنکھیں پانیوں سے بھر دیتی تھی اور وہ بار بار اپنی آنکھوں کو صاف کرتی جاتی تھی، برسوں کے انتظار کے بعد تو وہ اس کی طرف بڑھا رہا تھا اور یہ بارش؟ اب وہ اس کے بالکل قریب پہنچ چکا تھا، اتنا قریب کہ وہ ہاتھ بڑھا کر اسے چھو سکتی تھی، نصرت فتح علی خان کی کافی اس کے لبوں پر مچل رہی تھی۔

موہے اپنے ہی رنگ میں رنگ لے نجام

اس نے دھیرے سے آنکھیں بند کر لیں، وہ اس منظر کو شاید آنکھوں میں محفوظ کر لینا چاہتی تھی ہمیشہ کے لئے اور جب آنکھیں کھولیں تو اس کی آنکھوں نے دل دہلا دینے والا عجیب منظر دیکھا تھا، ایسا منظر جسے دیکھ کر اس کی جان حلق میں آ گئی، اس کے سامنے ایک تابوت پڑا تھا، جس میں عبدالباری کا وجود تھا، چیخ حلق میں پھنس گئی، آنکھیں ابل کر باہر آ گئیں تھیں گویا اور دل نے دھڑکنے سے انکار کر دیا۔

"نہیں۔" ایک دردناک چیخ کے ساتھ وہ اٹھ بیٹھی، دھڑکن اس قدر تیز چل رہی تھی گویا دل ابھی باہر آ جائے گا، دھڑکنوں کو قابو میں آنے میں بہت وقت لگا تھا، اردگرد اندھیرا تھا۔

"یا میرے اللہ یہ...... یہ۔" اس خوفناک اور قیامت خیز خواب کو سوچ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

"نہیں میرے اللہ، یہ...... نہیں...... ایسی آزمائش نہیں میرے اللہ، میرا دل پھٹا جا رہا ہے، ہائے...... میں کیا کروں؟" دل مسلسل دھڑک رہا تھا، درد ناقابل برداشت ہو گیا تو اس نے زور زور سے چلانا شروع کر دیا۔

"ممی...... ممی۔" زندگی میں پہلی بار اس نے اپنی ماں کو تکلیف میں پکارا تھا اور ٹھیک دو منٹ بعد اس کے کمرے کا دروازہ کھلا، حیران سی عاشی

اور ناز دروازے میں کھڑیں تھیں۔

''کیا ہوا؟'' عاشی بھاگئی ہوئی اس تک آئی تھی۔

''سر...... وہ سر۔'' ایک چیخ مار کر وہ ہوش و حواس کھو چکی تھی، اس کا بے جان وجود عاشی کے بازوؤں میں جھول گیا۔

''شی از ان شاک۔'' عاشی نے انجکشن لگا کر کہا تھا۔

''اور اس شاک کی وجہ سے اپنے حواس کو قابو میں نہ رکھ پائی اور بے ہوش ہوگئی۔'' وہ مزید گویا ہوئی۔

''سونے سے پہلے تک تو سب ٹھیک تھا، اس نے خواب ہی دیکھا ہے کوئی۔'' وہ خود ہی بولے جا رہی تھی، اس کی ماں نے ایک بار بھی گفتگو میں حصہ نہ لیا تھا۔

''اس کی زندگی عبدالباری سے شروع ہو کر اسی پر ختم ہو جاتی ہے۔'' فرخندہ ناز کے لبوں سے نکلنے والی بات نے اسے حیران ہی تو کر دیا۔

''واٹ؟'' عاشی کو جھٹکا ہی تو لگا تھا۔

''کیوں؟ کیا تمہیں نہیں معلوم؟'' ناز نے ابرو اچکا کر پوچھا۔

''آئی مین وہ بچپن سے عبدالباری سے اٹیچڈ ہے آئی نو بلکہ سب ہی کو پتا ہے مگر یہ، جو آپ کہہ رہیں ہیں یعنی وہ عبدالباری سے محبت کرتی ہے؟'' عاشی کے لئے حیران کن خبر تھی یہ۔

''محبت سے بھی بہت آگے، اکثر راتوں کو اٹھ اٹھ کر جھومنے لگ جاتی ہے، اور سوسن تو بتا رہی تھی کہ۔'' ناز نے اول و آخر ساری کہانی عاشی کو کہہ سنائی، اور سب سن کر اس کی آنکھیں پھیلتی چلی گئیں۔

''اوہ مائی گاڈ، یہ تو سائیکولوجیکل کیس ہے ممی۔''

''با...... با...... کو پتا تھا؟'' اس نے پوچھا۔

''شاید...... تھوڑا بہت۔'' ناز کے دل میں نجانے کیوں آج کل اس کے لئے فکر مندی جاگ رہی تھی۔

''ممی اگر ایسا کچھ ہے تو عبدالباری کو بھی پتا ہوگا؟ آفٹر آل وہ اس سے بہت نزدیک تھا۔'' عاشی کو معاملے میں کچھ زیادہ ہی دلچسپی ہو رہی تھی شاید۔

''اس لڑکے نے تو ہمیشہ اسے بچی سمجھ کر ٹریٹ کیا، کہتا تھا ایک دن آپ کا نام روشن کرے گی۔'' ناز کے چہرے پر استہزائیہ مسکراہٹ تھی اب جیسے کہہ رہی ہوں۔

''لو کر لیا نام روشن ہونہہ۔'' اگر اس کی طرف سے ایسا کچھ ہوتا تو وہ نکاح کیوں کر لیتا؟ بھابھی صاحبہ بہت خوبصورت اور اونچے گھرانے کی بہولائی ہیں اپنے فوجی آفیسر بیٹے کے لئے۔'' وہ کہہ کر اٹھ گئیں۔

☆☆☆

''پچھلے دو ماہ سے کوئی چکر نہیں لگایا اس نے۔'' وقاص تایا نے اسے بتایا۔

''آپ کی ان سے فون پے بات ہوئی؟'' گڑیا نے نارمل سے لہجے میں پوچھا تھا۔

''بیٹا کسی سے ذکر مت کرنا، پر دو ڈھائی ہفتے سے کوئی رابطہ نہیں ہے عبدالباری سے میرا۔'' تایا جان کی آنکھیں اچانک بھیگ گئیں اور گڑیا کے پہلے سے نڈھال دل میں مزید اندیشے جاگ گئے۔

''پچھلی بار جب آیا تو بتا رہا تھا کہ دشمن سے مقابلے کی تیاری کر رہے ہیں وہ، کہنے لگا کہ پاپا یہ میری زندگی کا اہم مقابلہ ہے، میدان جنگ لگنے والا ہے دعا کیجئے گا آپ کا بیٹا شہادت کا رتبہ پا کر لوٹے۔'' تایا جان نجانے کس ہمت سے

اسے یہ سب بتا رہے تھے اور اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا یعنی وہ خواب بے جا نہیں تھا؟

''میں نے کہا کہ بیٹا ابھی تمہیں آرمی فورس جوائن کیے عرصہ ہی کتنا ہوا ہے؟ محض تین ساڑھے تین سال؟ اس نے مجھ سے کہا کہ جنون اور خواہش کی کوئی عمر نہیں ہوتی، جس چیز کا جنون اور عشق سوار ہو جائے دل دعا مانگتا ہے کہ بس جلدی سے وہ خواہش پوری ہو جائے۔'' اس کے لئے تھوڑے یا زیادہ عرصے کی شرط کوئی معنی نہیں رکھتی۔

''ان کے آنسو اب گالوں پہ بہہ رہے تھے، گڑیا نے انہیں پانی پلایا، وہ ان کا درد سمجھ سکتی تھی، ان کی زندگی کا کل سرمایہ تھا وہ اور سرمایہ بھی کیسا قیمتی؟''

''تمہاری تائی کو کچھ معلوم نہیں وہ اکثر پوچھتی رہتی ہے تو میں کہتا ہوں کہ میری اس سے بات ہوئی تھی وہ ٹھیک ہے جلد تم سے بھی بات کرے گا سگنل پرابلم ہے۔'' تایا جان نے گلاس میز پر رکھا، گڑیا کی آنکھوں سے آنسو نکل گئے۔

''تم بھی دعا کرنا بیٹا اس کے لئے۔'' تایا جان نے کہا، اس کے ہونٹ دھیمے سے مسکرا اٹھے اب وہ انہیں کیا بتاتی؟ وہ تو خود سراپا دعا تھی اس کے لئے، اب سے نہیں کب سے، خود کو سنبھالتی وہ تایا جان کے گھر سے نکلی تھی، کتنے دن سے وہ ابی کی طرف بھی نہ جا سکی تھی، دل بہت بے چین تھا، دل ہی دل میں اس کی سلامتی کی ڈھیروں دعائیں مانگتی وہ واپس گھر آ گئی۔

''اپنے عشق اور جنون کو پورا کرنے کے لئے دعائیں کرتے ہیں اور میرے عشق کو کبھی کچھ جانا، کچھ سمجھا ہی نہیں۔'' ہاتھ میں پنسل پکڑے وہ ڈائری پر آڑی ترچھی لکیریں کھینچتی جا رہی تھی۔

''کیوں کبھی آپ تک میری فیلنگز نہیں پہنچ پائیں، کیا میرا عشق جھوٹا ہے؟ میری تڑپ کا احساس بھی نہیں ہو سکا کبھی آپ کو۔'' اس کی نگاہیں اب ان آڑی ترچھی لکیروں کے آر پار گھوم رہیں تھیں۔

''ممی...... ممی...... مام۔'' عاشی نے زور زور سے چلانے کی آواز نے اسے دہلایا تھا، وہ جلدی سے ڈائری پھینک کر باہر آئی تھی۔

''ممی، تایا جان آئے تھے گھر کی چابیاں دے کر گئے ہیں، بہت جلدی میں تھے اور پریشان بھی۔'' وہ خود بھی بہت ہڑبڑائی ہوئی لگتی تھی۔

''یا اللہ خیر۔'' گڑیا نے دل پر بے اختیار ہاتھ رکھا۔

''خیریت؟'' ناز نے پوچھا۔

''نہیں۔'' عاشی نے نفی میں سر ہلایا، گڑیا کی طرف اس کی پشت تھی۔

''عبد الباری...... ڈیوٹی...... آپریشن...... شدید زخمی ہوا ہے، زیادہ ڈیٹیل نہیں بتائی انہوں نے بس کہا کہ اس کی حالت بہت کریٹیکل ہے، سی ایم ایچ میں ایڈمیٹ ہے پنڈی میں۔'' عاشی کی آواز نے دھماکا ہی کر دیا تھا، گڑیا کو لگا اس کا چلتا دل بند ہو گیا ہو، اس نے پاس پڑے میز کا سہارا لینا چاہا مگر گر پڑی، آواز پر ان دونوں نے مڑ کر دیکھا تھا اس کا وجود زمین پر گرا ہچکولے کھا رہا تھا۔

☆☆☆

اس نے آہستگی سے دروازے کو دھکیلا۔

''چر...... ر...... ر...... ہ۔'' کی آواز کے ساتھ دروازہ کھلتا چلا گیا، بغیر آواز کیے اس نے قدم اندر کی جانب بڑھائے تھے، کمرے میں اندھیرا تھا، وہ آگے بڑھی اور کھڑکی کے پردے برابر کر دیے، باہر سے روشنی چھن کر کے بیڈ پر

لیٹے وجود کے چہرے پر پڑی تھی اور حسب عادت اس نے آہستگی سے بمشکل اپنے بازو کو آنکھوں پر رکھ لیا، اب وہ چلتی ہوئی اس کے قریب آئی تھی اور بیڈ کے ساتھ پڑے چھوٹے سے ٹیبل پر گلاب کا پھول رکھ دیا، ایسے پھول وہ پچھلے پانچ ماہ سے رکھ رہی تھی، روز...... ایک گلاب کا پھول وہ اس میز پر رکھ کر جاتی پر اگلے دن وہاں کوئی پھول نہیں ہوتا تھا، نجانے وہ پھول کہاں جاتے تھے؟

''مجھے پتا ہے کہ آپ جاگ رہے ہیں۔'' کرسی کھینچ کر بیڈ کے قریب بیٹھ کر وہ بولی تھی، بیڈ پر پڑے وجود میں کوئی حرکت نہ ہوئی۔

''آپ جاگ رہے ہیں۔'' بے حد ٹھنڈے لہجے میں اس نے دوبارہ سے اسے مخاطب کرنا چاہا تھا۔

''میں...... سونا چاہوں بھی تو...... نہیں سو سکتا، اب تو نیند نے بھی، مجھ سے ناطہ توڑ لیا ہے۔'' رک رک کر اس نے بات مکمل کی تھی، اسے بات کرنے میں بولنے میں دشواری کا سامنا ہوتا تھا، دماغ پر گہری چوٹ آئی تھی، جس سے پورا جسم متاثر ہوا تھا۔

''نیند جانتی ہی نہیں ہے کہ وہ کس شخص کی بے قدری کر رہی ہے۔'' گڑیا نے شرارت سے کہا تھا، اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی، ایسی مسکراہٹ جو خالص محبوب کے لئے ہوتی ہے، اسے نہیں یاد کہ یہ مسکراہٹ کب سے اس کے ہونٹوں پر آٹھہری تھی، اسے بس اتنا یاد تھا کہ اسے یہ مسکراہٹ ہی لے کر عبدالباری کے پاس سے جانا تھا، یہ مسکراہٹ عبدالباری کی تھیراپی تھی، اس کی انرجی تھی شاید، پچھلے چھ ماہ کا عرصہ کیسا درد ناک تھا؟ اس نے سوچا اور روح کانپ گئی، ہاں وہ چھ ماہ پہلے جب عبدالباری میدان جنگ میں تھا، دشمن کی طرف سے پھینکا گیا بم بلاسٹ موقع پر شہید ہو گئے، عبدالباری اس جگہ سے کچھ فاصلے پر تھا، اس لئے جان تو بچ گئی، شاید کسی کی دعاؤں کی وجہ سے، پر وہ بہت شدید زخمی ہو گیا تھا، اسے فوری امداد دے کر سی ایم ایچ پنڈی ہاسپٹل میں ایڈمٹ کیا گیا تھا، اس کا پورا جسم زخمی تھا اور وہ پورا ایک مہینہ آئی سی یو میں رہا تھا، اس کی حالت بہت نازک تھی اور بچنے کے چانسز بہت کم، دھماکے میں ہیڈ انجری، سپائنل انجری آئیں تھیں، اس کے علاوہ ہاتھ، بازو، ٹانگیں بری طرح متاثر ہوئیں تھیں، اس کے جسم کا کوئی حصہ حرکت نہیں کر پا رہا تھا، عبدالباری کی حالت کے بارے میں سن کر تائی کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا، تایا جان کے لئے تو قیامت کا سا سماں تھا شاید جوان بیٹا آئی سی یو میں زندگی اور موت کی بازی لڑ رہا تھا اور بیوی کی حالت، گڑیا کو جب ہوش آیا وہ بغیر کسی بھی چیز کی پروا کیے، پنڈی پہنچی تھی، عبدالباری کی حالت دیکھنے لائق بھی نہ تھی، وہ وہیں اللہ کے حضور گڑگڑا کر دعائیں مانگنے لگی، اپنے محبوب کو اس حالت میں دیکھنا کسی قیامت سے کم نہ تھا، عبدالباری کی حالت میں ایک ہفتہ گزرنے تک کوئی بہتری نہ آئی تھی، تائی البتہ ٹھیک ہو گئیں تھیں اور ہر وقت عبدالباری کے لئے روتیں تھیں، عاشی اور ناز نے بھی تین بار چکر لگایا تھا اور ہر بار گڑیا کو اس کے کمرے کے باہر کھڑے دیکھ کر عاشی کو یقین ہو گیا تھا کہ ''یہ واقعی محبت سے کہیں بڑھ کر کچھ ہے'' اکثر وہ آئی سی یو کے سامنے کھڑی شیشے کی درز سے گھنٹوں اندر جھانکتی رہتی، کبھی گھنٹوں سجدے میں گڑگڑا دعائیں مانگتی، وہ واقعی ایک دیوانی تھی اور اپنے محبوب کی جان بچانے کے لئے اس کے پاس مضبوط ترین ہتھیار تھا، وہ ہتھیار دعا تھا۔

"دعا، یقین کا ہتھیار"
پنڈی میں تائی جان کی کزن رہتیں تھیں، وہیں وہ لوگ رکے ہوئے تھے، وہ رات کو سونے کے لئے وہاں جاتی اور فجر میں واپس آجاتی، اکثر چپکے سے کمرے میں آکر اسے دیکھتی رہتی اور نجانے کیا کچھ پڑھ پڑھ کر پھونکتی، اس کا زرد چہرہ کس قدر کمزور ہو چکا تھا، پٹیوں میں جکڑا وجود، آنکھیں تو وہ کھولتا ہی نہ تھا اور کبھی جو کچھ دیر کھولتا تو لاعلمی کا عالم ہوتا، پھر ڈاکٹروں کی بہت زیادہ کوششوں اور ان سب کی دعاؤں سے ایک ماہ میں اس کی ہیڈ انجری کچھ ٹھیک ہوئی تھی، بازوؤں میں ہلکی، بہت کم حرکت ہونا شروع ہوئی تھی مگر ٹانگوں میں بالکل موومنٹ نہ ہو پا رہی تھی، پھر اسے مزید اچھے ٹریٹمنٹ کے لئے Armed force institute of rehabilitation medicine (Afirm) ہاسپٹل میں شفٹ کر دیا گیا، یہاں فوج میں زخمی ہونے یا معذور ہونے والوں کا علاج بہتر طریقے سے کیا جاتا تھا، یہاں اب اس کی فزیوتھیراپی چل رہی تھی، یہاں آنے کے دو مہینے تک بھی وہ کچھ بولتا نہیں تھا، یعنی اس حادثے کے تین مہینے تک وہ بالکل چپ کسی سے بات نہ کر پایا تھا، تائی پہروں روتیں رہتیں، گڑیا ان کی ہمت بندھاتی، تائی کی نم آنکھوں میں اس کے لئے ڈھیروں تشکر ہوتا، وہ کیسے سائے کی طرح ان کے ساتھ تھی اور اس سارے عرصے میں ایک بار عبدالباری کی بیوی ثناء صرف ایک بار اسے دیکھنے آئی تھی، اس کے بعد دوبارہ وہ نہیں آئی، کبھی کبھی کال آجاتی تھی، عجیب روکھا سا رویہ، تایا جان گڑیا کو اکثر کراچی واپس جانے کو کہتے، وہ اپنی اسٹڈی چھوڑ چھاڑ کر ان کا بیٹا بنی ان کا بازو بنی ان کے ساتھ تھی۔
واپسی کا سن کر وہ رونے لگ جاتی، تین ماہ بعد جب عبدالباری نے پہلی بار لب کھولے اور تھوڑی سی بات کی تو تائی نے دیکھا وہ بہت خوش تھی اور پورے ہسپتال میں مٹھائی بانٹتی پھر رہی تھی، بے شک اس کی دعاؤں کا نتیجہ تھا یہ دن بھی، وہ زیادہ نہیں بول پایا تھا، وہ اسپائنل انجری کی وجہ سے اٹھ کر بیٹھ نہیں سکتا تھا نہ چل سکتا تھا، وہ مسکرا کر اس کے پاس جاتی، سادہ لہجے میں اس سے بات کرتی، وہ اسے دیکھتا رہتا، بلکہ وہ ہر کسی کو دیکھتا رہتا تھا جواب بہت کم دیتا بات کرنے میں بہت مشکل ہوئی تھی، وہ روز اس کے لئے پھول لاتی اور میز پر رکھ دیتی، اندر سے کتنی ڈری، یاد کھی بھی ہوتی، عبدالباری کے سامنے آئی تو ایسے مسکراتی جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو، اسے یہاں شفٹ ہوئے تین سے چار ماہ ہو گئے تھے، اس کے اندر کچھ بات کرنے اور اپنے بازوؤں کو تھوڑا بہت ہلانے کے علاوہ کوئی بہتری نہ آئی تھی، ڈاکٹرز کا کہنا تھا کہ وہ خود کوشش نہیں کرتا، شاید وہ اپنی ول پاور کھو چکا تھا، اس میں ٹھیک ہونے کی خواہش ختم ہو چکی تھی، وہ ڈپریشن کا شکار تھا اور اب پانچواں ماہ تھا جو اس کا یہاں چل رہا تھا، وہ بولتا بھی تو نہ تھا، کیا وجہ تھی؟ وہ کیوں اس قدر خاموش ہو کر رہ گیا تھا؟ آج وہ ارادہ کر کے آئی تھی کہ اس سے ہر صورت بات کر کے رہے گی، کب سے ماضی میں بھٹکتی وہ حال میں آئی، گڑیا نے سر گھما کر دیکھا وہ ابھی بھی اسی پوزیشن میں تھا اور وہ پچھلے چھ ماہ کا سفر طے کر آئی تھی۔
"نور فاطمہ۔" وہ بری طرح چونکی تھی، عبد الباری نے اس کا نام لیا تھا، اسے پکارا تھا، پر سب سے زیادہ چونکانے والی بات اسے اس نام سے پکارنا تھا، آج سے پہلے اس نے ہمیشہ گڑیا کہا تھا اسے۔
"جی۔" وہ پورے وجود سے کان بن گئی۔

''کیوں آتی ہو روز یہاں؟''
''پتا نہیں۔'' وہ سادگی سے مسکرا کر بولی۔
''جاؤ یہاں سے آئندہ مت آنا پلیز۔'' عبدالباری نے بازو ہٹا کر کرخت لہجے میں کہا تھا اور گڑیا حیران رہ گئی، اس کی آنکھیں بے تحاشا سرخ تھیں، جیسے روئیں ہوئیں آنکھیں ہوتیں ہیں۔
''کیوں جاؤں؟'' وہ ابرو اچکا کر بولی تھی، دو منٹ تک اسے گھور کر وہ منہ موڑ گیا، گڑیا نے نرس کو بلوایا اور اس سے وہیل چیئر لانے کو کہا، جو اسپائنل پیشنٹس کے لئے استعمال ہوتی تھی۔
''آج میں آپ کو سیر کرواؤں گی بور نہیں ہوتے آپ یوں لیٹ لیٹ کر؟'' وہ منہ بنا کر بولی تھی، جواباً وہ چپ رہا، اپنی بے بسی پر دہ کیا کہہ سکتا تھا؟
''یہ تمہارا کام نہیں ہے جاؤ یہاں سے۔'' وہیل چیئر دیکھ کر وہ چڑ سا گیا۔
''ہاں جی کام تو واقعی میرا نہیں ہے، آپ کی وائف کا ہے، پر ان بیچاری کو رخصت کروا کے لے آتے تو وہ آج آپ کو سیر کرواتیں۔'' وہ بات کو مذاق میں لے گئی۔
''وہ اب میری بیوی نہیں رہی، طلاق لے لی اس نے مجھ سے۔'' عبدالباری کی بات پر چیئر سیٹ کرتے اس کے ہاتھ فریز ہو گئے۔
''ک...... کیا...... کب؟'' اس پر حیرت کا پہاڑ ٹوٹا تھا۔
''آج صبح ہی وکیل سائن لے کر گیا ہے ڈائیورس پیپرز پر۔'' اب وہ اس کی ہر بات کا جواب دے رہا تھا، یعنی وہ اس وجہ سے اتنا بگڑا ہوا تھا، وہ مزید کچھ بولے بغیر نرس کی مدد سے اسے چیئر پر بٹھانے میں بمشکل کامیاب ہوئی تھی، عبدالباری نے بھی مزاحمت نہ کی۔
''طلاق کا مطالبہ تو پچھلے دو ماہ سے وہ لوگ کر رہے تھے، مگر امی نے نجانے کیسے انہیں سمجھا کر کہ میں ٹھیک ہو جاؤں گا جلد روک رکھا تھا، پھر کہیں ان کا چکر لگا یہاں کا، ڈاکٹر سے میری حالت کے بارے میں بات ہوئی تو انہوں نے مایوسی ظاہر کی، ثناء کو یہ بات پتا چلی تو اس نے خلع کا کیس فائل کرنے کی بات کی تھی تب ہی امی نے مجھے کل یہ سارا معاملہ بتایا اس سے پہلے کچھ معلوم نہ تھا مجھے، اور آج میں نے معاملہ نپٹا دیا۔'' وہ خلا میں گھور رہا تھا، وہ اسے دھکیلتی ہوئی چھوٹے سے پارک میں لے آئی تھی جہاں اس وقت کوئی نہ تھا۔
''آپ کو کس نے کہا ڈاکٹر نے ایسا کہا؟ وہ تو بہت پرامید ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ آپ بہت جلدی ریکور ہو رہے ہیں۔'' وہ گھٹنوں کے بل اس کے سامنے آ بیٹھی تھی، عبدالباری نے ایک نظر اسے دیکھا۔
''میں نے تمہیں کبھی جھوٹ بولنا نہیں سکھایا گڑیا۔'' اس کے چہرے پر تاسف تھا، گڑیا نے نظریں جھکا لیں۔
''سر...... آپ مجھے یہ بتائیں کہ آپ کو کس بات کا اسٹریس ہے؟'' وہ بات بدل کر بولی تھی۔
''میں نے موت کو بہت قریب سے دیکھا ہے، میجر بلال شہید، میری آنکھوں کے سامنے دم توڑا انہوں نے ان کی بیٹی کی پیدائش کو ایک ماہ ہوا تھا اور ابھی انہوں نے اسے دیکھا بھی نہ تھا۔'' عبدالباری بھی شاید بات کرنا چاہتا تھا اس لئے بولنے لگا۔
''میرے ساتھ کیپٹن شہید ہوئے، مجھے یاد نہیں بس ایک دھماکہ ہوا تھا اور میں ہوش کھو بیٹھا، مجھے اسٹریس اس بات کا ہے، کہ میں اپنے ملک کا دفاع نہیں کر سکا، مجھے جو کرنا چاہیے تھا، اس کے

لئے میری جان بھی ادنیٰ سے شے تھی اور میری سب سے بڑی خواہش تھی، شہادت کا رتبہ پانا، اور یہ۔'' اس نے انتہائی دکھ سے وہیل چیئر پر بیٹھے اپنے وجود کو دیکھا۔

''میں معذور ہو کر رہ گیا ہوں،...... میری زندگی...... بوجھ بن گئی ہے سب پر، یہ...... یہ دکھ راتوں کو مجھے سونے نہیں دیتا۔'' عبدالباری کی آنکھوں کے گوشے بھیگ گئے، وہ بہت بہادر مرد تھا، گڑیا جانتی تھی۔

''آپ بوجھ نہیں ہیں ہم سب کی زندگی کا سرمایہ ہیں۔'' اس کے ہاتھوں کو تھپتھپا کر گڑیا نے کہا تھا۔

''بس کر دو۔'' عبدالباری نے اس کے ہاتھ جھٹکے۔

''تم ہو کیا؟ کس مٹی کی بنی ہو بتاؤ مجھے؟ وہ...... وہ جس سے میں رشتہ ازدواج میں بندھا تھا، وہ مجھے میرے معذور ہونے کی بناء پر طلاق لے گئی، ایک سال ہونے والا تھا نکاح کو۔'' عبدالباری کے اسٹریس کی ساری وجوہات خود بخود باہر نکل رہی تھیں اور یہی وہ چاہتی تھی۔

''وہ آپ کو جانتی نہیں تھی۔'' گڑیا مسکرا کر بولی تھی۔

''مجھے نفرت ہے اپنے وجود سے اس زندگی سے مر جانا بہتر ہے۔'' اس نے غصے میں پیر زمین پر مارنا چاہا پر وہ حرکت نہ کر پایا، عبدالباری کی آنکھیں اور سرخ ہوئیں تھیں، اس نے ہاتھ کو زور سے وہیل چیئر کے ہینڈل پر مارا پر گڑیا نے جلدی سے نیچے اپنا ہاتھ رکھ لیا، اس کا ہاتھ زور سے اس کے ہاتھ پر ضرب لگا گیا۔

''یہ کیا بے وقوفی ہے؟'' عبدالباری نے جھڑکا۔

''یہی میں بھی پوچھنا چاہتی ہوں۔'' وہ دوبدو بولی تھی۔

''مجھے اندھیروں سے نکال کر روشنیوں کی طرف لانے والے آج یوں امید کیوں ہیں؟ یہ سب تو آزمائش ہے اللہ پاک کی اور وہ اپنے خاص بندوں پر آزمائش اتارتا ہے۔'' اس نے اس کے ہاتھوں کو پکڑ کر بے انتہا نرم لہجے میں بات شروع کی تھی، عبدالباری نے کوئی ردعمل نہ دیا۔

''کیا آپ کو بہت محبت تھی اپنی وائف سے؟'' گڑیا کی بات پر اس نے چونک کر سر اٹھایا تھا۔

''میری اس سے کبھی نکاح کے بعد بات نہیں ہوئی، دکھ ہے تو صرف اتنا کہ کل تک جس سے شادی کرنے کو وہ فخر محسوس کر رہی تھی آج، آج اسے بوجھ سمجھ لیا، میں کون سا اس پر بوجھ بننا چاہتا تھا، ٹھیک نہ ہو پاتا تو خود ہی اسے الگ کر دیتا۔'' عبدالباری کے لہجوں میں کانچ سی کرچیاں سنائی دیتیں تھیں، لہجہ کربناک تھا، گڑیا نے اس کے گھٹنوں پر ہاتھوں کا دباؤ ڈالا۔

''اور جو ساری عمر آپ کا سہارا بننے کو تیار ہے وہ تو کبھی نظر ہی نہ آئی آپ کو۔'' اس کی آنکھوں میں دیکھتے وہ شکوہ کر گئی، عبدالباری نے محض زخمی نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔

''وعدہ کرتی ہوں، آپ کا سہارا بن جاؤں گی، کبھی کسی شکایت کا موقع نہیں دوں گی آپ کو صرف ایک بار، مجھے اپنا کر تو دیکھیں۔'' طلب چھوڑے تو عرصہ ہو گیا تھا پر آج اس جگہ پر یہ سب کہتے ہوئے صرف ''عبدالباری کا سہارا'' بننے کی خواہش دل و دماغ پر قابض تھی، عبدالباری کو اس کی ضرورت تھی، اس کے عشق کو اس کی ضرورت تھی۔

''مجھے شرمندہ مت کرو میری نظروں

میں۔ ''عبدالباری کا سر جھکا ہوا تھا اور وہ بولا تھا۔

''میں نے سوچا تھا اتنے سال گزر گئے اب تو میرا نکاح بھی ہو گیا تمہارا یہ پاگل پن ختم ہو چکا ہو گا، میری زندگی پہلے ہی بہت تنگ ہے مجھ پر پلیز اسے مزید بوجھ مت بناؤ میرے لئے۔'' عبد الباری نے پہیوں پر زور ڈال کر واپس پلٹنا چاہا۔

''عشق پاگل پن نہیں ہے میری زندگی ہے۔'' اپنے ہاتھوں سے آنسو صاف کرتی وہ اٹھی تھی، وہ کتنی بار اس شخص کے سامنے جھکی تھی، اب تو شاید یاد بھی نہ تھا۔

''عشق کا خمار کبھی نہیں اترتا، مجھے یہ سب کرنا آپ ہی نے سکھایا۔'' اب وہ پیچھے آ کر اس کی وہیل چیئر گھما کر واپسی کے راستے پر ہوئی تھی۔

''میں نے آپ کی بے رخی کو مثبت جان کر خود میں مزید بہتری لانے کی کوشش کی سر، اگر میں ابھی بھی آپ کو اپنے قابل نہیں لگتی، ڈونٹ وری۔'' وہ مسکرائی، دردناک مسکراہٹ۔

''میں خود کو مزید بہتر کروں گی میرا اللہ ہے نا سب کرنے والا۔'' آنسو پلکوں کی باڑوں کو توڑ کر باہر نکلے تھے، عبدالباری چپ چاپ بیٹھا تھا، وہ وہیل چیئر کو دھکیلتی کس حالت میں سب کہہ رہی تھی اس کا اندازہ شاید اسے نہ تھا۔

''ابراڈ جا رہا ہوں مزید ٹریٹمنٹ کے لئے ای، بابا بھی ساتھ جائیں گے۔'' عبدالباری کی بات پر اس کے ہاتھ رک گئے، اب وہ لابی میں تھے۔

''آرمی فورس کی طرف سے بھیجا جا رہا ہے، یہاں میری پرفارمنس میں کوئی خاص فرق نہیں پڑا وہاں بھی ٹریٹمنٹ چانس پر ہی ہو گا، مجھے کوئی خاص امید نہیں کہ میں ٹھیک ہوں گا یا نہیں۔'' عبد الباری سامنے دیکھتے یہ سب کہہ رہا تھا اور وہ پیچھے کھڑی تھی سٹل۔

''صرف اتنا کہنا چاہوں گا آپ سے، عبد الباری نے اپنی گڑیا کو ہمیشہ اونچائی پر دیکھنا چاہا تھا ہمیشہ، گڑیا عبدالباری کو بہت عزیز ہے اور اسی کی دعائیں ہیں جو آج وہ زندہ ہے۔'' وہ اپنے طرز تخاطب پر واپس آیا تھا، وہ اسے مان بخش رہا تھا، جس کی وہ حقدار بھی تھی۔

''عبدالباری کسی بات سے بے خبر نہیں۔'' یہ جملہ اس نے منہ ہی منہ میں بولا تھا۔

''گڑیا ایک چمکتا ہوا ستارا ہے اور ایک دن یہ ستارا روشنی سے دوسروں کو بھی روشن کر دے گا، عبدالباری جہاں بھی ہو گا، اس ستارے کی روشنی کو دیکھنے ضرور آئے گا۔'' عبدالباری نے کس قدر گہری بات کہہ کر اس پر بھاری ذمہ داری ڈال دی تھی، عبدالباری کا بولا گیا ایک ایک لفظ اس کے دل پر چھاپ ڈال گیا تھا اور وہ جانتی تھی وہ یہ سب کیوں کہہ رہا تھا، وہ سب جانتی تھی۔

☆☆☆

''اب تو عبدالباری کو گئے دو اڑھائی سال ہو گئے ہیں کچھ پتا نہیں وہ کہاں ہے، ہم کو تو یہ پتا چلا تھا کہ وہ مر چکا ہے، باہر جا کر انہوں نے ہم سے رابطہ ہی نہیں رکھا؟'' فرخندہ ناز نے بات مکمل کی، علی عمر کے دل کی کیفیت عجیب تھی، یہ کیسا عشق تھا آخر؟ عبدالباری کو گڑیا سے محبت نہ تھی پر وہ اسے اونچائی پر کیوں دیکھنا چاہتا تھا؟ آخر کیوں؟

''آپ کو کیسے پتا کہ اس کی ڈیتھ ہو گئی ہے؟'' علی عمر نے پوچھا۔

''ایک سال پہلے الیاس بھائی یعنی عبد الباری کے فادر کا دوست آیا تھا، اس نے بتایا کہ جس اپارٹمنٹ کا پتا وقاص بھائی نے دیا تھا وہ وہاں گیا تھا وہاں کوئی نہیں تھا اور پڑوسیوں نے

بتایا کہ وہاں ماں باپ اور ایک جوان بیٹا رہتا تھا ان تینوں کی روڈ ایکسیڈنٹ میں ڈیتھ ہوگئی۔" ناز کی آنکھیں اب باقاعدہ بہنے لگیں تھیں، یہ سب بتانے کے لئے بھی ہمت کی ضرورت تھی۔

"تو..... نور فاطمہ؟ وہ..... اس کا کیا ری ایکشن کیا تھا؟" علی عمر نے پوچھا۔

"وہ..... اس نے کبھی اس بات پر کوئی ردعمل نہیں دیا، وہ کہتی ہے وہ جہاں کہیں بھی ہوگا، بالکل ٹھیک ہوگا، اسے اس خبر پر یقین ہی نہیں اسے بس یہ یقین ہے کہ اللہ اس کے ساتھ کبھی برا نہیں کرسکتا۔" ناز نے بتایا۔

"عاشی کی شادی کردی تھی پچھلے سال میں نے اس کا ہزبینڈ باہر ہوتا ہے فی الحال یہ پاکستان میں ہے ہمارے پاس، نور فاطمہ کی شادی کی بھی کوشش کی پر وہ نہیں مانتی اور کوئی اچھا بر بھی تو نہیں ملا ہمیں۔" اس وقت وہ صرف ایک خالص ماں کے روپ میں تھیں۔

"میں..... میں نور فاطمہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں آنٹی۔" اس کے لبوں سے خود بخود یہ فقرہ ادا ہوا تھا اور اب حیران ہونے کی باری ناز کی تھی، اس نے چونک کر سر اٹھایا تھا۔

☆☆☆

"آپ جب جب میرے پاس آئیں گی میرا جواب یہی ہوگا۔" اس نے بغیر سر اٹھائے اپنا کام جاری رکھتے ہوئے کہا تھا۔

"تم تو بیوقوف ہو، اپنی زندگی اک لاحاصل تمنا کے پیچھے تباہ کررہی ہو بلکہ سراب، جو ہے ہی نہیں۔" ناز نے تڑخ کر کہا تھا۔

"کب تک چلے گا ایسا؟ عاشی کی شادی ہوگئی تمہاری عمر پچیس سال ہوگئی اور کون سی عمر ہوتی ہے شادی کی؟" وہ مسلسل بول رہیں تھیں پر وہ چپ چاپ اپنی انگلیوں کو "کی بورڈ" پر تیزی سے چلا رہی تھی۔

"آپ میری پرواہ مت کریں ساری زندگی آپ کی پرواہ کے بغیر کاٹی ہے ابھی بھی ویسی ہو جائیں۔" وہ نور فاطمہ تھی، عبدالباری کی گڑیا، بہت چاہ کر بھی اس عورت کے لئے سخت الفاظ استعمال نہیں کرسکتی تھی جو اس کی ماں تھی۔

"میں تم سے معافی مانگ چکی ہوں بہت بار۔" ناز نے کہا۔

"اور میں نے آپ کو معاف کردیا ہر بار۔" ایک پل لیپ ٹاپ کی اسکرین سے نظریں ہٹا کر اس نے مسکرا کر ناز کو دیکھا تھا۔

"بس اس ٹاپک پر مجھ سے بات مت کیا کریں۔" وہ واپس اپنے کام میں مصروف ہوگئی، اس کا ظرف واقعی بہت بڑا تھا، اپنے دل کی بے چینیوں سے پریشان ہوکر ناز نے دو سال پہلے اس سے معافی مانگی تھی، وہ اس کے ساتھ بہت زیادتیاں کرچکی تھی وہ جانتی تھی جو ناقابل معافی تھیں پر گڑیا نے مسکرا کر کہا تو بس اتنا۔

"میں نے آپ کو معاف کیا، آپ کی ان زیادتیوں کی وجہ سے مجھے سر عبدالباری نصیب ہوئے تھے، اگر آپ یہ کردار ادا نہ کرتیں، تو وہ کیسے مجھے سنوارتے؟ بس میں نے آپ کو معاف کیا کہ سر میری زندگی کے تمام رشتوں میں میرے لئے سب سے قیمتی ہیں۔" اس کی آنکھوں میں کیسے جگنو چمکتے تھے عبدالباری کے ذکر پر۔

"تم واقعی بدنصیب ہو عبدالباری جو اس ہیرے کی قدر نہ کرسکے۔" اسکرین کی روشنی سے چمکتے اس کے چہرے کو دیکھ کر ناز نے سوچا تھا، نجانے آج کل وہ کن کاموں میں بزی تھی؟ سارا سارا دن کمرے میں گھس کر نجانے کیا کرتی؟ کبھی حمزہ کے ساتھ کہیں نکل جاتی، مزید کوئی بات کیے بغیر ناز وہاں سے چلی آئیں۔

"وہ لاحاصل تمنا ہی تو میری زندگی ہے می...... یہ ستارا ضرور چمکے گا اور اس ستارے کو دیکھنے وہ چاند بھی ضرور آئے گا مجھے یقین ہے۔" ناز کے جانے کے بعد وہ زیر لب بولی تھی، اب اس کے لبوں پر بھلے شاہ کی کافی تھی۔

دل دے کے دل لین دی
آس رکھی
پیار ایہوں جیا کیتا
تے کی کیتا؟

☆☆☆

"مجھے خود بہت شرم آ رہی ہے آئم رئیلی سوری پر نجانے کیوں میرا دل مجھے مجبور کر رہا تھا ایک بار آپ سے فیس ٹو فیس بات کرنے کو۔" اس جیسا کانفیڈنٹ بندہ اس وقت اچھا خاصا پزل ہو گیا تھا، اس وقت وہ کیفے میں بیٹھے تھے، علی عمر نے باقاعدہ رشتہ بھیجا تھا، نور فاطمہ نے دوبارہ انکار کر دیا اور علی عمر کے بہت فورس کرنے پر وہ اسے ملنے یہاں آئی تھی۔

"بات کرنے کے لئے کچھ ہے ہی نہیں مسٹر علی آپ نے میرے گھر رشتہ بھیجا اور میں نے انکار کر دیا دیٹس اٹ، آلس مائی رائٹ۔" وہ منہ موڑے جواب دے رہی تھی، یعنی اسے اس کی طرف دیکھنے کا بھی شوق نہیں تھا، جب دل نے کسی بھی راہ جانے سے منع کر رکھا تھا تو پھر کیا فائدہ؟ اس کے لئے زندگی واقعی ایک شخص کے گرد گھومتی تھی۔

"آپ کی مدد نے مجھے آپ کی ساری ہسٹری بتا دی ہے نور فاطمہ۔" علی عمر کی بات اسے منہ موڑنے پر مجبور کر گئی۔

"پھر تو آپ کا یہاں موجود ہونے کا جواز ہی پیدا نہیں ہوتا۔" اس کا لہجہ تلخ ہو گیا۔

"کیا وہ سب سننے کے بعد بھی آپ کو میرے گھر رشتہ بھیجنا چاہیے تھا۔" وہ اس سے سوال کر بیٹھی۔

"آپ میری بات تو سنیں میں نے آپ کو دیکھا تو مجھے کوئی فیلنگز نہیں آئیں پر دو تین بار دوبارہ آپ سے حادثاتی ٹکراؤ نے مجھے چونکا دیا تھا، آپ کو تو شاید یاد بھی نہیں ہو پر لاسٹ ٹائم میں نے آپ کو درگاہ میں جوتے سنبھالتے دیکھا تھا لوگوں کے، دو دن تک مجھے نیند نہیں آ سکی تھی، میں بہت بے چین تھا، پھر میرا آپ کی سسٹر سے اور آپ کی مدر سے ملاقات، ان کا آپ کے بارے میں وہ سب بتانا وہ سب سننے کے بعد میرا دل مزید آپ کی طرف جھکا، مجھے نہیں معلوم یہ محبت ہے یا نہیں؟ مگر آپ سے ایک جائز رشتہ ایک جائز تعلق بنانا چاہتا ہوں کیا اس میں کچھ غلط ہے؟" اس کے لہجے میں بے چارگی تھی۔

"دیکھیں، میری زندگی صرف ایک شخص کے لئے وقف ہے، ان کے علاوہ میں کسی کو سوچنا بھی گناہ سمجھتی ہوں۔" وہ اب کے آرام سے بولی تھی، اس کی پوری زندگی ایک شخص کے عشق میں گزر گئی تھی، وہ جانتی تھی لاحاصل کا دکھ کیا ہوتا ہے۔

"پر...... ناؤ ہی از نو مور۔" علی عمر نے ڈرتے ڈرتے کہا تھا۔

"وہ ہیں، وہ زندہ ہیں وہ ایک دن ضرور پلٹ کر آئیں گے انشاء اللہ اس کا مجھے یقین ہے، اب آپ پلیز چلے جائیں میں مزید ڈسکس نہیں کرنا چاہتی۔" وہ سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام کر بولی تھی اور پھر جھکے ہوئے سر کے ساتھ اس نے دیکھا، وہ شکستہ قدموں سے اٹھ کر وہاں سے چلا گیا، اس کا دل بوجھل ہو گیا مگر یہ سب اس کے اختیار میں نہیں تھا۔

"نور فاطمہ؟" کسی نے اسے پکارا تھا، اس

نے سر اٹھا کر دیکھا، سامنے ایک نوجوان کھڑا تھا، اس کی شرٹ کا دایاں بازو نیچے لٹک رہا تھا، یوں جیسے اس کا دایاں بازو نہیں تھا اور، اس کے دماغ میں بلنک سا ہوا، اسے کچھ یاد آیا، چند سال پہلے، عبدالباری کی معیت میں اس گھر تک جانا۔

''س...... سمیع؟'' جھجکتے ہوئے اس نے سوالیہ لہجے میں کہا تھا۔

''ارے واہ تو تم نے مجھے پہچان لیا؟'' وہ مسکرایا، اس کی گردن اب بھی دائیں جانب کو جھکی تھی اور اسی وجہ سے وہ اسے پہچان گئی تھی ورنہ شکل تو اب اسے یاد نہیں تھی۔

''مجھے لگا تم مجھے نہیں پہچانو گی کتنے سال گزر گئے۔'' وہ کرسی کھینچ کر سامنے بیٹھ گیا۔

''آپ کیسے ہیں اور مجھے کیسے پہچانا آپ نے؟'' وہ حیران ہوئی تھی۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں اور تمہیں پہچاننا واقعی مشکل ہوتا، کافی بدل گئی ہو تم، پر میں یہاں تمہارے پیچھے بیٹھا تھا تمہاری باتیں سن کر مجھے یقین ہوا کہ سر عبدالباری کی نور فاطمہ تم ہو۔'' اس نے فاطمہ کے پیچھے کرسی کی طرف اشارہ کر کے بتایا تھا۔

''تمہاری باتوں میں میرے محسن کا ذکر تھا عبدالباری بھائی کے توسط سے پہچانا تمہیں۔'' اس نے مزید وضاحت کی۔

''ان کا ذکر کوئی اور نہیں کر سکتا کیا؟'' وہ مسکرا کر شرارت سے بولی تھی۔

''کر سکتا ہے آف کورس پر اتنے محترم اور پیارے لفظوں میں ان کا ذکر صرف، ان کی گڑیا ہی کر سکتی ہے۔'' سمیع کی بات نے اسے چونکا دیا تھا۔

''عبدالباری کی معصوم گڑیا، ہاں وہ ہمیشہ یہی کہا کرتے تھے۔'' وہ شاید پرانی بات یاد کر کے مسکرایا تھا۔

''م...... میں...... میں سمجھی نہیں؟'' وہ واقعی بالکل نہیں سمجھی تھی۔

''میں ایک بھیک مانگنے والا تھا نور فاطمہ، مجھ جیسے بے بس انسان کے لئے وہ کسی فرشتے سے کم نہیں ہیں، مجھے سڑک سے اٹھا کر ایک ''آرٹسٹ'' بنانے تک سارا کریڈٹ ان کو جاتا ہے، وہ میرے لئے بہت محترم ہیں انہوں نے مجھ سے سب شیئر کیا شاید اپنا بھائی سمجھ کر، وہ نہیں چاہتے تھے کہ یہ سب کبھی بھی تمہیں پتا چلے، وہ تمہیں راہ سے بھٹکانا نہیں چاہتے تھے۔'' وہ کیا کہنا چاہ رہا تھا؟ نور فاطمہ کا دل تیز تیز دھڑکنے لگا، کون سا انکشاف ہونے والا تھا آخر؟

''میرے دل سے تمہارے لئے دعائیں نکلتیں تھیں نور فاطمہ کیونکہ عبدل بھائی کہتے تھے، تمہارے لئے دعا کروں اور آج مجھے لگا ان کی گڑیا اس مقام پر پہنچ گئی جہاں اسے دیکھنے کے لئے انہوں نے خواب دیکھا تھا۔'' سمیع کے چہرے پر واقعی سچی خوشی دکھتی تھی۔

''نجانے وہ اب کہاں ہیں؟ کہیں چھپ گئے ہیں، پر ایک بھائی ہونے کی حیثیت سے میں تمہیں وہ سب بتانا چاہتا ہوں جو تمہیں نہیں پتا، تمہیں لگتا تھا کہ تمہارے عشق کی آگ نے کبھی انہیں نہیں جھلسایا؟ نہیں تمہیں تو کچھ بھی معلوم نہیں، میں تمہیں بتاتا ہوں۔'' وہ کہنا شروع ہوا تھا اور جیسے جیسے وہ بولتا گیا نور فاطمہ پر حیرتوں کے سمندر ٹوٹتے گئے؟ وہ یہ سب کیا کہہ رہا تھا؟ کیا ایسا بھی کبھی ہو سکتا تھا؟ وہ آنکھیں اور منہ کھولے اسے سن رہی تھی۔

☆☆☆

اس نے اپنے فراک کو دونوں جانب سے تھاما اور آہستگی سے سیڑھیاں چڑھنے لگی، اس کی

چال میں آج اک غرور تھا، سرور تھا، اک مان تھا، اک مستی بھی تھی، اپنے اچھلتے دل کو بمشکل سنبھال کر اس نے سیڑھیاں چڑھ کر دروازہ کھولا تھا، دروازہ کھول کر اندر بڑھنے تک اس کے کانوں میں بے شمار آوازیں پڑیں تھیں۔

"بسم اللہ۔" اس نے قدم آگے بڑھایا۔

"And now we welcome to our most greatful ma,am noor fatima the daughter of late ilyas ahmed"۔

اس اناؤنسمنٹ کے ساتھ وہ اسٹیج پر موجود تھی، ہال میں موجود سب لوگوں نے کھڑے ہو کر ڈھیر ساری تالیوں سے اس کا استقبال کیا تھا۔

نیلی چھتری والے کا مجھ پہ ہے سایہ
کیسے مجھ کو امبر پہ دھرتی سے لایا

اس کی آنکھوں میں آنسو اور لبوں پر مسکراہٹ تھی، کاش وہ آج یہاں موجود ہوتا، آج لوگ جان گئے تھے کہ الیاس احمد کے دو نہیں تین بچے تھے اور تیسرا بچہ بہت آگے تک آ گیا تھا۔

پہلی رو میں اس کی ماں کھڑی تھی، مسکرا کر تالیاں بجاتی، ساتھ اپی اور حمزہ تھے، سب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی، آج اس نے سب خوابوں کو ایک منزل پر جمع کر کے تعبیر بخشی تھی مگر وہ آج بھی نہیں تھا جس کی وجہ سے وہ اس مقام تک پہنچی تھی، اس کی بے چین بھیگی نگاہوں نے دور تک اسے تلاشا تھا، مگر وہ مایوس لوٹ آئیں تھیں۔

"جب یہ ستارا چمک کر دوسروں کو روشن کرے گا اس دن عبدالباری جہاں کہیں بھی ہوگا، اس ستارے کو دیکھنے ضرور آئے گا۔" مگر وہ نہیں آیا تھا، کیا وہ واقعی نہیں رہا تھا؟ اس کا دل کسی نے جیسے مٹھی میں بھینچا تھا، اس کا دل ہر چیز سے اوب سا گیا، دوسری رو میں علی عمر بھی کھڑا تھا اور ساتھ سمیع بھی نظر آیا تھا، سب تھے سوائے اس کے، اسٹیج پر اب بچوں کو لایا جا رہا تھا، اس کے نام کی پکار پڑنے لگی، وہ ڈائس تک آئی، آج اسے بولنا تھا۔

"نور فاطمہ جنہوں نے بہت چھوٹی عمر میں دو اہم کتابیں لکھیں آج ان کے لئے بہت خاص دن ہے آج وہ اپنی زندگی کے بہت اہم مقام پر کھڑی ہیں آپ پلیز یہاں آ کر سب بتائیں۔"

اس لڑکی نے اسے بلایا، اس نے مائیک پر پہنچ کر "بسم اللہ" سے اسٹارٹ کیا تھا۔

"آج اگر آپ سب لوگ یہاں موجود ہیں تو یہ آپ سب کی محبت ہے ورنہ میں ناچیز اس قابل نہیں ہوں اور نہ میں نے یہ سب آپ سب کی داد وصول کرنے کے لئے کیا ہے، میں نے یہ سب اللہ پاک کی رضا کے لئے کیا ہے، اس شہر میں بھرپور Faciltіes کے ساتھ اگر میں نے اس اسکول کو اوپننگ کی ہے تو صرف اس لئے کہ یہاں ان اسپیشل چائلڈز کی تربیت کی جا سکے، جنہیں معاشرہ مسترد کر کے سڑکوں پر بھیگ مانگنے کے لئے چھوڑ دیتا ہے، انہیں اس قابل بنایا جا سکے کہ وہ معاشرے میں فخر سے سر اٹھا کر جی سکیں، اس میں میرا کوئی کمال نہیں بیشک تمام تعریف اللہ کے لئے ہے۔" مختصر سی تقریر کر کے وہ واپس آئی پھر کچھ دیر بعد بلڈنگ پر پہنچ کر اس نے (Abdul bari soecial education) کا ربن کاٹا تھا، اس کا رواں رواں منتظر تھا، پھر وہ بھیڑ سے نکل آئی، اس کا دل ایکدم دھڑکا تھا، عجیب سی بے چینی تھی، بے چینی سے اس نے ادھر اُدھر دیکھا، یہ مہک، یہ خوشبو؟ وہ کبھی بھول سکتی تھی بھلا؟ اس کی نظر اچانک

سامنے سڑک کے اس پار پڑی تھی، پیلی روشنی میں سڑک روشن تھی اور درخت کے نیچے کھڑی سیاہ گاڑی میں بیٹھا وجود یقیناً عبدالباری ہی تھا، وہ اس طرف ہی دیکھ رہا تھا، وہ وعدہ خلاف نہیں تھا اس نے اپنا وعدہ پورا کیا تھا وہ آ گیا تھا اپنے ستارے کو دیکھنے، گڑیا کا اوپر کا سانس اوپر رہ گیا، اسے اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔

ایک لمحے کی بھی تاخیر کیے بغیر اس نے اپنے فراک کو دونوں طرف سے تھاما اور اس طرف دوڑ لگا دی، وہ ایک لمحے کو بھی اب درمیان نہیں آنے دینا چاہتی تھی اس کا دل چاہ رہا تھا اڑ کر وہاں پہنچ جائے اس کا دل غلط نہیں کہتا تھا وہ زندہ تھا، خوشی سے نکلتے آنسوؤں کے ساتھ وہ اس طرف بھاگ رہی تھی، اس نے عبدالباری کو تیزی سے گاڑی سے نکلتا دیکھا تھا، وہ شاید ہاتھ ہلا کر اسے رکنے کا کہہ رہا تھا پر وہ رکنا چاہتی ہی نہیں تھی، وہ یہ بھی بھول گئی کہ اس سڑک تک ایک بیچ کی سڑک پار کر کے جانا تھا اور اس سڑک پر ٹریفک بھی تھی۔

''گڑیا...... رک جاؤ...... وَ...... وَ۔''

اس نے دور سے عبدالباری کی آواز سنی تھی اور پھر پچھلی طرف سے آنے والی تیز رفتار گاڑی نے اسے ٹکر مار کر دور جا پھینکا تھا اس کے دماغ میں درد کی ٹیس سی اٹھی تھی، اسے اپنا سر گیلا ہوتا محسوس ہوا تھا، بند ہوتیں آنکھوں سے اس نے دیکھا عبد الباری تیزی سے اس کی جانب بڑھ رہا تھا، اس کی بند ہوتیں آنکھوں نے محبوب کا دیدار کیا اور لب مسکرا اٹھے، اس کے بعد ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔

☆☆☆

اے اتھرا عشق نئی سون دیندا
ساری رات جگائی رکھ دا اے
جینوں لگ جاندا اونوں محشر تک
سولی تے چڑھائی رکھ دا اے

وہ ٹیرس پر کھڑا تھا اس کی نظریں سڑک پر چلتیں گاڑیوں کی طرف تھیں، ابھی ابھی وہ نوافل پڑھ کر آیا تھا اور اللہ کے سامنے گڑگڑایا تھا، زندگی کے لئے، ہاں وہ زندگی ہی تو تھی جو ہسپتال میں ایمرجنسی میں پڑی تھی، اس کے دماغ پر چوٹ آئی تھی خون بہت زیادہ بہہ گیا تھا مگر اب وہ خطرے سے باہر تھی، اسے ابھی تک ہوش نہیں آیا تھا اور عبدالباری اس کے ہوش میں آ جانے کی دعائیں مانگ کر آیا تھا، آج شاید احتساب کا دن تھا؟ آج حساب ہونا تھا یوم حساب تھا آج، وہ شاید اس سے بدلہ لے رہی تھی ہاں عبدالباری نے اسے تڑپایا بھی تو بہت تھا، بے شک وہ اسی لائق تھا پر یوں اپنی جان داؤ پر لگا کر بدلہ؟ اس کی آنکھیں بے اختیار بہنے لگیں، وہ سراپا عشق تھی اور عشق اس پر جچتا بھی بہت تھا، اس نے اپنے عشق کو ثابت بھی تو کیا تھا، وہ کیا سمجھتی تھی کہ عبد الباری اس کے جذبوں سے بے خبر تھا؟ اس کے عشق کی آگ نے عبدالباری پر کوئی اثر نہ کیا تھا، چونک تو وہ تب ہی گیا تھا جب وہ دعاؤں میں اول و آخر اس کا نام لیا کرتی تھی، وہ بچپن سے اس کے لئے بہت خاص رہی تھی۔

''عبدالباری کی معصوم گڑیا'' وہ جانتا تھا وہ اس کے لئے خاص جذبات رکھتی تھی مگر عبدالباری کی زندگی کا مقصد ''آرمی فورس میں جانا تھا'' پاک فوج کا جنون اس کا پہلا عشق تھا اس دن اس کے کمرے میں موجود کتابوں پر اپنا نام دیکھ کر وہ حیران ہی تو رہ گیا، جس کو وقتی جذبات سمجھ رہا تھا وہ شاید کچھ سیریس تھا، اس دن اسے ڈانٹ ڈپٹ کر وہ واپس تو آ گیا تھا پر پھر کافی دن تک وہ ڈسٹرب رہا تھا اور پھر جب وہ کراچی گیا تو جان بوجھ کر گڑیا سے ملاقات نہیں کی، وہ نہیں چاہتا تھا

کہ وہ اسے دیکھ کر دوبارہ ڈسٹرب ہو جائے، دوسری بار وہ اسے عجیب حالت میں ملی تھی، غائب دماغ، بکھری ہوئی، اس دن چچی جان نے اسے گھر سے نکال دیا تھا اور عبدالباری اس کی حالت دیکھ کر اسے اپنی طرف لے آیا تھا اور پھر پوچھنے پر جو سب اس نے کہا عبدالباری حیران ہی تو رہ گیا، وہ کتنا آگے تک جا چکی تھی اس کی ذات کو لے کر، وہ اپنے مقصدوں سے ہٹ رہی تھی، اس وقت وہ اگر اس کی ذات کی ذرا سی بھی پذیرائی کر دیتا تو یقیناً اس کے اندر امید جاگ جاتی اور پھر وہ بھٹک جاتی اور اپنی منزل بھول بیٹھتی، وہ یہ کبھی بھی نہیں چاہتا تھا اس نے ہمیشہ اسے بلند مقام پر دیکھنا چاہا تھا، وہ چاہتا تھا وہ اپنی زندگی بنائے آگے بڑھے اور جب اس نے کہا کہ۔

''میں جس سے بھی شادی کروں، کم از کم وہ آپ نہیں ہوں گی۔''

تو کیسا سایہ سا لہرایا تھا گڑیا کے چہرے پر، عبدالباری نے ڈائریکٹ اسے ریجیکٹ کیا تھا، وہ بہت دکھی بھی ہوا تھا اور پھر وہ سمیع کے پاس آیا، سمیع اب ایک آرٹسٹ بن چکا تھا اور اکیڈمی چلا رہا تھا، بے خودی میں اس نے سمیع کے سامنے اپنا دل کھول دیا۔

''سمیع وہ اس راہ میں بہت آگے نکل چکی ہے، اسے دیکھ کر مجھے کچھ ہونے لگتا ہے، مجھے لگتا ہے میں نے اسے اب کے غور سے دیکھا تو اس کے عشق کے سمندر میں ڈوب جاؤں گا۔'' یہ سب اس نے تب کہا تھا جب وہ اسے عشق کے معنی سمجھا کر آیا تھا، اسے یہ محسوس کروائے بغیر کے وہ تو خود کب کا اس عشق کے سامنے گھٹنے ٹیک چکا تھا، سمیع اسے سنبھالا دیا اور پھر کچھ وقت گزار کر وہ واپس چلا گیا، اسے اکثر گڑیا کا خیال آتا اس سے بات کرنے کو دل کرتا پر وہ دل کو کنٹرول کر لیتا وہ مرد تھا خود کو سنبھال سکتا تھا مگر وہ عورت تھی، اس کا عشق سب کو دکھتا تھا، پھر چچا جان کی ڈیتھ پر اس نے اسے دیکھا، وہ اس کے ہاتھ پر سر رکھ کے کیسے تڑپ کر روئی تھی۔

عبدالباری کا دل چاہا تھا اسے ساتھ لگا کر تھپکے، اسے حوصلہ دے پر وہ اسے اللہ پر یقین رکھنے کا کہہ کر وہاں سے آ گیا، پھر امی نے اس کی شادی کا شور مچا دیا، وہ ابھی شادی کے حق میں نہیں تھا پر امی کے آگے اس کی ایک نہ چل سکی اور انہوں نے لڑکی ڈھونڈ لی۔

''نجانے اس پر کیا بیتی ہو گی میری شادی کا سن کر۔'' وہ بے چین سا سمیع کے سامنے بیٹھا تھا۔

''عبدل بھائی آپ کو شادی کرنی تو تھی یہی پھر گڑیا سے کیوں نہیں؟'' سمیع نے اس سے سوال کیا تھا۔

''میں جس فیلڈ میں ہوں ناں، کسی بھی وقت موت میرا مقدر بن سکتی ہے اور میں جانتا ہوں وہ کبھی بھی یہ صدمہ سہہ نہیں پائے گی کم از کم بیوی کے روپ میں تو بالکل نہیں اور عبدالباری کبھی بھی اپنی معصوم گڑیا کو تڑپتا ہوا نہیں دیکھ سکتا، قبر میں بھی میری روح کو سکون نہیں ملے گا۔'' وہ زخمی سا مسکرایا تھا، اگر اس کے نکاح کا سن کر وہ تڑپی تھی تو کیا وہ سکون میں تھا؟ وہ تو خود کانٹوں پر تھا۔

''اگر وہ جان لے کہ آپ اس قدر محبت کرتے ہیں اس سے تو وہ شاید اپنا آپ کھو بیٹھے۔'' سمیع مسکرایا تھا۔

''اسے کبھی یہ پتا نہیں چلنا چاہیے، اسے بڑھنے دو، یہ ریجکشن اسے نکھارنے کے لئے ہے، میں رہوں یا نہ رہوں میری گڑیا ضرور ایک با عزت مقام پر پہنچے گی۔'' عبدالباری اسے سوچتا

تھا اس کی فکر کرتا تھا اور پھر نکاح کا دن آ گیا وہ بالکل خوش نہیں تھا اس دن حالانکہ ثناء بہت خوبصورت تھی، امی نے اسے تصویر دکھائی تھی اور جب اسے نکاح کے بعد اس کے ساتھ لا کر بٹھایا گیا تو اس نے دلہناپے کی پرواہ کیے بغیر عبد الباری سے مخاطب ہو کر کہا تھا۔

''مجھے آپ کی بیوی بننے پر فخر ہے۔'' عبد الباری کو یہ بے تکلفی زیادہ بھائی نہ تھی، وہ اسٹیج سے اٹھ گیا اور پھر اس نے گڑیا کو دیکھا وہ اسے پہلے تو پہچان نہ پایا وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی، پیاری سی گڑیا، اسے امید نہیں تھی وہ آ جائے گی پر وہ آئی تھی اسے پھول تھما کر دعاؤں سے بھی نوازا تھا، عبد الباری کے لب ہی جامد ہو گئے، اس کی آنکھوں کی اداسی اور نمی اس سے مخفی ہر گز نہ رہ سکی تھی، وہ سراپا عشق ہی تو تھی اور جب وہ چلی گئی تو وہ پتھر کا ہو گیا، اس میں واقعی بہت حوصلہ تھا جو وہ یوں چلی آئی تھی، وہ رات جو عبد الباری کے نکاح کی رات تھی اپنی بیوی کو سوچنے کی بجائے اس نے وہ پوری رات گڑیا کے بارے میں سوچ کر گزار دی تھی، اسے لگتا تھا کہ شاید اسے گڑیا کے عشق سے عشق ہو چلا تھا، اگلی بار اسے وہ جب ملی تو واقعی وہ قابل توجہ تھی، سی ایم ایچ میں جب اس نے دو ہفتوں بعد آنکھیں کھولیں تھیں تو بابا نے اسے بتایا تھا۔

''جب سے تم یہاں ہو یہ ادھر ہی ہے، پورا دن ادھر ہوتی ہے، تمہاری ماں کو بھی سنبھالتی ہے۔'' وہ اس وقت بھی کسی ڈاکٹر سے بات کر رہی تھی، عبد الباری نے پرسکون ہو کر آنکھیں موند لیں، اگلی بار شیشے کے پار اس نے دوسری بار اسے دیکھا تھا، وہ اکثر کمرے کے باہر کھڑے ہو کر اسے دیکھتی رہتی تھی، اسے یوں بت بنی کھڑی دیکھ کر عبد الباری کو سکون ملتا تھا، اس کی نظروں کو خود پر محسوس کر کے اس کا دل بھی قرار پاتا تھا۔

وہ روز سائیڈ ٹیبل پر اس کے لئے پھول رکھ کر جاتی تھی اور عبد الباری نرس سے کہہ کر روز وہ پھول کمرے میں بنی الماری میں رکھوا دیتا، نرس مسکرا کر وہ پھول سنبھال دیتی، وہ روز آتی تھی مگر جب وہ اس کے سامنے آتی وہ سوتا بن جاتا وہ اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا اسے لگتا تھا وہ ٹوٹ جائے گا اور اس کے سامنے خود پر قابو نہیں رکھ پائے گا، اس سارے عرصے میں ایک بار ثناء بھی اس سے ملنے آئی تھی اور اسے نور فاطمہ کی موجودگی بہت کھٹکی تھی۔

''یہ یہاں کیا کہہ کر رہی ہے اتنے دن سے؟'' اس نے یقیناً عبد الباری کی ماں سے پوچھا تھا۔

''عبد الباری کی دیکھ بھال کے لئے ہم سب کو سنبھالتی ہے۔'' ماں کے لہجے میں نور فاطمہ کے لئے محبت ہی محبت تھی عبد الباری نے بند آنکھوں کے پیچھے سے محسوس کیا اس کی ماں نور فاطمہ کا دفاع کر رہی تھی۔

''مجھے تو کوئی اور ہی چکر لگتا ہے، بھلا کون کسی کے لئے اپنا شہر چھوڑ کر یوں بھٹکتا پھرتا ہے؟ وہ بھی لڑکی۔'' ثناء کی زبان اس کے کردار کو بیان کر رہی تھی۔

''ایسی باتیں زیب نہیں دیتیں۔'' ماں نے اسے سمجھایا، وہ منہ بنا کر وہاں سے چلی گئی پر گھر جا کر اس نے خوب تماشا لگایا تھا، کچھ دن بعد اس کی ماں آئی اور نور فاطمہ کی ذات پر خوب کیچڑ اچھال کر گئی، وجہ وہی اس کی یہاں موجودگی۔

''آنٹی پلیز اس کے لئے مہذب الفاظ استعمال کریں، میں اس کے لئے ایسے الفاظ برداشت نہیں کر سکتا۔'' نور فاطمہ کے لئے مسلسل غلط الفاظ سن کر عبد الباری کی برداشت جواب

دے گئی اور یہی دفاع کرنا اسے بھاری پڑ گیا تھا، انہوں نے اس بات کا خوب بتنگڑ بنایا تھا، عبد الباری نے ماں اور بابا کو سختی سے اس بات کا ذکر گڑیا کے سامنے کرنے سے منع کیا تھا، یوں بھی اسے عبد الباری کی دیکھ بھال سے فرصت ملی تو کسی اور طرف دھیان دیتی، اس دن ثناء کی بڑھتی ہوئی بدتمیزی پر اس نے اس قصے کو تمام کیا تھا، یوں بھی وہ لوگ شاید طلاق چاہتے تھے اس لئے گڑیا کو مہرہ بنایا ہوا تھا اور گڑیا کی مزید تذلیل وہ برداشت نہیں کرسکتا تھا اور اس نے ڈائیورس پیپرز پر سائن کر دیے اور پھر اسی دن اس نے فیصلہ کیا تھا گڑیا کو بتانے کا کہ وہ ابراڈ جارہا تھا علاج کے لئے، گڑیا نے طلاق کا سن کر کوئی ردعمل ظاہر نہ کیا تھا، شاید اس کا عشق واقعی طلب کے مقام سے آگے جاچکا تھا، پر پھر عبد الباری کی حالت پر اس کا وہ سب کہنا۔

''وعدہ کرتی ہوں، آپ کا سہارا، آپ کی ٹانگیں بن جاؤں گی ایک بار اپنا کر تو دیکھیں۔''

کس قدر بیچارگی تھی اس کے لہجے میں، عبدالباری کا دل کٹ کر رہ گیا، پر وہ اپنے لئے اس کی زندگی خراب نہیں کرنا چاہتا تھا، یعنی اب جب اسے سہارے کی ضرورت تھی تو وہ اسے اپنا لیتا، وہ ایسی بھی بے مول نہیں تھی، عبد الباری کے لئے وہ بہت قیمتی تھی اور وہ اسے یوں روندنا نہیں چاہتا تھا، بمشکل اپنے سر کو جھکا کر وہ اسے ایک بار پھر مسترد کر گیا اور اس بار عبدالباری کا دل رو دیا، وہ اسے کتنا ذلیل کر چکا تھا، کتنی بار ٹھکرا چکا تھا، اس نے مسکرا کر اس پر کبھی خود میں خامی تلاش کی تھی اور خود کو مزید بہتر بنانے کا وعدہ بھی کیا تھا، بغیر مڑے بھی وہ جانتا تھا وہ رو رہی تھی، پھر بالآخر اسے ایک امید کی چھوٹی سی ڈور پکڑا کر وہ ابراڈ آ گیا، یہاں آ کر اس نے رابطے کی ہر ایک راہ بند کر دی، وہ چاہتا تھا کہ وہ سنبھل کر آگے بڑھے اور کسی اچھے شخص سے شادی کر کے کوئی ایسا جو اس کے قابل ہو۔

''وہ تیرے پیچھے پاگل ہے باری، اس کی ہر ہر ادا میں عشق جھلکتا ہے۔'' ماں اس کے پاس آ کر اسے گڑای کی بے تابیاں بتاتیں جو انہوں نے دیکھیں تھیں۔

''تم اچھا نہیں کر رہے اس کے ساتھ، اس نے کیا کچھ کیا تمہاری خاطر۔'' بابا کے اندر بھتیجی کا پیار جاگتا تو اسے سمجھانے آتے۔

''یہ سب اسی کے لئے کر رہا ہوں اسی کی خاطر۔'' وہ بس اتنا کہتا، اس نے ہر راستہ بند کر دیا، جہاں وہ رہتے تھے وہ اپارٹمنٹ چھوڑ دیا اور کہہ دیا کہ اگر کوئی پوچھے تو بتایا جائے کہ روڈ ایکسیڈنٹ میں ان کی ڈیتھ ہوگئی ہے، وہ اس کی زندگی سے نکل گیا، مگر روز نماز میں اس کے لئے اچھے ساتھی کی دعا مانگنا نہ بھولتا تھا، ایک دن اس نے خواب میں نور فاطمہ کو دیکھا، وہ رو رہی تھی عبد الباری نے فوراً اٹھ کر سمیع کو کال کی کو نور فاطمہ کا پتا کرے وہ خیریت سے ہے یا نہیں، پھر دو دن بعد سمیع نے سے بتایا کہ وہ بالکل ٹھیک ہے اور آج کل وہ کسی پراجیکٹ میں بزی ہے۔

''آپ کتنا تڑپتے ہیں عبدل بھائی، ختم کر دیں اپنی اور اس کی سزا۔'' سمیع نے کہا تھا، عبدل باری نے مسکرا کر فون بند کر دیا، وہ اسے کیا کہتا اور پھر ایک ہفتے پہلے اسے سمیع کی کال موصول ہوئی تھی۔

''آپ کا خواب پورا ہو گیا عبدل بھائی، آپ اسے جس مقام پر دیکھنا چاہتے تھے آج وہ اس کی آخری سیڑھی پر کھڑی ہے، نیکسٹ ویک وہ اسکول کی اوپننگ کرنے جارہی ہے جو آپ کے نام سے کھولا ہے اس نے۔'' اور عبد الباری نے

کال کے بعد شکرانے کے نوافل پڑھے تھے، بالآخر اس کی کوششیں اور عبدالباری کی دعائیں رنگ لے آئیں تھیں اور پھر عبدالباری نے پیکنگ اسٹارٹ کر دی، وہ وعدہ خلاف نہیں تھا، اس اپنے گڑیا سے کیا گیا وعدہ پورا کرنا تھا اور وہ آج شام پاکستان پہنچا تھا، وہ ٹائم پر نہ آسکا تھا، فلائیٹ لیٹ ہوگئی تھی پر سمیع سے اسکول کی بلڈنگ کا پتا لے کر وہ وہاں پہنچا تھا، وہ وہیں گاڑی میں بیٹھا اسے دیکھتا رہا، اس نے ربن کاٹا تو عبدالباری نے گاڑی میں بیٹھ کر تالیاں بجائیں تھیں، وہ اسے سرپرائز دینا چاہتا تھا پر گڑیا کو واقعی اس کی ذات سے عشق تھا، وہ اسے محسوس کر چکی تھی اور پھر اسے دیکھ کر وہ جس طرح اس کی طرف بھاگی تھی، جس روڈ سے وہ آرہی تھی، وہاں بے تحاشا ٹریفک تھی، پر وہ عبدالباری کے علاوہ اور کہیں دیکھ کب رہی تھی، عبدالباری اسے سرپرائز دینا چاہتا تھا کہ وہ بالکل ٹھیک ہو چکا ہے وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو کر اسے ملنا چاہتا تھا، وہ سب کچھ بھول کر وہ تیزی سے گاڑی سے نکلا تھا تاکہ اسے روک سکے اس نے زور سے اسے پکارا مگر تب تک منظر بدل چکا تھا، اس کا خون سے لت پت وجود سڑک پر پڑا تھا، وہ پاگلوں کی طرح اس طرف بھاگا تھا جہاں وہ بے ہوش پڑی تھی اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی، ادھ کھلی آنکھیں عبدالباری پر مرکوز تھیں، عبدالباری کو لگا، اس کی جان نکل گئی ہو اس کے وجود سے۔

☆☆☆

"عبدالباری!" اس آواز نے اسے سوچوں کے بھنور سے نکالا تھا، ناز چلتی ہوئی اس کے قریب آئی تھی۔

"نور فاطمہ کو ہوش آگیا ہے وہ ضد کر رہی ہے کہ صرف تمہارا چہرہ دیکھ کر آنکھیں کھولے گی۔" ان کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں وہ جلدی سے ان کے ساتھ ہوا تھا۔

"تمہیں تمہارے پیروں پر کھڑے دیکھ کر بہت خوشی ہوئی، نور فاطمہ کا یقین بے جا نہیں تھا وہ کہتی تھی وہ زندہ ہے وہ ضرور آئے گا۔" ان کی بات پر وہ ایک لمحے کے لئے رکا، ہاں صحیح ہی تو تھا، نور فاطمہ نے یقین سے یہ بازی جیت لی تھی۔

"میری بیٹی کی آزمائش اب ختم کر دو پلیز۔" اس بدلاؤ پر وہ حیران رہ گیا یہ تبدیلی کب آگئی، وہ زیادہ حیران بھی نہ ہو سکا اور کاریڈور میں کھڑے سمیع، حمزہ، بابا فریدے، ابی عاشی ناز اور درگا کے مجاور نے مل کر اس کے کمرے میں دھکیل دیا، وہ سب یہاں اس دیوانی لڑکی کے لئے آئے تھے، ایک لڑکا اور بھی تھا علی عمر، ابی نے ہر ایک کے پیچھے موجود کہانی سے اسے آگاہ کیا تھا اور وہ حیران ہوتا جا رہا تھا، کیا چیز تھی نور فاطمہ، کیا کچھ کیا اس نے عبدالباری کے عشق میں، وہ واقعی پاگل تھی اسے کسی کی پرواہ نہیں تھی، جس کی پرواہ تھی اس نے کس قدر تڑپایا اسے، وہ سر جھکائے اندر داخل ہوا تھا، سامنے بیڈ پر وہ نیم دراز تھی، سر پٹی میں جکڑا ہوا تھا، سوجی ہوئیں آنکھیں، وہ بہت خوبصورت نہیں تھی پر اس کی معصومیت اور چہرے کا بھولپن اسے ممتاز ظاہر کرتا تھا، شاید اس نے خود کو ہمیشہ سادگی میں رکھا تھا، عبدالباری کو اپنے نکاح والے دن کی گڑیا یاد آئی، وہ کتنی حسین لگ رہی تھی اس دن، عبدالباری نے سر جھٹک کر اسے دیکھا، وہ زور سے آنکھوں کو میچے بیٹھی تھی، وہ ضدی تو شروع سے تھی۔

"گڑیا!" عبدالباری نے انتہائی پیار سے محبت سے اسے پکارا تھا، اس کی پکار میں چاہ تھی، گڑیا نے جونہی آنکھیں کھولیں، عبدالباری کو

کھڑے پایا، عبدالباری نے دائیں ہاتھ کو پیشانی تک لے جا کر گڑیا کو سیلوٹ کیا تھا۔

"I am proud of you my doll۔" وہ سیلوٹ کے انداز میں کھڑا تھا اس کے چہرے پر فخر تھا، یہ وہ الفاظ تھے جسے سننے کے لئے اس کے کان ترستے تھے، گڑیا کا رواں رواں سرشار ہو گیا، دو منٹ تک اس محبوب چہرے کو اپنی پیاسی نگاہوں سے دیکھنے کے بعد وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی، آج ان آنسوؤں میں تھکن تھی، آج ان آنسوؤں میں ہار تھی، عبدالباری چپ چاپ کھڑا اسے دیکھ رہا تھا، وہ جانتا تھا وہ واقعی تھک چکی تھی، آٹھ نو سال کی تھکن تھی جو شاید اب آنسوؤں کے ذریعے نکلنی تھی، اس نے اسے رونے دیا۔

"کیوں..... کیوں خود کو اذیت دی آپ نے کیوں؟" اس کا عشق واقعی لاجواب تھا، وہ رو رہی تھی تو عبدالباری کے لئے، اسے اپنی تکالیف کی کوئی پرواہ نہیں تھی، مگر عبدالباری تڑپا تھا اسے یہ منظور نہ تھا۔

"مجھے سب بتا دیا سمیع نے۔" روتے ہوئے اس نے کہا تھا عبدالباری بری طرح چونکا اس نے تو سمیع سے وعدہ لیا تھا پھر۔

"آپ نے..... آپ نے کبھی مجھے محسوس نہیں ہونے دیا، میری سزا تو سمجھ آتی ہے پر کیوں اپنی خود ساختہ سوچوں کی وجہ سے آپ تڑپتے رہے کیوں؟" وہ سراپا سوال بنی تھی اور عبدالباری کے پاس جواب نہیں تھا، سارے جواب تو اسے سمیع پہلے بتا ہی چکا تھا شاید۔

"پلیز گڑیا چپ ہو جاؤ، تمہارے سر کی چوٹ متاثر ہو گی۔" عبدالباری نے آگے بڑھ کر اسے چپ کروانا چاہا، وہ اس کے ہاتھ تھام کر ان پہ چہرہ ٹکا کر رو پڑی۔

"میں آج..... آخری بار رونا چاہتی ہوں سر، آخری بار۔" اس کی آواز دھیمی ہوئی تھی، ان کے پاس کہنے سننے کے لئے کچھ تھا ہی نہیں، وہ بن کہے جانتے تھے سب ان کہی باتیں۔

"رو لو جی بھر کے رو میں نے تڑپایا بھی تو بہت ہے تمہیں پر گڑیا، اگر میں یہ سب نہ کرتا تو گڑیا آج ایک چمکتا ہوا ستارا نہ بن پاتی، آج اس کی روشنی نے ہر کسی کو منور کر دیا ہے، اس کی چمک ہر سو پھیلی ہے بے شک یہ گڑیا کی محنتوں کا صلہ ہے پر اس ستارے کو روشن کرنے کے لئے مجھے منظر عام سے غائب ہونا ہی تھا، مجھے معاف کر دو گڑیا۔" عبدالباری کی آنکھیں بھیگ گئیں، گڑیا نے جلدی سے سر اٹھایا تھا۔

"مجھے گناہ گار مت کریں، سر یہ ستارا صرف اس چاند کی وجہ سے چمکا ہے آج، اس چاند نے روشن کر کے اس ستارے کو اپنی روشنی سے تابناکی بخشی تھی، یہ ستارا اکیلا کچھ بھی نہیں، اسے ہمیشہ چاند کے ساتھ رہنا ہے، اسے اکیلے بادلوں پر رقص نہیں کرنا۔" آنکھوں میں آنسو لئے مسکراتے لبوں کے ساتھ اس کے الفاظ دل میں اترے تھے۔

"یہ چاند بھی اس ستارے کے بغیر ادھورا ہے۔" ڈھکے چھپے لفظوں میں عبدالباری کے اقرار نے اس کی روح کو اندر تک سرشار کر دیا تھا، اس نے پرسکون ہو کر آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆

عبدالباری نے کمرے میں قدم رکھا پورا کمرہ سرخ گلابوں سے سجا ہوا تھا، داخل ہوتے ہی گلابوں کی مہک نے اس کی سرشار روح کو مزید مہکا دیا، ان کے صبر کے بدلے میں بالآخر آج وہ مبارک گھڑی آن پہنچی تھی جس کا شاید دونوں کو بے صبری سے انتظار تھا، عبدالباری نے

دیکھا وہ کمرے کے بیچوں بیچ کھڑی دیوار کی جانب دیکھ رہی تھی، وہ چلتا ہوا اس کے سامنے آ گیا، سرخ اور گولڈن امتزاج کے لہنگے میں وہ کسی سلطنت کی ملکہ لگ رہی تھی اور واقعی خوبصورت تھی عبدالباری کے ساتھ آج وہ خوب جچی تھی، بس تایا اور تائی کے پاکستان آنے کی دیر تھی اور آج وہ ایک دوسرے کے کر دیئے گئے۔

''آج میں بہت خوش ہوں۔'' عبدالباری نے اسے دونوں کندھوں سے تھام لیا تھا۔

''میں بھی۔'' اس کی جھکی پلکوں نے اقرار کیا۔

''آج ہم ایک دوسرے کے بن گئے، آج ہم حلال رشتے میں باندھ دیئے گئے، میں بہت خوش ہوں ہم ایک دوسرے پر حلال ہیں۔'' عبد الباری کے لہجے میں جذبوں کی پرتپش آنچ تھی، اس نے آگے بڑھ کر نور فاطمہ کی پیشانی چوم لی، نور فاطمہ کا دل تیز تیز دھڑکنے لگا، اس نے پلکیں اٹھا کر عبدالباری کو دیکھنے کی کوشش کی پر بوجھ اس قدر تھا کہ وہ دوبارہ جھک گئیں، اس کا وجود کانپ رہا تھا، جسے عبدالباری نے محسوس کیا تھا، ہاں وہ اس قدر ہی پاک تھی کہ اس جائز بندھن میں بندھ کر بھی اس قدر گھبرائی ہوئی تھی۔

''آج آنکھوں پر پہرہ مت بٹھاؤ گڑیا، آج تمہارے پاس مجھے دیکھنے کا حق موجود ہے، آج چاہے جی بھر کر دیکھ لو، کوئی روک ٹوک نہیں اب تو صرف تمہارا ہوں، دیکھو ناں۔'' اس کے کانپتے وجود کو بانہوں میں بھر کے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے عبدالباری نے شرارت سے کہا تھا۔

''کہیں کہیں یہ سب، خواب تو نہیں؟'' اس کے سینے پر سر رکھ کر پلکیں موندتے ہوئے اسے نے بھیگی آواز میں کہا تھا، اتنی مشکلات سے گزر کر، آزمائشوں سے ہو کر ناممکن کا ممکن ہو جانا بھی بے یقین ہی کر دیتا ہے۔

''یہی ہماری حقیقت تھی، ہمیں یوں ہی ملنا تھا، یقین کر لو یہ خواب نہیں آج ہم ایک دوسرے کے ساتھ ہیں ایک دوسرے کی دسترس میں۔'' عبدالباری اس کے دل کے ہر ایک ڈر ہر ایک خوف سے واقف تھا، وہ ایک نازک گڑیا تھی، ابھی بھی شاید خواب ٹوٹ جانے کے ڈر سے وہ آنکھیں بند کیے کھڑی تھی، اس کی اس کیوٹ سی حرکت پر عبدالباری کے لب دلکشی سے مسکرا دیئے، اس نے اس کی لرزتی ہوئی پلکوں کو آہستگی سے چھوا تھا، گڑیا نے جھٹ سے آنکھیں کھول دیں، آج عبدالباری کے ہونٹوں پر وہ مسکراہٹ تھی جو خالص محبوب کے لئے ہوا کرتی ہے اس کی آنکھوں کی چمک دیکھ کر گڑیا کو احساس ہوا کہ وہ واقعی میں عبدالباری کی چاہ تھی، اس کی دیوانگی کے ہاتھوں مجبور ہو کر عبدالباری نے اسے نہیں اپنایا تھا، وہ واقعی دل سے اس کا چاہتا تھا اور اس بات کا ثبوت آج اس کی ایک ایک حرکت دے رہی تھی، عشق چاہے کتنا بھی سچا، کتنا بھی پاک کیوں نہ ہو، جائز تو نہیں ہوتا ناں اور عبدالباری شاید نہیں یقیناً اسے حلال کے دائرے میں لاکر اس پر اپنا عشق نچھاور کرنا چاہتا تھا، وہ جان گئی تھی، اس نے چونک کر عبدالباری کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو دیکھا، وہ اس کے سامنے ہاتھ پھیلائے کھڑا تھا، گڑیا نے ہر سوچ کو ذہن سے جھٹکا اور اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیا، عبد الباری نے اپنی ہتھیلی میں اس کی انگلیوں کو تھاما اور اپنے ہاتھ کو فضا میں بلند کر کے اسے گول گول گھمانا شروع کر دیا۔

او تیرے ہی نور سے
نینوں کو باندھا میں
کچھ نہ دکھے تیرے

عبدالباری گنگنا رہا تھا، گڑیا اک خواب کی

ی کیفیت میں ایک ہاتھ فضا میں اس کے ہاتھ
یں دیے اور دوسرے ہاتھ اپنے کھلے گھیر دار لہنگے
کو سنبھالے جھوم رہی تھی، دھڑکنیں رقص کر رہی
تھیں، آج دھڑکنوں کا رقص کرنا بنتا بھی تو تھا،
آج دھڑکنیں عبد الباری کے سروں پر سر دھن
رہیں تھیں۔

آ جا تو ساتھ میرے
چاہت کی انتہا پر
ساری حدوں کو توڑ جا

عبد الباری کی دلکش بوجھل آواز اس کے
کانوں میں رس گھول رہی تھی، گڑیا کی پلکوں پر
ستارے اتر آئے، یہ سب خواب نہیں حقیقت تھی،
حقیقت بھی کیسی کہ ہر پل خواب کا گمان ہوتا تھا،
ان کے صبر کا حسین ترین تحفہ تھا، اس کا دل اسی
نام پر شکر بجا لایا تھا۔

کی جستجو ہے
جو رو بہ رو ہے

اس وقت دنیا کی خوبصورت ترین آواز اس
کانوں میں رس گھول رہی تھی، گڑیا کے ہاتھوں پر
الباری کے ہاتھوں کی گرفت تھی بھلا اس سے
کوئی مقام تھا؟ اس نے بمشکل پلکیں اٹھا کر
الباری کو دیکھنا چاہا، اپنی دونوں آنکھوں کو موندے،
کے دونوں ہاتھوں کو تھامے وہ گنگنا رہا تھا۔

لیا ہے میں نے عشق دا کلمہ

وہ عشق کے اس مقام پر کھڑا تھا جہاں شاید
بھی نہ پہنچی تھی، اس نے اپنے عشق کو سینچ کر
کر رکھا تھا، اس خوبصورت مقام پر ان دونوں
وجود سرخ گلابوں سے نہار رہے تھے اور ان پر
کو نچھاور کرنے والا عشق ہی تو تھا۔

☆☆☆

آج اسے یہاں فری کیمپ لگائے دو ماہ ہو
گئے، گھر والے اس کی اس فضول ضد سے
بہت مشتعل ہوئے تھے، اچھے بھلے چلتے کلینک کو
چھوڑ کر وہ یہاں اس دور دراز گاؤں میں فری
میڈیکل کیمپ لگائے بیٹھا تھا، مگر وہ انہیں شاید کچھ
بھی نہیں سمجھا سکتا تھا جیسے نور فاطمہ اپنے اردگرد
لوگوں کو نہ سمجھا پائی تھی۔

''عشق خدمت خلق کا نام تھا۔'' اور پچھلے دو
ماہ سے اس کے دل کو جو سکون میسر تھا واقعی اس
نے اس بات کو سچ ثابت کر دیا تھا، عبد الباری اور
نور فاطمہ کی شادی کو تین سال ہو گئے تھے اور وہ
ایک بہت خوشگوار زندگی گزار رہے تھے، انہوں
نے اس بات کو ثابت کر دیا تھا کہ عشق روگ لینے
کا نام نہیں عشق گناہ نہیں عشق زندگی تباہ کرنے کا
نام نہیں بلکہ عشق تو زندگی کو سنوارنے کا نام ہے،
جیسے نور فاطمہ کی ذات سے عشق نے بگڑے
ہوئے علی عمر کی زندگی کو سنوار دیا تھا اس کا عشق
اسے نور فاطمہ کے بارے میں کچھ بھی سوچنے کو
مجبور نہیں کرتا تھا، کیونکہ وہ جانتا تھا وہ جس کی تھی
اس کی ہو چکی تھی، اس کا عشق بس اس کی دائمی
خوشیوں کی دعا مانگتا تھا، وہ خوش رہے علی عمر کی
یہی دعا تھی بس۔

''نیکسٹ۔'' سوچوں کے تانوں بانوں
سے نکلتے ہوئے اس نے اگلے مریض کو بلایا تھا
اور دور کہیں تایا جان اور تائی جان کے ساتھ دو
سالہ عبد الہادی کو گود میں اٹھائے کھڑی نور فاطمہ
نے جیپ میں بیٹھ کر ڈیوٹی پر جاتے عبد الباری کو
ہاتھ ہلا کر الوداع کہا تھا، عبد الباری نے جواباً
اسے فلائنگ کس پاس کی تھی، گڑیا کے ہونٹ دلکشی
سے مسکرا دیے اور اس کا رواں رواں گنگنا رہا تھا۔

میرے ڈھول سپاہیا
تینوں رب دیاں رکھاں
تینوں رب دیاں رکھاں

☆☆☆

بھرم

فرحت انصاری

رات کی تاریکی ہر سو پھیل چکی تھی، ہر ذی روح محو نیند تھا، ہر سو سناٹا کا راج تھا، دفعتاً بجنے والی ڈوربیل نے سناٹا کی چادر چیر کر صور اسرافیل کی مانند گونجنے لگی، نیند میں محو سعد ہڑبڑا کر اٹھ گیا، اس کا خوابیدہ ذہن چند لمحے ادراک کی حس سے قاصر رہا، ڈوربیل دوبارہ بجنے لگی۔

''کون؟'' زوباریہ بھی جاگ گئی تھی، سعد مندی آنکھیں مسلتا دروازے تک آیا۔

''کھولو بیٹا۔'' بلال نے اسے جواب دیا، اس نے ان کی غیر متوقع آمد پر حیرت سے فوراً دروازہ کھول دیا۔

''ابو......آپ۔'' وہ اپنی حیرت چاہ کر بھی نہ چھپا سکا تھا، وہ کبھی رات گئے گاؤں سے شہر آئے بھی نہ تھے، ان کی اچانک آمد نے اسے متحیر و متفکر کر دیا تھا، اسے کئی خدشات ڈسنے لگے تھے۔

''آجاؤ آسیہ۔'' بلال نے اپنے پیچھے آتی بیوی کو پکارا تھا۔

''امی!'' سعد خوشی سے بے قابو ہو کر ماں کے گلے جا لگا، وہ تین ماہ بعد ماں سے مل رہا تھا، اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ صدیوں سے ماں سے جدا ہو۔

''میرا بچہ۔'' آسیہ نے اسے اپنی ممتا بھری آغوش میں سمیٹ لیا۔

''السلام علیکم سعد بھائی۔'' وہ امی اور ابو کے ساتھ آگے بڑھنے کو تھا کہ دھیمی نسوانی آواز پر چونک پڑا۔

''نساء تم۔'' وہ بیک وقت حیرت، تفکر، غصے، دکھ جیسے متضاد کیفیات میں گھر کر ساکت رہ گیا، امی نے اس کے ہلکے احتجاج کو کوئی اہمیت نہ دی تھی اور وہ اپنی من مانی کر کے رہی تھیں، انہیں اکلوتے بیٹے کی ذرا پرواہ نہ تھی ورنہ وہ اسے یوں سعد کے انکار کے باوجود ساتھ نہ لاتیں۔

''چلو بیٹا، اندر چلو، کیا رات یہیں گزارنی ہے۔'' آسیہ اور نساء اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر آگے بڑھ چکی تھیں، بلال سامان سمیت اندر آئے تو اسے ہنوز ساکت پا کر اس کا کندھا تھپتھپایا وہ کندھے اچکاتا بھاری قدموں سے آگے بڑھ گیا۔

''بیٹا تم ہمارے کھانے کی فکر نہ کرنا، ہم کھانا کھا چکے ہیں۔'' امی، نساء کو لئے ڈرائنگ روم میں بیٹھی تھیں، زوباریہ ان کی آوازیں سن کر آ گئی، وہ ان کے کھانے کے لئے اہتمام کرنے لگی تو آسیہ نے روک دیا۔

''زوباریہ تم ہمارے سونے کا بندوبست کر دو بیٹا۔'' بلال نے تھوڑی دیر بعد باتوں میں محو زوباریہ کو حکم دیا وہ سر ہلاتی اٹھ گئی، سفر کی تھکان نساء اور آسیہ پر بھی طاری تھی، ان کی پلکیں بھی نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں، سعد پہلے ہی سونے جا چکا تھا کہ اسے صبح آفس کے لئے جلدی اٹھنا تھا۔

☆☆☆
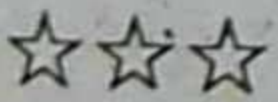
''سعد!'' زوباریہ انہیں کمرے میں چھوڑ کر اپنے کمرے میں آئی تو سعد یک ٹک لیٹا چھت کو

گھورے جا رہا تھا، زوباریہ کو بھی وہی خدشات ستا رہے تھے جو سعد کے ذہن کو ڈس رہے تھے، سعد نے خاموش استفہامیہ نظریں زوباریہ پر گاڑھ دیں۔

"خالہ امی خیریت سے آئی ہیں۔" زوباریہ نے پرسوچ انداز میں پوچھا، وہ خود ساختہ سوچوں میں گھری بدگمانی کی انتہا پر تھی، انہیں صرف ایک ماہ کا خرچہ دینے میں ہی تاخیر ہوئی تھی اور وہ بھی مجبوری میں اور وہ خود لینے آ پہنچیں تھیں۔

"ہوں وہ تمہاری خیریت پوچھنے آئی

ہیں۔'' آسیہ نے دوران گفتگو زوباریہ کی صحت کے متعلق پر تشویش لہجے میں بارہا پوچھا تھا، سعد نے نیند میں ڈوبے لہجے میں بتایا، اسے زوباریہ کی نسبت کم تشویش تھی، امی اور ابو زوباریہ کی صحت دریافت کرنے آئے تھے اس کا ہفتہ پھر پہلے اپنڈکس کا آپریشن ہوا تھا۔

''انہوں نے کوئی اور بات تو نہیں کی۔''

زوباریہ کی تشویش کم ہونے کا نام ہی نہ لے رہی تھی، اس کے ذہن میں شک کے ناگ سرسرا رہے تھے، زوباریہ کے چہرے پر سوچوں کی لکیریں واضح تھیں۔

''پلیز زوباریہ تم خوامخواہ فضول سوچوں کو ذہن سے جھٹک دو۔'' سعد کو صبح آفس کے لئے جلدی اٹھنا تھا، وہ جھنجھلا کر اسے ڈپٹتا ہوا سونے لگا تھا، جلد ہی نیند اس پر مہربان ہو گئی تھی، زوباریہ کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی، بدگمانی کے گھنے بادل چھٹنے کا نام ہی نہ لے رہے تھے، وہ بے چینی سے کروٹ بدلنے لگی، ماضی رفتہ رفتہ اس کی پلکوں کے سائے تلے متحرک پتلیوں پہ لہرانے لگا تھا۔

☆☆☆

''زوباریہ او زوباریہ اٹھ جاؤ۔'' سورج کی سنہری کرنیں سارے صحن میں دھیرے دھیرے پھیل رہی تھیں، ناجیہ اسے کئی بار آ کر جگا چکی تھیں، وہ بی اے کے ایگزامز کے بعد گھر فارغ تھی، اس کا زیادہ تر وقت سو کر گزرتا تھا، فراغت کے باعث اس کی صبح دس بجے سے پہلے نہ ہوتی تھی جبکہ دیہی زندگی کی عادی ناجیہ کو اس کا ''دوپہر'' تک سونا ایک آنکھ نہ بھاتا تھا، انہوں نے اسے جگانے کی ناکام کوشش کے بعد اس کے اوپر تنی چادر جھٹکے سے کھینچ لی۔

''کیا ہے امی، ابھی مجھے سونے دیں۔''

زوباریہ نے ناگواری سے بھرپور اظہار کرتے ہوئے چادر ان سے لے کر دوبارہ خود پر تان لی۔

''غضب خدا کا، آدھا دن چڑھ گیا اور اس لڑکی کی نیند ہی پوری نہیں ہو رہی ہے۔'' ناجیہ کے سر پر لگی اور پاؤں پر بجھی انہوں نے قریب پڑے جگ سے گلاس بھر کر پانی اس پر انڈیل دیا۔

''امی!'' زوباریہ اس اٹیک کے لئے بالکل تیار نہ تھی، وہ حواس باختہ سی کود کر بستر سے اتری۔

''چل پہلے ناشتہ کر، پھر میرے ساتھ کپڑے دھلواؤ، میں تمہیں پندرہ منٹ بعد صحن میں دیکھوں۔'' ناجیہ کو اپنی بیٹیوں میں چھوٹی بیٹی بے حد عزیز تھی، انہوں نے بڑی دونوں کی شادیوں کے بعد اسے حقیقتاً ہتھیلی کا چھالا بنا رکھا تھا، مگر وہ جب سختی پر آتیں تو زوباریہ بھی ان کے غصے سے سہم کر دبک جاتی، وہ دبنگ بھاری لہجے میں اسے غصیلی نظروں سے گھورتی دھمکی دے کر صحن میں چلی گئیں۔

''امی!'' زوباریہ نے ہلکا سا احتجاج کیا۔

''تمہارا ناشتہ تیار ہے، تم جلدی آ جاؤ میرے پاس۔'' ناجیہ نے اسے سگھڑ بنانے کی مہم شروع کر رکھی تھی، آسیہ دبے لفظوں میں جلد شادی کا تقاضا کر چکی تھی، وہ اس کے امتحان کی وجہ سے ٹال مٹول سے کام لے رہی تھیں، وہ اس کے احتجاج کو چٹکیوں میں اڑا کر واشنگ مشین لگانے چلی گئیں، زوباریہ منہ پھلائے زیر لب بڑبڑاتی واش روم کی طرف بڑھ گئی تھی۔

☆☆☆

''سعد بیٹا، چل جلدی کام سمیٹ، گھر چلتے ہیں۔'' دور افق کے سرمئی کناروں پہ گرد کی سرخی ڈیرے ڈال رہی تھی، کھیتوں میں کام میں مصروف لوگ جلدی جلدی اپنا کام نمٹانے میں

مگن تھے تاکہ آندھی آنے سے پہلے کام ختم کر کے گھر پہنچ جائیں، بلال نے دھان کو پانی احتیاط سے دیتے ہوئے افق پر نگاہ دوڑا کر سعد کو مخاطب کیا جو کہ باپ کے ساتھ کام میں مصروف تھا۔

اونچا لمبا گورا چٹا سعد کے ماتھے پر پسینہ پھیلا تھا، وہ اس وقت عام سا محنتی نوجوان لگ رہا تھا اسے باپ کے ساتھ کام نمٹاتے دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ ایم بی اے امتیازی مارکس سے پاس کر چکا ہے۔

''اچھا ابو۔'' سعد نے مصروفیت بھرا جواب دیتے ہوئے کام میں تیزی پیدا کی، موسم کے آثار کچھ بہتر نہ لگ رہے تھے، غیر متوقع بدلتے موسم کے باعث اردگرد کافی کسان اپنا کام نمٹا کر گھروں کی راہ لے چکے تھے۔

''سعد بیٹا آ جاؤ، موسم کا کچھ پتہ نہیں ہے۔'' موسموں کی سختی بہادری سے سہنے والے بلال کو سعد سے زیادہ آسیہ کی فکر تھی، وہ ان کی راہ دیکھتی ہوگی، رحمو چاچا اپنے کام سے فارغ ہو کر انہیں بلانے آ چکا تھا، بلال اور رحم دین فرسٹ کزنز اور بچپن کے گہرے دوست تھے، موسم کے تیور سخت سے سخت تر ہوتے جا رہے تھے، رحمو چاچا کا گھر گاؤں کے آخری سرے پر تھا وہ شام سے پہلے گھر پہنچنے کے عادی تھے۔

''آیا رحمو۔'' کام نبڑ چکا تھا، بلال اور سعد فارغ ہو کر کھیت میں لگے ٹیوب ویل سے ہاتھ پاؤں دھونے لگے تھے، بلال نے اسے دیکھ کر دور سے ہاتھ ہلایا۔

''انشاء اللہ اس سال تم بھی دوگنا کماؤ گے۔'' بلال ہر سال گندم کاشت کرتے ہوئے مگر اس سال انہوں نے رحمو چاچا کے مشورہ پر دھان کاشت کی تھی، وہ چیز سالوں سے دھان کاشت کر کے کافی منافع کما رہے تھے، انہوں نے اسی خوشحالی کی بدولت گاؤں میں شاندار دو منزلہ پکا گھر اور دو مربع زرعی اراضی بھی خرید لی تھی، رحمو چاچا ان دونوں کی محنت سے متاثر ہو کر دونوں کے ہم قدم ہو کر خلوص سے بولے تھے۔

''انشاء اللہ تم دعا کیا کرو۔'' بلال کے گندم کے کئی بیوپاری واقف ہونے پر ہر سال گندم مناسب نرخوں پر فروخت ہو جاتی تھی، وہ پہلی بار دھان کاشت کر رہے تھے، انہیں اس ضمن میں نہ تو کوئی تجربہ تھا اور نہ ہی کوئی واقف بیوپاری، وہ صرف اللہ کے آسرے اور رحمو چاچا کی دی معلومات کی بناء پر دھان کاشت کر رہے تھے۔

''انشاء اللہ، تمہارا بھی میری طرح جلد پختہ گھر اور وسیع قطعہ ہوگا۔'' رحمو چاچا نے خلوص دل سے ان کا حوصلہ بڑھایا، بلال کی پلکیں سنہرے سپنوں سے جگمگانے لگیں۔

☆☆☆

''سعد بیٹا تمہارے انٹرویو کا کیا بنا۔'' سعد جاب انٹرویو کے لئے دو روز سے شہر گیا ہوا تھا اس کی واپسی رات دیر سے ہوئی تھی، صبح بلال کھیتوں پر کام کے لئے گیا تو وہ سویا ہوا تھا، وہ دوپہر کو گھر لوٹے تو فریش سعد ماں کے ساتھ گپیں ہانک رہا تھا۔

''آپ نے اس کے بے جالاڈ اٹھا کرا سے سر چڑھا رکھا ہے۔'' آسیہ اس کے شہر جا کر جاب کرنے کی مخالف تو بلال زبردست حامی تھے، وہ برسوں تعلیم کے لئے شہر رہا تھا اور اب جاب کے لئے پر تول رہا تھا، سعد نے کچھ کہنے سے پہلے آسیہ نے برملا ناگواری اور خفگی کا اظہار کیا تھا، وہ باپ کا ہاتھ بٹانے کی بجائے جاب کا خواہش مند تھا، آسیہ نے شوہر کو آڑے ہاتھوں لیا۔

''کیا بیٹے کو کھیتوں میں لگانے کے لئے

تعلیم دلوائی تھی۔'' بلال کو غصہ آ گیا، ان دونوں میں اکثر اسی موضوع پر جھڑپ چھڑ جاتی تھی وہ بیٹے کو اعلیٰ تعلیم کے بعد اچھی پوسٹ پر دیکھنا چاہتے تھے۔

''مجھے نہیں پتہ، بس سعد شہر نہیں جائے گا۔'' ممتا کی ماری آسیہ روٹھی ہوگئی۔

''بھلی مانس تم کیوں اس کی ترقی کی راہ میں حائل ہو رہی ہو۔'' بلال نے رسانیت سے آسیہ کو سمجھایا جو باقاعدہ آنسو بہانے لگی تھی، جبکہ سعد ہراساں صورت لئے والدین کو باری باری ٹکر ٹکر دیکھے جا رہا تھا اس کا انٹرویو اچھا ہوا تھا وہ بھی جاب کرنا چاہتا تھا۔

''سعد بیٹا تم مجھے چھوڑ کر جاب کرنے شہر تو نہیں چلے جاؤ گے نا۔'' آسیہ نے شوہر سے مایوس ہو کر بیٹے کا بازو آس بھری آنکھوں سے دیکھتے ہوئے زور سے تھام لیا تھا جیسے وہ ابھی شہر بھاگا جا رہا ہو۔

''امی میں وہاں سیٹ ہو کر آپ کو اپنے پاس بلوا لوں گا۔'' سعد ان کا اکلوتا سہارا تھا اس والدین کی تنہائی کا احساس تھا، اس نے ماں کو تسلی دی۔

''ابو میرا انٹرویو بہت اچھا ہوا ہے مجھے جلد جاب ملنے کی توقع ہے۔'' بلال کا سوال درمیان میں اٹکا رہ گیا تھا اس نے انہیں بتاتے ہوئے شریک گفتگو کیا۔

''اچھا بیٹا جو تمہاری اور رب سوہنے کی مرضی۔'' آسیہ کا دل دکھ سے بھر گیا، وہ بھی بیٹے کی ترقی و خوشحالی کی متمنی تھی، اس نے بجھے دل سے اجازت دے دی تھی، ماحول پر گمبھیر خاموشی پھیل گئی تھی۔

☆☆☆

''ناجیہ تم آسیہ سے پوچھو، وہ بیاہ کے دن لینے کب آ رہی ہے۔'' حارث نے کرخت لہجے میں روٹی پکاتی بیوی کو مخاطب کیا، وہ تھوڑی دیر پہلے شہر سے لوٹا تھا، اسے ہر سال کی طرح اس بار بھی فصل کا کافی منافع ہوا تھا، وہ دو بیٹیاں بیاہ کر فارغ تھا، اب زوباریہ کی باری تھی وہ جلد از جلد اس کے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتا تھا سعد تعلیم مکمل کر چکا تھا، زوباریہ کے ایگزامز کا انتظار تھے۔

''تم کیسی باتیں کر رہے ہو، وہ جاب ڈھونڈ رہا ہے اور پھر زوباریہ کے ایگزامز کا بھی انتظار تھا۔'' ناجیہ خفگی سے بھانجے کا دفاع کرتی میدان میں کودی تھی۔

''اگر اسے جاب نہ ملی تو کیا ہم بیٹی کو گھر بیٹھا رکھیں گے۔'' ان کی دو بیٹیاں کم عمری میں اپنے گھربار کی ہوگئی تھیں اور وہ زوباریہ کی عمر میں دو دو بچوں کی مائیں تھیں، حارث کا تفکر فطری تھا۔

''ہائے ہائے بھلا وہ کیوں۔'' ناجیہ چڑ کر رہ گئی، آسیہ نے اکلوتے بیٹے کے لئے بے حد چاؤ سے زوباریہ کا ہاتھ مانگا تھا، وہ اس کا بے حد خیال رکھتی تھی ناجیہ کو بھی سعد بے حد پسند تھا، وہ اس کی طرفداری کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتی تھی۔

''میں تم سے بحث نہیں کرنا چاہتا، اگر انہوں نے اس سال سردیوں میں بیاہ نہ کیا تو میں زوباریہ کا ہاتھ بھاء فیروز کو دے دوں گا، وہ مجھ سے ڈبے لفظوں زوباریہ اور حیدر کے رشتے کا ذکر کر چکے ہیں۔'' حارث نے گویا بات ختم کر دی تھی، وہ کھانا ادھورا چھوڑ کر سونے کے لئے اٹھ گیا۔

''میں ایسا ہرگز نہ ہونے دوں گی، لگتا ہے انہوں نے تمہاری کلاس لے کر تمہیں بھیجا ہے۔

ناجیہ نے مرعوب ہوئے بغیر اپنا آخری فیصلہ سنا دیا تھا، انہوں نے فائزہ (منجھلی بیٹی) کو کتنا سکھ دیا تھا، جو وہ اب دوسری بھی انہیں دے دیتیں، بھابھی کوثر (جیٹھانی) نے اول روز سے شادی کے بعد تائی کی بجائے ساس بن کر دکھایا تھا، وہ تنہا سارے گھر کے کام کاج شیئر کر بھی سسرال میں اپنی جائز مقام نہ بنا پائی تھی صد شکر کہ (حدید) داماد بہت اچھا تھا۔

''تیری زبان بڑی چلنے لگی ہے۔'' حارث کو تاؤ آ گیا، اسے اپنا بھائی بے حد عزیز تھا۔

''میں کون سا غصہ کہہ رہی ہوں، بھابھی نے فائزہ کو کتنا سکھ دیا ہے جو میں زوباریہ کو بھی دوزخ میں دھکیل دوں۔'' وہ اپنے فیصلے سے انچ برابر پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھی اور یہی وہ نقطہ تھا جس پہ حارث بھی لاجواب ہو گیا، ناجیہ زیر لب بڑبڑانے لگی۔

☆☆☆

''آسیہ سعد کی جاب مرضی نوکری لگے تم مجھے جلدی شادی کے دن دے دو۔'' ناجیہ کام سمیٹ کر شوہر کے سوتے ہی چند قدم کے فاصلے پر موجود بہن کے گھر جا پہنچی، زوباریہ والدین کی بے حد لاڈلی تھی، وہ اسے خود سے دور نہ کرنا چاہتے تھے اسی لئے انہوں نے آسیہ کے ایک بار رشتہ مانگنے پر ہی روایتاً بھی سوچنے کی مہلت لئے بغیر ہاں کر دی تھی، سعد ہر لحاظ سے بہترین تھا انہیں زوباریہ کے رشتے کے لئے زیادہ تگ و دو بھی نہ کرنا پڑتی۔

''مگر اتنی جلدی۔'' آسیہ متذبذب تھی، ابھی اس نے شادی کی بالکل تیاری کی تھی۔

''بھاء فیروز نے حیدر کے لئے زوباریہ کا ہاتھ مانگا ہے اور حارث کو اپنا بھائی اتنا عزیز ہے کہ وہ تینوں بیٹیاں اسے دے دیتا۔'' ناجیہ جلے دل کے پھپھولے پھول رہی تھی اسے جیٹھ سے کوئی پرخاش نہ تھی اسے صرف بیٹی کا دکھ ستاتا تھا کہ وہ سسرال میں خوش نہ تھی۔

''ہائیں، کیا بھاء فیروز کو زوباریہ اور سعد کی منگنی کا نہیں پتہ ہے۔'' آسیہ کی آنکھیں حیرت کی زیادتی سے سکڑ گئیں۔

''انہیں علم ہے بس وہ بھائی کی ہمدردی جیتنا چاہتے ہیں۔'' ناجیہ نے برا سا منہ بنایا۔

''میں آج ہی بلال سے بات کرتی ہوں۔'' آسیہ بھی پریشان ہو گئی تھی، وہ دونوں بھائیوں کی محبت سے آگاہ تھی، مبادا حارث انکار کر کے بھتیجے کو رشتہ دے دیتا جبکہ سعد بھی زوباریہ کو بے حد پسند کرتا تھا آسیہ نے بہن کو بھرپور تسلی دی تو اس کا تفکر کم ہوا، وہ دونوں اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگیں۔

☆☆☆

''مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے جلدی شادی کرنے پہ۔'' آسیہ نے اسی شام شوہر سے ذکر کر ڈالا تھا، بلال نے فوراً رضامندی دے دی، سعد ان کی اکلوتی اولاد تھا وہ اس کی شادی کے تصور سے ہی نہال تھے۔

''تو پھر ابھی اٹھو۔'' آسیہ نے سرسوں ہتھیلی پر جمالی تھی۔

''بھلی مانس، ہماری تو تیاری بالکل نہیں ہے۔'' وہ ان کی جلد بازی سے محظوظ ہوئے انہوں نے تو ایک پیسہ تک نہ جوڑا تھا۔

''ہمارا سبھی کچھ ان بچوں کا ہے، شادی سادگی سے ہو گی۔'' آسیہ نے راہ سجھائی اس کا بس چلتا تو دن نہ چڑھنے دیتی اور زوباریہ کو بیاہ کر گھر لے آتی۔

''اچھا ٹھیک ہے۔'' بلال اس کی عجلت پہ دل کھول کر ہنسا تھا۔

''تم مذاق اڑا رہے ہو۔'' وہ برا مانتے ہوئے منہ پھلانے لگی۔

''نہیں بابا میں کیوں تمہارا مذاق اڑاؤں گا۔'' بلال نے نرمی سے دبی مسکراہٹ چہرے پہ سجائے فوراً اپنی صفائی پیش کی تھی، اگلے لمحے آسیہ بھی اپنی جلد بازی و بے قراری پر ہنس دی تھی۔

☆☆☆

اگلے ہی ماہ زوباریہ بیاہ کر گھر آ گئی، گھر کی رونق بڑھ گئی تھی، وہ دونوں بہو کے لاڈ اٹھاتے نہ تھکتے تھے، زوباریہ بھی ان کا خوب خیال رکھتی تھی، ناجیہ کا دل اداس ہوتا تو وہ بھی آ جاتی اور دونوں بہنوں کی گپیں نہ ختم ہوتی تھیں۔

''ناجیہ میں تمہارے لئے چائے بنا کر لاتی ہوں۔'' اس روز بھی ناجیہ آئی ہوئی تھی دونوں بہنیں کافی دیر سے حسب معمول گپیں ہانک رہی تھیں، آسیہ کو اچانک خیال آیا تو وہ بہن کا ہاتھ دباتی اٹھ گئی۔

''تم زحمت کرنے کی بجائے زوباریہ سے کہو، وہ بنا لاتی ہے۔'' ناجیہ اپنے سسرال کا قصہ چھیڑے بیٹھی تھی وہ جلے دل سے جیٹھانی کے رونے رو رہی تھی کہ سلسلہ کلام ٹوٹنے پر سخت بدمزہ ہو کر رہ گئی۔

''میں ابھی پانی رکھ کر آئی۔'' آسیہ بہن کی بدمزگی پر سخت محظوظ ہوئی۔

''تو تم زوباریہ سے کہہ دو نا۔'' ناجیہ بچوں کی طرح اٹھلائی تھی۔

''نہ بابا مجھے اپنی نئی نویلی بہو سے ابھی گھر کے کام نہیں کروانے، تم میری بہو پر نظر رکھنا بند کرو۔'' آسیہ نے لگاوٹ سے زوباریہ کا ذکر کرتے ہوئے برا مان کر بہن کو گھر کا، وہ شادی کے شروع دنوں میں اس سے کام کروانے کی سخت مخالف تھی، ابھی اس کے شوہر اور سسرال سے لاڈ اٹھوانے کے دن تھے۔

''وہ اگر اسی لاڈ پیار میں بگڑ گئی نا، تو پھر تم مجھ سے گلہ مت کرنا۔'' ناجیہ نے ساری بدمزگی بھلا کر محبت و شرارت سے بہن کو چھیڑا۔

''تم بے فکر رہو، وہ میری بہو ہے۔'' وہ نرم خو لڑکی تھی وہ بھلے زیادہ تر وقت اپنے کمرے میں گزارتی تھی مگر وہ آسیہ کا بہت خیال رکھتی تھی اگر کبھی آسیہ کھانا نہ کھاتیں تو وہ انہیں بھوک نہ ہونے کے باوجود محبت بھرے اصرار سے کھانا کھلاتی۔

''لو وہ آ گئی۔'' آسیہ آگے بڑھنے کو تھی کہ اسے آتا دیکھ کر رک گئی ناجیہ اس دیکھ کر بے ساختہ بول اٹھی تھی، وہ دونوں کی محبت بھری شریر نوک جھونک سن کر خود چائے بنا کر لے آئی تھی۔

''تم نے کیوں بنائی بھلا۔'' آسیہ خفگی سے اس پر بگڑیں۔

''خالہ آپ دونوں بہنیں پھر لڑتی کیسے؟'' زوباریہ نے شریر متبسم نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے ان کی خفگی زائل کرنا چاہی تھی۔

''امی آپ میری ساس کو غلط سلط پٹیاں نہ پڑھایا کریں۔'' وہ اب متبسم شریر چہرہ لئے ماں کی سمت متوجہ تھی۔

''میں تمہاری ماں ہی ہوں بیٹا۔'' آسیہ نے فوراً تصحیح کرنا ضروری سمجھا تھا۔

''سوری خالہ۔'' زوباریہ نے اپنی غلطی مان کر دونوں کان پکڑ لئے تو وہ دونوں اس کے بچکانہ انداز پر ہنس دیں۔

☆☆☆

جلد ہی سعد کو کال لیٹر موصول ہو گیا اسے بہترین سیلری اور پرکشش مراعات پہ جاب مل گئی تھی، آسیہ کا دل صبح سے بیٹھا جا رہا تھا اور دوپہر کو لیٹر آ گیا، وہ بے حد خوش و پرجوش تھا، وہ جوش د

خروش سے ماں کو پکارتا کال لیٹر ہاتھ میں لئے آ گیا۔

''امی۔'' وہ ستا چہرہ اور اداس دل لئے چاول صاف کرنے میں محو تھی سعد کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔

''امی مجھے جاب مل گئی ہے۔'' وہ اپنی خوشی میں ان کی اداسی بھانپے بغیر انہیں خوشخبری سنانے لگا۔

''تمہیں کامیابی مبارک ہو بیٹا۔'' آسیہ نے اداس بوجھل دل سے اسے کامیابی پر مبارکباد دی تھی۔

''امی مجھے اگلے ہفتے جوائن کرنا ہے۔'' وہ اپنی رو میں بولے جا رہا تھا، آسیہ سے کچھ مزید نہ بولا گیا، اس نے محض سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

''امی میں زوباریہ کو بھی ساتھ لے جانا چاہتا ہوں تاکہ مجھے وہاں تنہائی کوئی دقت نہ ہو۔'' سعد پہلے ہی فیصلہ کر چکا تھا کہ وہ بیوی کو بھی ساتھ لے جائے گا، زوباریہ بھی اس کے فیصلے سے متفق وخوش تھی۔

''کیا؟'' آسیہ کے آنسو بہہ نکلے تھے۔

''امی۔'' وہ جدائی و تنہائی کے احساس سے ہراساں تھیں مگر بلال کی بات میں بھی وزن تھا، اس نے اعلیٰ تعلیم بہترین طرز زندگی کے لئے حاصل کی تھی اگر اسے کھیتی باڑی ہی کرنا ہوتی تو اسے اتنا پڑھنے لکھنے کی کیا ضرورت تھی سعد نے پریشانی سے تڑپ کر ان کے آنسو اپنی ہتھیلی پر چنے تھے۔

''امی میں ہر ویک اینڈ پر آتا رہوں گا۔'' سعد نے انہیں بھرپور تسلی دی مگر آسیہ کا ممتا بھرا دل کسی طور قرار نہ پا رہا تھا۔

''امی اگر آپ کا دل مطمئن نہیں ہے تو میں نہیں جاؤں گا۔'' سعد نے محبت سے ماں کے کندھے پر سر رکھ کر انہیں یقین دلایا، آسیہ نے گہری نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی جہاں چند لمحے پیشتر کی خوشی آمیز چمک غائب تھی۔

''نہ بیٹا۔'' اسے بیٹے کو روکنا سراسر خود غرضی لگا تھا، اس کا دل کٹ کر رہ گیا۔

''تم مجھے ہر ویک اینڈ ضرور ملنے آیا کرنا سعد۔'' آسیہ کا دل اس کی یقین دہانی پر تسلی پانے لگا تھا، اس نے بیٹے کا محبت سے ماتھا چوم کر تلقین کی۔

''ضرور امی۔'' وہ اجازت ملتے ہی خوشی سے چہک اٹھا پھر وہ زوباریہ کو خوشخبری سنانے کے لئے کمرے کی طرف بڑھ گیا، آسیہ خالی الذہن نیلے آسمان کو دیکھنے لگی۔

☆☆☆

اور پھر سعد نے جاب جوائن کر لی وہ حسب وعدہ ہر ویک اینڈ پر ملنے آتا تھا، پھر آہستہ آہستہ اس کا گاؤں آنے کا دورانیہ مصروفیات کے باعث بڑھنے لگا، وقت تیزی سے گزرتا رہا، گزرے وقت میں ان کے ہاں دو بیٹے ہوئے، وہ باقاعدگی سے ہر ماہ معقول رقم گھر بھجواتا تھا، بڑھتی مہنگائی اور اخراجات کے باعث وہ گھر کم خرچ بھجواتا تھا، آسیہ اسے ہر ماہ خرچ بھجوانے سے منع کرتی، انہیں اس کے اخراجات کا احساس تھا، ان کی تمام ضروریات با آسانی پوری ہو رہی تھیں، سعد ذمہ دار بیٹا تھا وہ کم سہی مگر ہر ماہ خرچ بھجواتا تھا، وہ بڑھتے اخراجات سے مجبور والدین کو شہر بلوانے کا وعدہ ایفا نہ کر سکا، گھر میں خوب خوشحالی تھی، زندگی کے دن سہل گزر رہے تھے۔

☆☆☆

''یہ بچے کا ایڈمیشن فارم ہے۔'' شہر کے پوش علاقے میں واقع جدید طرز تعلیم سے آراستہ انگلش میڈیم اسکول کا آفس کسی شاندار بنگلہ کے

ڈرائنگ روم سے کم نہ لگ رہا تھا، جہازی شائز ٹیبل کے سامنے ریوالونگ چیئر، دیواروں پر ٹنگے قیمتی پورٹریٹ اور پینٹنگز دائیں بائیں رکھا سٹائلش سیون سیٹر صوفہ، سامنے موجود ڈیکوریشن پیس آفس کی امارت کا منہ بولتا ثبوت تھے اشمل تین سال کا ہو چکا تھا، سعد اور زوباریہ اسے سکول ایڈمٹ کروانے آئے تھے، زوباریہ آفس کا بغور جائزہ لے رہی تھی کہ پرنسپل کی آواز پر چونک پڑی۔

''آپ ثمرہ کے ساتھ جا کر بل پے کر دیں۔'' وہ کورس اور دیگر معلومات لے چکے تھے پرنسپل نے بیل بجاتے ہی نمودار ہونے والی لڑکی کی طرف اشارہ کیا وہ الوداعی کلمات کہہ کر اٹھ گئے، انہوں نے بل پے کیا۔

''یہ کافی مہنگا سکول ہے۔'' زوباریہ کو شہر کے بہترین سکول میں ایڈمیشن کروانے کا شوق تھا، بل دیکھ کر سعد کے پسینے چھوٹ گئے، ماہانہ فیس ہی کئی ہزار تھی۔

''سعد ہمیں بچوں کی بہترین تربیت کے لئے تو قربانی دینا پڑے گی۔'' وہ کسی کمپرومائز پر آمادہ نہ تھی، سعد نے اپنے تنے اعصاب ڈھیلے چھوڑ دیئے۔

''ہوں۔'' سوچوں میں گم سعد نے محض سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا، وہ غلط نہ کہہ رہی تھی، انہیں اپنے بچوں کی بہترین تربیت و پرورش کرنا تھی۔

☆☆☆

''تم اپنی صحت کا خیال رکھا کرو۔'' زوباریہ کو کافی روز سے پیٹ درد کی شکایت تھی، سعد اپنی بڑھتی مصروفیات (پارٹ ٹائم جاب) میں اسے ڈاکٹر کے پاس چیک اپ کے لئے نہ لے جا سکا تھا، وہ خود قریبی کلینک سے پیٹ درد کی میڈیسن لے رہی تھی مگر اسے کوئی افاقہ تھا، سعد تھوڑی دیر قبل آفس سے لوٹا تھا، وہ ڈنر لگاتی بمشکل ڈونگا ٹیبل پر رکھتی درد سے بے حال دہری ہوگئی تھی، چینج کر کے لوٹتا سعد اسے دیکھ کر نرمی بھری خفگی سے بگڑتا اس کی طرف تیزی سے بڑھا۔

''اٹس او کے آپ ڈنر کریں۔'' وہ چہرے پر اذیت چھپا کر جبری مسکراہٹ طاری کرتی گویا ہوئی وہ اسے پریشان نہ کرنا چاہتی تھی، کھیل میں مگن دونوں بچے پریشان صورتیں لئے اس کے گرد جمع ہو گئے تھے۔

''ہم ڈنر بعد میں کر لیں گے، چلو پہلے ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔'' سعد بے حد کیئرنگ تھا، وہ لمحہ بھر میں فیصلہ کر کے گاڑی کی چابی اٹھا کر دونوں بچوں کو لئے باہر نکل گیا تو اسے بھی ساتھ ہونا پڑا تھا۔

☆☆☆

''انہیں اپنڈکس کا درد ہے ان کا آپریشن ہو گا۔'' ڈاکٹر نے تفصیلی معائنے اور ٹیسٹ کے بعد مرض تشخیص کر کے نسخہ لکھ کر اس کی طرف بڑھایا۔

''آپ میڈیسن باقاعدگی سے دیں۔'' معمولی درد تھوڑے عرصے میں خاصی شدت اختیار کر گیا تھا، ڈاکٹر نے آپریشن ناگزیر جانا تھا۔

''جی ڈاکٹر صاحب۔'' سعد نادم تھا کہ اس کی لاپرواہی کی وجہ سے زوباریہ کو تکلیف سہنا پڑی تھی، وہ آہستگی سے سر ہلاتا اٹھ گیا۔

''مجھے آپریشن نہیں کروانا ہے۔'' اشمل کو سکولنگ کے بعد اخراجات کافی بڑھ گئے تھے، وہ دونوں بچوں کے لئے گاڑی میں آ بیٹھی، قریبی میڈیکل سٹور سے میڈیسن لے کر سعد لوٹا تو اس نے بے لچک آواز میں اپنا فیصلہ سنا ڈالا تھا، وہ بمشکل مہینہ بھر اخراجات افورڈ کرتے تھے، اب اس کے آپریشن پر مزید اخراجات اٹھ جاتے، اسے قرض سے خوف آنے لگا تھا۔

''زوباریہ ہمیں بچوں کی بہترین پرورش کے لئے پہلے خود صحت مند ہونا چاہیے۔'' سعد اس کے آپریشن کا مصمم ارادہ کر چکا تھا اس نے نرمی سے زوباریہ کو سمجھایا، وہ چپکی رہ گئی تھی۔

''ایز یو وش۔'' اس نے محبت بھری نگاہ اشمل اور سمیل پر ڈالتے ہوئے رضا مندی دے دی تھی۔

''گڈ گرل۔'' وہ اس کے با آسانی مان جانے پر مسکرا دیا تھا۔

☆☆☆

''سلمٰی تم مجھے کچھ پریشان لگ رہی ہو۔'' بلال بہن سے ملنے آئے تھے، سلمٰی اپنی پوتی نساء کے شہر میں کالج ایڈمیشن کے لئے فکر مند تھی، انہوں نے تفکر سے بہن سے استفسار کیا۔

''بلال نساء کو تعلیم جاری رکھنے کا شوق ہے مگر تم تو ہمارے حالات جانتے ہی ہو۔'' سلمٰی آپا کے اکلوتے بیٹے کے معاشی حالات بہتر نہ تھے ان کے لئے بیٹی کو شہر تعلیم کے لئے بھیجنا محال تھا۔

''آپا آپ فکر نہ کریں، سعد ہے نا، ہم اس سے بات کریں گے۔'' آسیہ نے انہیں حوصلہ دیا۔

''سچ ممانی۔'' نساء خوشی سے بے حال ہوتے ہی آ کر ان سے لپٹ گئی تھی، وہ باپ کی دیکھا دیکھی انہیں ممانی کہتی تھی۔

''بالکل سچ بیٹا۔'' بلال نے شفقت بھرا ہاتھ اس کے سر پر رکھا، نساء کا چہرہ اپنے خواب کی تعبیر پر خوشی سے دمک اٹھا تھا۔

☆☆☆

''ہیلو، ہیلو۔'' سعد کافی دیر سے گھر کال ٹرائی کر رہا تھا مگر نیٹ ورک پرابلم سے کال بار بار ڈراپ ہوئی جا رہی تھی، آسیہ بے تابی سے موبائل کان سے لگا کر ہیلو ہیلو کرنے لگی۔

''السلام علیکم امی۔'' تھوڑی دیر بعد دوبارہ بیل ہوئی آسیہ نے جونہی کال آن کی سعد بے تابی سے چھوٹتے ہی بولا تھا۔

''سعد، زوباریہ اب کیسی ہے۔'' انہیں زوباریہ کی صحت کے متعلق بے حد تشویش تھی، ناجیہ بھی متفکر سی اس کے پاس بیٹھی تھی، آسیہ نے تفکر سے مختصر مدعا بیان کیا مبادا کال ڈراپ ہونے سے بات ادھوری رہ جائے۔

''امی وہ بہتر ہے، امی میں آپ کو اس ماہ خرچ نہ بھیج سکوں گا، اگلے ماہ اکٹھا دے دوں گا۔'' علاج پر خاصا خرچ آیا تھا، زوباریہ کا آپریشن کامیاب رہا تھا، وہ ڈسچارج ہو کر گھر آ چکی تھی، ڈاکٹر نے مکمل بیڈ ریسٹ کی تاکید کی تھی، سعد نے فل ٹائم میڈ رکھ لی تھی، اسی لئے وہ اخراجات بڑھنے سے گھر خرچ نہ بھیج سکا تھا، اس نے ماں کو خیریت سے آگاہ کرتے ہوئے معذرت کی، یہ پہلا موقع تھا کہ وہ لاکھ بچت کے باوجود گھر خرچ نہ بھیج سکا تھا، اسے علم تھا کہ وہاں اس کے پیسوں کی کسی کو ضرورت نہیں ہے مگر وہ اپنے فرائض سے غافل نہ ہونا چاہتا تھا۔

''نہ بیٹا نہ، تم پیسوں کی فکر نہ کرو، زوباریہ کا خیال رکھو۔'' وہ پریشان تھا، وہ احساس ذمہ داری سے لبریز سعد پر دل میں فخر کرتی اسے محبت سے تسلی دینے لگیں۔

''امی ایکچوئیلی اس ماہ میڈ رکھی ہے تو۔'' وہ وضاحت دینے کو تھا۔

''سعد تم فکر نہ کرو۔'' آسیہ نے اسے فوراً ٹوک دیا، ناجیہ دونوں کی گفتگو سنتی مسکرا رہی تھی، اس کے چہرے پر اطمینان چھا گیا تھا، سعد نے تھوڑی دیر اِدھر اُدھر باتیں کر کے فون بند کر دیا تھا۔

☆☆☆

"ہم اس سال گھر پختہ کروالیں گے۔"

آسیہ فون سن کر پریشان تھی اسے سعد کی تشویش متفکر کررہی تھی ماحول پر بوجھل خاموشی چھائی تھی، بلال نے دانستہ ان کا ذہن بٹانے کے لئے ذکر چھیڑ دیا تھا، انہیں رحمو کا دیا مشورہ راس آ گیا تھا، گھر میں خوشحالی راج کرنے لگی تھی، گھر پرانا اور ناگفتہ بہ تھا۔

"بلال، سعد بہت پریشان ہے۔" سوچوں میں گم آسیہ نے چونک کر گہرا سانس بھرتے ہوئے آہ بھری، ان کی سوئی بیٹے میں اٹکی تھی۔

"ہوں، شہر میں اس مہنگائی کے دور میں رہنا بھلا آسان کہاں ہے۔" بلال بھی پریشان تھا مگر وہ اپنی پریشانی چھپائے بیوی کو تسلی دینے کی سعی کر رہا تھا، آسیہ نے ذکر چھیڑا تو وہ دکھی دل سے گویا ہوا تھا۔

"ہم اس سال گھر پختہ کروانے کی بجائے سعد کی مالی مدد کرتے ہیں۔" آسیہ کا چہرہ انجانی خوشی سے دمک اٹھا تھا۔

"ہوں، یہ ٹھیک رہے گا۔" آسیہ نے مکمل پلان سے انہیں آگاہ کیا وہ بھی متفق تھے۔

"ہم کل ہی شہر چلتے ہیں۔" وہ بیٹے بہو اور پوتوں سے ملنے کو مچل اٹھیں۔

"پہلے سعد سے نساء کی بات تو کرلو۔" بلال نے یاد آنے پر آسیہ کو مخاطب کیا۔

"آپ میری اس سے بات کروائیں۔" ناجیہ اپنے گھر جا چکی تھی، آسیہ نے دوبارہ کال ملوائی۔

"ہیلو امی، خیریت۔" سعد نے جلدی کال پک کرلی، وہ تھوڑی دیر پہلے ان سے بات کر چکا تھا، خلاف توقع ان کی کال نے اسے چونکایا تھا۔

"بیٹا ہم تم سے ملنے آرہے ہیں۔" آسیہ نے چہکتے ہوئے پرمسرت لہجے میں بتایا۔

"اچھا کب۔" سعد بھی خوش ہوگیا۔

"ہم جلدی آئیں گے، بیٹا نساء کالج میں پڑھنا چاہتی ہے تم......" وہ نساء کے متعلق اسے آگاہ کرنے لگیں، وہ چاہتی تھیں کہ سعد اس کے اخراجات برداشت کرے۔

"امی آپ اسے رہنے دیں، میں فی الحال مزید اخراجات افورڈ نہیں کر سکتا ہوں۔" سعد نے دوٹوک لہجے میں انکار کر دیا تھا۔

"میں کچھ نہیں جانتی میں آپا کو زبان دے چکی ہوں۔" آسیہ نے قطعیت سے کہہ کر فون بند کر دیا۔

"امی...... امی میری بات تو سنیں۔" دوسری جانب سعد جھنجھلا اٹھا تھا، مگر آسیہ پر کوئی اثر نہ ہوا تھا، بلال اور آسیہ کو مان تھا کہ وہ ان کا مان نہ توڑے گا، وہ جلد شہر جانے کی تیاری کرنے لگیں۔

☆☆☆

وہ ماضی سے حال میں کھٹکے پر لوٹ آئی، نساء کچن میں پانی پینے آئی تھی، زوباریہ کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہونے لگیں، وہ اسے نظر انداز کرتی کروٹ بدل کر سونے لگی تھی۔

"سعد تمہاری جاب کیسی جا رہی ہے۔" وہ چند روز سے الجھا الجھا تھا، اس نے دوبارہ برملا نساء کے آنے پر کوئی اعتراض نہ کیا تھا، نساء نے آتے ہی میڈ کی چھٹی کروا کر سارا گھر سنبھال لیا تھا، وہ بے حد پھرتیلی اور چست لڑکی تھی، آسیہ اس کا برابر ہاتھ بٹاتیں، وہ زوباریہ اور بچوں کا خیال رکھ رہی تھیں، سعد آفس سے آکر ڈنر کے بعد خوشگوار موڈ میں بلال سے محو گفتگو تھا کہ آسیہ نے گفتگو کا آغاز کیا، وہ دونوں شہر رہنے کا حتمی فیصلہ کر چکے تھے انہوں نے رحمو چاچا سے زمین اور گھر کا سودا طے کرلیا تھا، وہ تمام رقم سعد کو ذاتی

بزنس کے لئے دینا چاہتے تھے تاکہ وہ معاشی بوجھ سے آزاد ہو، انہیں سعد سے بات کرنے کا مناسب موقع نہ مل رہا تھا، آسیہ کو بیٹے کے خوشگوار موڈ سے حوصلہ ہوا تھا۔

''الحمدللہ امی، میری بہترین گزر اوقات ہو رہی ہے۔'' سعد نے محبت سے ماں کو تسلی دی۔

''بیٹا تم جتنی محنت ڈبل جاب میں کر رہے ہو، اگر اتنی محنت ذاتی بزنس میں کرو تو۔'' بلال نے آسیہ کا اشارہ پا کر گفتگو میں حصہ لیا، انہوں نے دانستہ بات ادھوری چھوڑ کر اس کے چہرے کے تاثرات جانچے تھے۔

''بات تو آپ کی بالکل درست ہے مگر ابو میرے پاس اتنا سرمایہ نہیں ہے۔'' سعد کو مشورہ بے حد بھایا تھا مگر وہ ہوائی قلعے تعمیر کرنے کے حق میں نہ تھا، اس نے والدین کو جھوٹی آس نہ دلائی۔

''بیٹا ہم اپنا گھر اور زمین بیچ کر شہر رہائش اختیار کر لیتے ہیں۔'' آسیہ شہر رہائش کے سخت خلاف تھیں، انہیں اپنا آبائی گھر بے حد عزیز تھا، انہوں نے سعد کے سر پر بم پھوڑا تھا۔

''کیا؟'' سعد تحیر بھری مسرت سے اپنی جگہ اچھل پڑا تھا۔

''امی اس سے بڑی خوشی اور کیا ہو سکتی ہے میرے لئے۔'' سعد خوشی سے بے قابو ہو کر چہکا۔

بعض اوقات انسان کے گمان سے مختلف حقیقت آشکار ہو کر اسے شرمندگی سے دوچار کر دیتی ہے، زوباریہ ان سے سخت بدگمان تھی اور وہ ان کے لئے بھلا سوچ بیٹھے تھے، وہ نادم رہ گئی۔

''سعد ہمارا سب کچھ تمہارا ہے، تم سخت محنت کر رہے ہو تو اپنا بزنس سٹارٹ کر لو۔'' آسیہ نے دل میں بیٹے کی خوشیوں سے سجے چہرے کی نظر اتارتے ہوئے اس کے کندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھا تھا۔

''تمہاری کیا رائے ہے بیٹا۔'' کمرے میں مبہم سکوت پھیلا تھا، بلال نے اس کی رائے مانگی تھی۔

''تھینک یو ابو۔'' سعد خوشی سے ان کے سینے لگ گیا، وہ خود کو بے حد ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا، وہ ان سے کتنا بدگمان تھا جبکہ وہ اسی کے بھلے کے لئے آئے تھے، اسے لمحہ بھر کو ندامت نے گھیر لیا۔

اولاد اپنے معیار کے سانچے میں بعض اوقات والدین کے متعلق غلط تجزیہ کر لیتی ہے، اس کے تمام اندیشے بھیانک ثابت ہوئے تھے، وہ فراموش کر بیٹھا تھا کہ والدین اولاد کے خیر خواہ ہوتے ہیں۔

''امی میں نساء کے ایڈمیشن کے لئے کل پراسپیکٹس لیتا آؤں گا۔'' سعد نے دھیمی آواز میں انہیں بتایا، زوباریہ اور سعد ندامت سے نظریں نہ اٹھا پا رہے تھے۔

بعض اوقات انسانی خود ساختہ سوچیں اور خود غرضی انسانی رشتوں کو خوبصورتی نگل جاتی ہیں، وہ دونوں اپنا بھرم قائم رہنے پر رب کے متشکر تھے ان کا بھرم نہ ٹوٹا تھا، اشمل ہوم ورک جبکہ سمیل کھیل میں مگن تھا، آسیہ نے پرمسرت نگاہ اپنے گھر کی خوشیوں پر ڈالی، ان کے گھر کی رونق لوٹ آئی تھی، زندگی کی خوشیاں جگنوؤں کی مانند جگمگا اٹھی تھیں۔

☆☆☆

امید کے دیے

زرقا سکندر

شام کا اندھیرا ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا، ادھر اس کے قدم بھی تیز ہوتے جا رہے تھے۔

"آج میری خیر نہیں ہے، عزیز نے نہیں چھوڑنا، بھوک میں اسے کچھ نظر نہیں آتا، سب اس کی ایک ٹھوکر کی مار ہیں کوئی برتن ڈبہ کوئی کرسی میز یا پھر میں۔" اپنے نام پر اسے جھرجھری سی آ گئی۔

"یا اللہ پاک میری مدد فرما، عزیز کے دل میں میرے لئے رحم ڈال دینا۔" بے اختیار اس کے منہ سے دعا نکلی تھی، تیز چلنے کی وجہ سے اب جوتی نے بھی جواب دے دیا پھر بھی پاؤں گھسیٹتے ہوئے کسی طرح گھر پہنچ گئی، اندر قدم رکھتے ہی اس کا دل دھک سے رہ گیا، کیونکہ عزیز سامنے ہی چارپائی پہ بیٹھا تھا، غصے سے بھرا ہوا وہ اسی کا منتظر تھا، اسے دیکھتے ہی غرایا۔

"آ گئی ہے مہارانی؟ یہ تیرا گھر آنے کا ٹیم (ٹائم) ہے، نہ تجھے پیچھے کی بھی کوئی فکر ہے کہ نہیں؟"

"پیچھے کی فکر ہے تو جاتی ہوں۔" لیکن یہ بات صرف اپنے دل میں ہی سوچ سکی زبان پر لانے کا مطلب اچھی طرح جانتی تھی اس لئے جواباً صرف اتنا کہہ پائی۔

"کیس آ گیا تھا، چودھرانی نے بلایا تھا ان کی بہو کے ہاں بیٹا ہوا ہے۔"

"مجھے کہانیاں مت سنا جا کے روٹی پکا بھوک سے آنتیں دوہری ہو رہی ہیں۔" عزیز نے ناگواری سے اس کی بات کاٹی، بس پھر کیا تھا، امینہ کو تو جیسے پر لگ گئے جلدی سے برقعہ اتار کے وہیں چارپائی پر پھینکا اور باورچی خانے میں جا گھسی، توا چولہے پر رکھ کے لگی پیڑے بنانے، وہ تو شکر ہے اس کی بڑی بیٹی ارم نے ماں کے آنے سے پہلے آٹا گوندھ چھوڑا تھا ورنہ تو عزیز کے ہاتھوں دھنائی پکی تھی، کھانے میں ذرا سی بھی دیر اس کے مزاج کو درہم برہم کر دیتی تھی اور نتیجہ امینہ کی پٹائی پر نکلتا تھا، ساتھ تھیلے سے ایک ڈبہ بھی نکال لیا، یہ بکرے کے گوشت کا سالن تھا جو چودھرانی نے آتے ہوئے دیا تھا، ایک لفافے میں مبارکباد کی مٹھائی اور ساتھ میں پیسے بھی دیئے تھے۔

ادھر امینہ توے سے پھلکا اتارتی ادھر ارم ایک پکڑ لیتی اور پھرتی سے لے جا کر باپ کی چنگیر میں جا رکھتی، کتنے ہی پھلکے اتر گئے لیکن عزیز کی شکم سیری نہ ہو سکی، ارم سے چھوٹے تینوں بہن بھائی ماں کے پاس بیٹھے اپنی باری کے انتظار میں تھے۔

"ارے مجھ بوڑھی کو بھی دو نوالے دے دو، صبح سے ایسے ہی پڑی ہوں بھوک سے دم نکلا جا رہا ہے، امینہ آ گئی ہے تو کیا؟" وہ ساس کی آواز پر چونکی، پھلکے ڈالنے اور اتارنے کے چکر میں ایسی محو ہوئی کہ اندر بیٹھی ساس کو بھی بھول بیٹھی تھی۔

"ارم جا میری بچی پہلے دادی کو کھانا دے آ۔"

"امی دادی بھی ایسے ہی بول دیتی ہیں کہ

میں صبح سے بھوکی ہوں، دوپہر میں ملکوں کے گھر سے گوشت والے چاول آئے تھے، اتنی بھری ہوئی بڑی پلیٹ۔'' ارم ہاتھ کے اشارے سے ماں کو پلیٹ کی چوڑائی بتارہی تھی۔

''سارے دادی نے ہی کھائے ہیں اور مجال ہے جو کسی بچے کو ایک نوالہ بھی دیا ہو، بعد میں اتنا سارا پھل بھی کھایا، شام کو تو میں نے خود چائے بنا کے دی تھی بڑے پیالے میں ساتھ باقر خانی بھی دی تھی۔'' ارم بڑی رازداری سے ماں کو بتارہی تھی کہ کہیں باپ تک اس کی آواز نہ پہنچ

جائے۔
''ہوں بری بات ہے، ایسے دوسروں کا کھانا نہیں گنتے اللہ میاں ناراض ہوتے ہیں۔''
امینہ نے پھلکا چنگیر میں رکھتے ہوئے بیٹی کو جھڑکا تو وہ خاموشی سے کھانا لے کے چلی گئی۔

''امینہ کچھ میٹھا کھانے کو ہے تو وہ بھی بھجوا دے۔'' کھانا ختم کرنے کے بعد عزیز نے چارپائی پر بیٹھے بیٹھے ہی اگلا حکم جاری کیا، تو اس نے فوراً مٹھائی کے لفافے کی گرہ کھولی اور گھی میں تربتر بڑے بڑے دو بالوشاہی پلیٹ میں نکال کر اسے بھجوا دیے، وہ کسی روبوٹ کی طرح اپنے شوہر کے حکم کی تعمیل کر رہی تھی۔

''آ گئی ہے تیری ماں سیر سپاٹے کر کے؟'' ارم نے جیسے ہی کھانا دادی کے آگے رکھا، وہ تو نجانے کب سے جلی بیٹھی تھی پھٹ پڑی۔

''نا دادی میری امی پھرنے نہیں کیس کرنے جاتی ہیں۔'' ماں پر دادی کی گولہ باری ارم کو پسند نہ آئی اس لئے ماں کا دفاع کرتے ہوئے بولی۔

''اس کے کیس نہیں مکنے (ختم) ہم نے مک (ختم) جانا ہے، مجھے معذور کو بچوں کے آسرے پر پھینک کے چلی جاتی ہے کیا ہے جی کہ میرا کیس آ گیا ہے، تم بچوں نے مجھے کیا خاک سنبھالنا ہے جنہیں ابھی خود ماں کی ضرورت ہو۔'' اپنا غصہ نکال کر دادی تو کھانے پینے میں مشغول ہو گئی جب کہ ارم ماں کی ناقدری پر کڑھتی ہوئی واپس لوٹ آئی۔

اپنے بچوں کو کھانا کھلانے کے بعد وہ بہت تھک چکی تھی، کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے کمر سیدھی کرنے کے لئے بستر پر جا لیتی عزیز تو کب کا باہر نکل چکا تھا۔

''امینہ کدھر ہے تجھے آرام سے فرصت ہو تو آ ذرا میری ٹانگوں کی مالش کر دے۔'' ساس کے بلانے پر اسے اٹھنا پڑا، کچھ عرصہ سے اس کی دونوں ٹانگیں بالکل ہی چلنے پھرنے سے عاری ہو چکی تھیں لیکن اپنی زبان سے بڑے بڑے پہلوانوں کو بھی چت کرنا جانتی تھی، یہاں تو پھر امینہ تھی اس کے آگے نہ بولنے والی، ہر حکم بجا لانے اور ہر وار سہنے کو ہر دم تیار، وہ ایک ایسی پتلی بن چکی تھی جس کی ڈور کبھی ساس تو کبھی خاوند کے ہاتھ میں ہوتی، اپنے یا بچوں کے بارے میں سوچنے کا وقت کم ہی مل پاتا تھا، ساس کو دبانے اور مالش کرنے کے بعد وہ پھر بستر پر جا گری۔

☆☆☆

''امی آپ نے تو کھانا بھی نہیں کھایا، ادھر ہی لا دوں تھوڑا سا کھا لیں۔'' تیرہ سالہ ارم اس کی غم خوار بیٹی پاس بیٹھی پوچھ رہی تھی۔

''نہیں مجھے بھوک نہیں ہے۔'' اس نے انتہائی تھکے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

''تو پھر گرم دودھ کا گلاس لے آؤں۔''

''بیٹا مجھے کچھ نہیں چاہیے تم بھی جا کر سو جاؤ سارا دن چھوٹے بہن بھائیوں کو دیکھتی رہی ہو۔'' ماں نے پیار سے چمکارا۔

''امی میں سو جاؤں گی پہلے آپ کے پاؤں دبا دوں۔'' باوجود اس کے منع کرنے کے ارم بضد رہی تو اسے بھی ہار ماننا پڑی، اس نے ماں کے پاؤں کیا دبانا شروع کیے کہ وہ جیسے بالکل پرسکون ہو گئی، کھیل کھیل کر تھکے ہوئے کسی معصوم بچے کی مانند جو بستر پر لیٹتے ہی سیدھا نیند کی وادیوں میں جا پہنچتا ہو، ارم کتنی دیر ماں کو دباتی رہی یہاں تک کہ پورا کمرا اس کے خراٹوں سے گونجنے لگا تو وہ بھی جا کر لیٹ گئی، عزیز کس وقت گھر آیا، امینہ کو کچھ پتہ نہ چلا ارم نے ہی اٹھ کر دروازہ کھولا تھا۔

وہ ایک تجربہ کار مڈوائف تھی، ارد گرد کے

کتنے ہی گاؤں میں اس کے کام کی شہرت تھی، روزانہ کے ایک دو کیس آ جاتے بلکہ کئی بار اسے لوگوں کے گھروں میں بھی جانا پڑتا تھا، میڈ وائف کی تربیت اس نے شادی سے پہلے حاصل کی تھی، اس کی ماں ان لوگوں میں سے تھی جو شادی سے پہلے بیٹیوں کے لئے کوئی نہ کوئی ہنر سیکھنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ شادی کے بعد بوقت ضرورت اسے استعمال میں لاسکیں۔

☆☆☆

امینہ سے شادی کے وقت عزیز شہر کی فیکٹری میں مزدوری کرتا تھا، باپ کی بیماری کا سن کے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر گاؤں آ گیا تو پھر یہاں کا ہی ہو گی، یہاں تک کہ باپ کے مرنے کے بعد کوئی ڈھنگ کا کام نہ کر پایا، پہلے بچے چھوٹے تھے تو کسی نہ کسی طرح گزارا ہو جاتا تھا، گو امینہ نے بہتری کوشش کی کہ وہ گاؤں کے آس پاس کسی مل میں لگ جائے لیکن اس کی ایک نہ چلی، ہفتے میں دو ڈھائی دن ہی مزدوری کرتا اور باقی دن یار دوستوں کی محفلوں میں بیٹھتا، ماں باپ کی اکلوتی اولاد ہونے کی وجہ سے کچھ لاڈ پیار سے بھی بگڑا ہوا تھا، اوپر سے مزاج کا بھی سخت تھا، غصے میں بیوی پر ہاتھ اٹھانے سے بھی نہ چوکتا تھا، بات فاقوں پر آ چکی تھی اس لئے امینہ کو مجبوراً اپنے بچوں کی خاطر میڈ وائف کا کام کرنا پڑا اور اب یہ حال تھا کہ وہ اکیلی ہی پورے کنبے کی ذمہ داری اٹھائے ہوئے تھی۔

دھڑ دھڑ رات کے کسی پہر باہر کا دروازہ بج رہا تھا، عزیز ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

''کون ہے؟'' وہ چلایا۔

''بھائی عزیز میں سرور ہوں، میری بیوی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، کچھ دیر کو بھابھی کو بھیج دے تیری بڑی مہربانی ہوگی۔''

''اٹھ جا تیرا کیس آیا ہے۔'' عزیز نے بے خبر سوئی بیوی کو جا جھنجھوڑا۔

''ایک تو میں تیرے ان کیسوں سے بڑا تنگ ہوں لوگ دن دیکھتے ہیں نہ رات بس دوڑے چلے آتے ہیں سارے عالم میں تو ہی ایک سیانی ہے باقی ساری تو مر کھپ گئی ہیں کہیں۔'' اٹھتے ہی امینہ نے دوڑ کر اپنا دوائیوں والا بیگ اٹھایا چپل پاؤں میں اڑسی، اس کی بڑبڑاہٹ کو نظر انداز کرتے ہوئے چادر لپیٹ کے باہر نکل گئی۔

فجر کی اذانیں شروع ہو چکی تھیں جب وہ گھر واپس آئی، گھر آ کے نماز پڑھنے کے بعد سو رہی مگر اندر سے آتی ساس کی آوازوں سے اسے اٹھنا پڑا جو اسے بلا رہی تھی۔

''اے امینہ مجھے غسل خانے میں لے جا۔'' امینہ نے اٹھتے ہی جیسے پورا گھر بیدار ہو گیا، بچے اور عزیز سب اٹھ بیٹھے تھے، یوں ایک اور دن بہت ساری مصروفیات لئے اس کے انتظار میں تھا۔

☆☆☆

''ارم یہ کپڑے پکڑ لے سل گئے ہیں تم دونوں ماں بیٹیوں کے اور ماں سے کہنا کبھی چکر لگا لیا کرے میری طرف بھی، بڑے دنوں سے شکل ہی نہیں دیکھی اس کی۔'' امینہ کی سہیلی شمع نے باہر سے ہی آواز لگائی۔

''خالہ اندر آ جائیں امی ابھی گھر پر ہی ہیں۔'' ارم اسے اندر لے آئی۔

''امینہ تو اس وقت گھر پہ ہے خیر تو ہے، کوئی کیس نہیں آیا آج تیرا؟'' شمع نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔

''کیا کیس ہونے ہیں ادھر اپنی زندگی ہی ایک نہ حل ہونے والا کیس بن گئی ہے۔'' امینہ سرد

آہ بھر کر بولی، وہ تو پہلے ہی دکھی بیٹھی تھی، عزیز آج پھر اسے مار پیٹ کے پیسے چھین لے گیا تھا۔
"جو کماتی ہوں وہ یار دوستوں میں اڑا آتا ہے، مفت کی بیٹھ کے کھاتا ہے، لمبی تان کے سوتا ہے نہ گھر بار کی کوئی فکر نہ بچوں کا دھیان، میں سارا دن دھکے کھاؤں اس کی بلا سے کیا قسمت ہے میری۔"
"شمع تو اپنی سنا میری چھوڑ یہ تو روز کا رونا ہے۔" امینہ اپنی تکلیف بھول کر اس سے پوچھ رہی تھی۔
"کیا سناؤں تجھے خالد اپنی حرکتوں سے باز ہی نہیں آتا دوسری عورت کے پیچھے پاگل ہے، اپنی ساری کمائی اسی پر وار کے آتا ہے، حرام ہے جو اس نے کبھی بچوں کے لئے یا گھر پہ کچھ دیا ہو، میں ہی کپڑے سی سی کے بچے پال رہی ہوں گھر چلا رہی ہوں، کیا فائدہ میرے کامیاب درزن ہونے کا جب خاوند ہی پرواہ نہ کرے، کیسی بد نصیب ہوں میں جس کا خاوند بھی اپنا نہ ہو۔" بولتے بولتے شمع سسک پڑی۔
"پتہ ہے شمع عورت کے لئے اس کا خاوند ہی سب کچھ ہوتا ہے، وہ غریبی سہہ لیتی ہے بڑے سے بڑا دکھ برداشت کر لیتی ہے، لیکن خاوند کی لاپرواہی اسے اندر تک توڑ دیتی ہے، کاش میں ذرا بھی سیانی نہ ہوتی، کوئی عقل یا ہنر میرے پاس نہ ہوتا، بس صرف خاوند کی نگاہ میں میرے لئے عزت ہوتی، اسے کام کرنے کا کہوں تو ہاتھ اٹھا لیتا ہے، بات بے بات طلاق کی دھمکی دیتا ہے۔" بات کرتے ہوئے امینہ کی آنکھیں پانی سے بھر گئی تھیں۔
"امینہ خاوند کا سکھ ہم دونوں کی قسمت میں ہی نہیں ہے، اس لئے دل جلانے کا کوئی فائدہ نہیں، اوپر اللہ کی ذات ہے وہ سب کچھ دیکھ رہی ہے۔" شمع نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی۔
"تو ٹھیک کہتی ہے میں نے عزیز کو راہ پر لانے کے لئے ہر طرح سے کوشش کر دیکھی ہے پر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔"
"اب تو صرف بچوں کی خاطر ہی جیتی ہوں اور محنت کرتی ہوں، ان کو پڑھانا لکھانا ہے۔"
"ہاں امینہ میری بھی یہی خواہش ہے کہ پڑھا لکھا کر بچوں کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہوتے دیکھوں، ہم نے اپنے بچوں کو اچھا اور نیک انسان بنانا ہے عزیز یا خالد نہیں۔"
"تم ٹھیک کہتی ہو۔" امینہ نے اپنی سہیلی کی بات کی تائید کی۔
"مجھے اللہ پاک کی ذات پر بڑی امیدیں ہیں وہ ہمارے صبر اور محنتوں کا پھل ضرور دے گا ان سب بچوں کو نیک اور کامیاب بنا کے۔" صحن میں کھیلتے بچوں کی طرف اشارہ کر کے شمع بول رہی تھی۔
"یہ جو غم کی رات ہے بھاری ضروری ہے پر ختم ہو جانی ہے، دیکھ لینا سویر ہو کے رہنی ہے، ہمارے بچے اب ہماری امید ہیں، یہ وہ دیے ہیں جو اللہ کی ذات نے چاہا تو ایک نہ ایک دن ضرور روشنی دیں گے، چمکیں گے۔"
"انشاء اللہ۔" ان کے منہ سے یہ یک زبان نکلا دونوں سہیلیوں نے نم آنکھوں کے ساتھ مسکراتے ہوئے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، جہاں دونوں چہروں پر مستقبل کے لئے بہت سارے خواب سجے تھے جن کو پورا کرنے کے لئے اب یہ دونوں پر عزم ہو چکی تھیں۔

☆☆☆

ابھی وقت ہے

سباس گل

”حامد یار میں کب سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں کہاں مر گئے تھے؟“ ارسلان بیگ نے اسے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے دیکھ کر ناراضگی سے کہا وہ حامد کے گھر آیا ہوا تھا اور وہ اسے ٹائم دے کر گھر سے غائب ہو گیا تھا اس دوران ارسلان بیگ کو کولڈ ڈرنک پیش کر دی گئی تھی مگر حامد کے دیر سے آنے پر وہ گرم ہو رہا تھا۔

”مرا نہیں تھا، زندہ تھا اور زندہ لوگوں کے لئے شاپنگ کرنے گیا تھا تمہیں تو پتا ہے کہ خواتین کی شاپنگ میں صبح سے شام ہو جاتی ہے بس آج بیگم کو خوش کرنے کا موڈ تھا سو شاپنگ کرانے لے گیا۔“ حامد نے ہاتھ میں موجود شاپنگ بیگز میز پر رکھ کر صوفے پہ بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔

”یہ تم جیسے مرد ہی ہوتے ہیں جو بیوی کی ناز برداریاں کر کے اسے سر پہ چڑھا لیتے ہیں پھر وہ دو بدو بولتی ہے حق مانگتی ہے، دبتی ہے نہ عزت کرتی ہے شوہر کی، کل راحیل کے گھر گئے تھے دیکھا تھا اس کی بیوی کے ہاتھ سے پانی بھرا گلاس کارپٹ پر گر گیا تھا اور موصوف نے اسے مسکراتے ہوئے بس اتنا کہا تھا۔“

”کوئی بات ہی نہیں تم پانی اور لے آؤ۔“

”ہونہہ زن مرید اسی کی جگہ اگر میری بیوی یہ حرکت کرتی تو میں مہمانوں کے سامنے ہی اس کی وہ درگت بناتا کے ساری زندگی یاد رکھتی۔“ ارسلان بیگ نے سختی سے کہا۔

”تم جیسے بے حس آدمی سے یہی توقع کی جا سکتی ہے اپنی اخلاقی پستی کا ہی ثبوت دیتے تم ایسا کر کے اور ایسے بدلحاظ بداخلاق ظالم شوہروں کی بیویاں ان سے نفرت کرتی ہیں مائی ڈیئر فرینڈ، بیوی کی عزت اگر تم دوسروں کے سامنے نہیں کرو گے تو دوسرے بھی تمہارے عزت کہیں نہیں کریں گے، خیر یہ جوتوں کا ڈبا سنبھالو۔“ حامد نے اپنی بات ختم کرتے ہوئے میز پر رکھا شاپنگ اٹھا کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

”میں اس کا کیا کروں؟“ ارسلان بیگ نے شاپنگ بیگ پکڑ کر پوچھا۔

”اپنی بیوی کو اس جوتے کی نوک پر رکھنا۔“ وہ چڑ کر طنز سے بولا۔

”وہ تو میں نے اسے پہلے ہی رکھا ہوا ہے۔“ وہ بڑے فخر سے بولا۔

”صرف ایک سال ہوا ہے تمہاری شادی کو اور تم نے بھابھی کی زندگی اجیرن کر کے رکھی ہوئی ہے حالانکہ شادی کے شروع کے کم از کم دو تین سال تو بھرپور محبت اور اپنائیت کا اظہار مانگتے ہیں۔“ حامد نے اسے تاسف سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”بیوی پاؤں کی جوتی ہوتی ہے اور جوتی کو سر پر نہیں رکھا جا سکتا۔“

”تو کبھی پہن کر آؤ نا پاؤں میں اپنی بیوی یعنی جوتی کو۔“

”بکواس مت کرو۔“ ارسلان بیگ نے بھڑک کر کہا۔

”بکواس میں نہیں تم کرتے رہے ہو اب تک بیوی عزت ہوتی ہے اور تم خود ہی اپنی عزت تار تار کرتے رہتے ہو۔“

”بیکار کی باتیں مت کرو۔“ ارسلان بیگ نے نگاہ چرائی۔

”یہ بیکار کی نہیں بلکہ بڑی کارآمد باتیں ہیں دوست، سب یار لوگ تمہارا مذاق اڑاتے ہیں کے کتنا بے حمیت اور بے غیرت مرد ہے اپنی بیوی پر ظلم کرتا ہے صنف نازک پر ہاتھ اٹھاتا ہے، ایک کمزور عورت پر رعب جماتا ہے اور اسے اپنے رعب اور خوف میں رکھ کر سمجھتا ہے کہ کائنات پر

حکمرانی کر رہا ہے، عورت پہ حکمرانی کر رہا ہے، بیوی کو پاؤں کی جوتی زر خرید لونڈی یا کنیز سے بدتر درجہ دینے والا خود کتنا پست ذہن، سطحی سوچ کا مالک اور گھٹیا شخص ہے جو بظاہر بڑا معزز بنا پھرتا ہے دوسروں کے سامنے۔''

''شٹ اپ۔'' ارسلان بیگ کی غیرت انا اور مردانگی پر تازیانہ لگا تھا وہ بلبلا کر چیخا مگر حامد نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''تمہارے اپنی بیوی سے اس ہتک آمیز ظالمانہ، سفاکانہ اور بے حس رویے اور سلوک کے سبب تمہاری بیوی کے دل میں تمہارے لئے کوئی عزت اور محبت نہیں ہوسکتی، سوائے خوف کے اس کے دل میں تمہارے لئے کوئی نرم کومل احساس نہیں جاگتا ہوگا، تم نے اپنی شادی کے شروع کے دن ہی اپنی بیوی کے دل میں اپنا مقام گنوا دیا ہے، اپنی نادانیوں کے سبب ضائع کر دیئے، کتنے خوشگوار اور پیار بھرے پر بہار لمحے تم نے اپنی بیکار کی انا اور حاکمیت کی خواہش میں گنوا دیئے ہیں، نہ تم اپنی زندگی کا لطف اٹھا رہے ہو اور نہ اپنی بیوی کو کوئی خوشی دے رہے ہو تم نے خود اپنے پر اپنی معصوم بیوی پر محبتوں اور مسرتوں کے در بند کر رکھے ہیں اور تم سمجھتے ہو تم اپنی بیوی پر حکمرانی کر رہے ہو، حکمرانی صرف محبت اور اپنائیت بھرے رویے، جملے اور لہجے سے ہی ممکن ہے، تمہاری بیوی اگر تم سے خوش نہیں ہے تو پھر کس بات کی حکمرانی اور کیسی حکومت؟ دلوں پر حکومت کرنا ہی اصل حکمرانی ہے. دل کا حکمران ہی اصل فاتح ہوتا ہے ارسلان بیگ دل کو تسخیر کرنا سب سے بڑی کامیابی، فتح اور جیت ہوئی ہو اور تم، تم ایک ناکام ہارے ہوئے اور شکست خوردہ انسان ہو اپنی جیون ساتھی کی ہی محبت اور عزت تمہیں میسر نہیں ہے تمہارے گھر میں داخل ہوتے ہی تمہاری بیوی خوشی کی بجائے خوف میں گھر جاتی ہوگی، بیوی تو شوہر کے دو میٹھے بول سن کر اپنے دل میں اس کی محبت و عزت کے محل کھڑے کر لیتی ہے تم اس سے دو میٹھے بول بولنے کی نیکی بھی نہ کر سکے تم اپنی بیوی کے دل میں اپنے لئے عزت پیدا نہ کر سکے تو دوسرے تمہیں کیا خاک عزت دیں گے مان لو کہ تم ایک تنگ دل جابر، ظالم تنگ ذہن بے حس اور عورت کے معاملے میں سطحی سوچ رکھنے والے شخص ہو۔'' حامد نے بھی سنجیدگی اور سفاکی سے اسے اس کا اصل چہرہ دکھاتے ہوئے کہا تو وہ چلا کر بولا۔

''شٹ اپ۔''

''آئینہ تم کو دکھایا تو برا مان گئے۔'' حامد نے ہنس کر کہا وہ غصے بے قراری اور بے چینی کے عالم میں اٹھ کر ٹہلنے لگا، حامد کی باتیں اسے سچ معلوم ہو رہی تھیں، اس انداز سے تو اس نے کبھی سوچا ہی نہ تھا۔

''تم اپنی نام نہاد انا اور حاکمیت کے چکر میں سب کچھ ہار دو گے اب بھی وقت ہے ارسلان بیگ، جسے تم پاؤں کی جوتی سمجھتے ہو اسے سر آنکھوں پر بٹھاؤ، گھر کی زینت اور دل کی ملکہ بنا لو، ورنہ ساری زندگی تم اسے تو رلاؤ گے ہی مگر خود بھی ایک ناآسودہ مشکل اعصاب شکن اور اذیت آمیز زندگی گزارو گے، کوئی خوشی انجوائے نہیں کر سکو گے، محبت کی لذت، حرارت اور چاہت کو بھی محسوس نہیں کر سکو گے، تمہیں ہر وقت اپنے حاکمانہ رعب داب والے کردار کی فکر کھاتی رہے گی، اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت کا نگران، سربراہ کفیل اور حاکم بنایا ہے مگر اس طرح سے نہیں جس طرح سے تم بنے پھر رہے ہو، اللہ تعالیٰ نے مردوں کو اپنی عورتوں سے بیوی سے حسن سلوک سے پیش آنے کا حکم دیا ہے، کبھی تم نے اپنے آپ

پر اپنے اپنی بیوی سے رویے پر غور کیا ہے؟ خود کرو گے تو خود سے نگاہ نہیں ملا پاؤ گے۔'' حامد نے سنجیدہ مگر نرم لہجے میں سمجھاتے ہوئے کہا ارسلان بیگ کی بے چینی ظاہر کر رہی تھی کہ وہ اپنے ضمیر کی عدالت میں کھڑا ہو گیا ہے، یہی تو حامد چاہ رہا تھا کہ وہ مثبت سوچ اور رویہ اپنائے اور اپنی بیوی کے لئے دل نظر کو کشادہ اور قابل احترام بنائے، ازدواجی زندگی کو خوشیوں سے بھر لے۔

''تم بتاؤ مجھے کیا کرنا چاہیے؟'' ارسلان بیگ نے بے چینی سے پوچھا۔

''سچے دل سے اپنی بیوی سے معافی مانگ لو اسے پیار سے بلاؤ تحائف دو اپنی محبت کا اظہار کر کے اسے منا لو اور اپنی زندگی کو سہل اور خوشگوار بنا لو تم دیکھنا تمہاری ذرا سی نرم کلامی دانشمندی اور محبت تمہاری بیوی کے دل سے تمہاری زیادتیوں کے سارے داغ دھو ڈالے گی، وہ تمہاری محبت پا کر تمہارے لئے سارے دکھ بھول جائے گی، دوسروں کے منفی رویوں اور مشوروں پر دھیان دینا چھوڑ دو اور اپنے دل کے کہے پر عمل کرو اپنی سوچ اور عمل مثبت رکھو گے تو محبت و مسرت سے سرشار ہو جاؤ گے، تم ایکبار دل سے اپنی بیوی کو اپنی محبت سمجھ کر دیکھو اور اپناؤ پھر دیکھنا تم کیسا ذہنی قلبی اور روحانی سکون و اطمینان محسوس کرو گے، زندگی تمہیں بہت حسین لگنے لگی، جاؤ ابھی دیر نہیں ہوئی، ابھی وقت ہے۔'' حامد نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر مخلصانہ مشورے سے نوازا، تو اس نے گہرا سانس لبوں سے خارج کیا نگاہوں میں اپنی معصوم بیوی کی سندر صورت آسمائی، کتنی حسین تھی وہ اور اس کے رویے کے طفیل اس سے ہر وقت ڈری، سہمی اور گھبرائی ہوئی سی رہتی تھی، آج ارسلان بیگ کو اپنے رویے پر جی بھر کے ندامت محسوس ہو رہی تھی، وہ حامد کا شکر گزار تھا کہ جس نے اسے پچھتاوے کی دوزخ میں جلنے سے بچا لیا تھا اور خوشیوں کا راستہ دکھا دیا تھا۔

''تھینک یو حامد۔'' وہ حامد کا شکریہ ادا کر کے وہاں سے سیدھا رخصت ہو کر سیدھا بازار کی طرف گیا بیوی کے لئے پہلی بار گجرے خریدے اور گاڑی کا رخ گھر کی جانب موڑ دیا، اپنی اور اپنی شریک حیات کی زندگی کو ایک خوبصورت موڑ دینے کے لئے اور اسے یقین تھا کہ وہ صابر شاکر اور معصوم لڑکی اسے معاف کر دے گی اس کا دامن اپنی مہر و محبت سے بھر دے گی وہ اس سے معافی مانگ کر محبت دینے جو جا رہا تھا اور ابھی اتنی دیر نہیں ہوئی تھی کہ معافی کا در بند ہو جاتا، حامد کی پر امید آواز اس کی سماعتوں میں گونج رہی تھی۔

''ابھی وقت ہے...... ابھی وقت ہے۔'' ☆☆

جنوں کا سفر

فوزیہ سرور

''مہک او مہک۔'' کچے آنگن میں بچھی چارپائی پر پالک چنتی سلطانہ آراء نے اپنی پاٹ دار آواز میں دود خلاؤں میں غیر مرئی نقطے پر نگاہ جمائے گم صم بیٹھی مہک کو پکارا، مہک کی سماعتوں پر اپنے نام کی پکار ہتھوڑے کی مانند برسی، گڑ بڑا کر ماں کی جانب دیکھا۔

''کن سوچوں میں گم ہو، دھیان کدھر ہے تمہارا، بچہ تجھے کب سے بلا رہا ہے، تو ہے کہ کان بند کر کے بیٹھی ہے۔''

''وہ اماں بس یونہی، کچھ خاص نہیں سوچ رہی۔'' مہک نے بدقت تھوک نگلا مبادا ماں کی ایکسرے کی طرح آر پار ہوتی نگاہیں اس کے اندر کا حال نہ جان لیں، فوراً اپنی توجہ ٹیوشن پڑھنے والے بچے کی جانب مبذول کی، لیکن بچے کو پڑھانے کے دوران بھی جان کو جکڑنے والا خیال وقفے وقفے سے بجلی کے کوندے کی مانند ذہن پر لپکتا رہا، وہ کیا کرے کیا نہ کرے، وہ بری طرح الجھی ہوئی تھی اسی الجھن میں وہ ٹیوشن والے بچوں کو بھی صحیح طرح پڑھا نا پا رہی تھی، پالک کے پتے تیزی سے چنتی سلطانہ آراء کی پر سوچ نگاہ مہک پر مرکوز تھی، مہک کم گو تھی، گھر کے کام کاج خاموشی سے نبٹاتی، اپنا پڑھتی یا ٹیوشن کے بچوں کو پڑھاتی۔

زیادہ کسی سے بات چیت نہ کرتی تھی، لیکن پچھلے کئی دنوں سے مہک اسے پریشان اور الجھی الجھی لگ رہی تھی، اس نے دو تین بار مہک کو کریدا تھا لیکن مہک ہر بار مطمئن کر دیتی تھی، لیکن سلطانہ آراء کا اپنا دل آج پھر مہک کو گم صم دیکھ کر الجھ گیا تھا۔

''بچے چلے جائیں پھر پوچھوں گی۔'' سلطانہ آراء ارادہ باندھ کر پالک کو کاٹنے لگی، مہک سلطانہ آراء کی نگاہوں سے خائف ہونے لگی تھی، مہک کی روح یہ سوچ کر فنا ہونے لگی اگر اماں کو بھنک بھی پڑ گئی تو، اماں کا شک زائل کرنے کی غرض سے وہ دلجمعی سے بچوں کو پڑھانے کی کوشش کرنے لگی۔

☆☆☆

''مہک کے ابا مجھے لگتا ہے مہک کو کوئی پریشانی ہے، میں نے ٹیوشن کے بچوں کے جانے کے بعد اس سے پوچھا بھی لیکن وہ ٹال مٹول سے کام لینے لگی۔'' رات کے وقت جب مہک اور اس کا چھوٹا آٹھ سالہ بھائی بلال اپنی اپنی چارپائیوں پر سو گئے، تو دین محمد کی چارپائی کے ساتھ والی چارپائی پر آ بیٹھی اور دھیمے لہجے میں اسے بتانے لگی، کم پڑھی لکھی سلطانہ آراء کا خیال تھا دین محمد مہک سے ضرور اگلوا لے گا۔

''کسی لڑکے وڑکے کا چکر تو نہیں۔'' دین محمد نے کھردرے کرخت لہجے میں استفسار کیا۔

''ارے نہیں دینو میری مہک ایسی نہیں، مجھے کوئی اور ہی بات لگتی ہے۔'' سلطانہ آراء کا انداز پر سوچ تھا، دینو تو سلطانہ آراء کی بات سن کر بھڑک اٹھا۔

''اور اسے بھیج کالج، تجھے بڑا شوق ہے اسے پڑھانے کا، میں مزدور بندہ، سارا دن مزدوری کر کے تھکا ہارا گھر آؤں تو تو اپنے رونے لے کر بیٹھ جاتی ہے، اگر زیادہ پریشانی ہے تو بٹھا لے اسے گھر، مجھے گھر کے کرائے کی فکر چمٹی ہے، تو وکھرا سیاپا ڈال کر بیٹھ گئی ہے، بلال ذرا بڑا ہوتا ہے تو پھر اسے بھی اپنے ساتھ کام پر لے جاؤں گا، اکیلی جان اتنے کھانے والے، اوپر سے پڑھائیوں کے خرچے۔'' دین محمد نے سگریٹ کا کش لے کر دھواں چھوڑتے ہوئے والدین کی گفتگو سماعتوں میں انڈیلتی مہک کے سکون کو تہہ و بالا کیا، وہ پڑھائی نہیں چھوڑ سکتی تھی،

تعلیم حاصل کرنا اس کا جنون تھا، اسے تعلیم حاصل کر کے گھر کے حالات کو بدلنا تھا، اسی خوف سے تو اس نے اپنی پریشانی ماں کے سامنے نہ اگلی تھی، اس کے کالج جانے پر پابندی لگ جاتی تھی ایسا وہ ہرگز نہ چاہتی تھی، دین محمد کی بات کے جواب میں سلطانہ آراء کو تپ چڑھ گئی۔

''نہ کون سا وکھرا سیاپا ڈالا ہے میں نے، بیٹی کا معاملہ ہے، کہیں کوئی اونچ نیچ نہ ہو جائے، بس اتنا کہا کہ تو اس سے پوچھ لے ہو سکتا ہے تجھے بتا دے، اپنے ہی خرچے سنانے شروع کر دیے تو نے تیرا فرض ہے، یہ تو کوئی احسان نہیں کرتا تو، مہک کے خرچے کی تو بات ہی نہ کر، وظیفہ لے کر پڑھ رہی ہے، اپنے خرچے ٹیوشن پڑھا کر پورے کرتی ہے، وڈا آیا خرچے سنانے والا۔'' سلطانہ آراء نے منہ کے زاویے بگاڑ کر کہا۔

سلطانہ آراء پانچ جماعت پڑھی ہوئی تھی، دین محمد چٹا ان پڑھ، اس بات پر بھی دین محمد کو سلطانہ کی بات بہت چبھتی تھی، مہک اور بلال کو پڑھانے کا شوق سلطانہ کو ہی تھا، دین محمد اس کے خلاف تھا، اس کا اظہار وہ برملا کرتا تھا، سلطانہ آراء کی بات نے اب بھی دین محمد کو سیخ پا کر دیا تھا، بلند آواز میں دھاڑا۔

''مہک ...... اری او مہک۔'' اپنی پریشان کن سوچوں میں غلطاں مہک کرنٹ کھا کر چارپائی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''آئی ابا۔'' پھر چند سیکنڈ ز ہی لگے تھے مہک کو باپ کے سامنے حاضر ہونے میں جو چارپائی پر لیٹا غصیلی نگاہوں سے مہک کو دیکھنے لگا۔

''کیا پریشانی ہے تجھے۔'' بھنویں اچکا کر استفسار کیا گیا۔

''ک ...... ک ...... کچھ نہیں ابا۔'' مہک کی زبان بولتے ہوئے لڑکھڑا سی گئی۔

''دیکھ مہک، تیری اور تیری ماں کی ضد پر تجھے کالج جانے کی اجازت دی ہے میں نے، تو اچھی طرح جانتی ہے ہمارے خاندان میں دور دور تک کسی لڑکی نے سکول کی شکل نہیں دیکھی، بس ایک بات پلو سے باندھ لے، اگر کوئی لڑکا تیرے پیچھے لگا یا تو نے کسی لڑکے کو منہ لگایا، تو تیری ٹانگیں توڑ کر گھر بٹھا دوں گا، سمجھ گئی ہونا تو۔''

دینو نے انگشت شہادت سے مہک کی جانب اشارہ کر کے تنبیہ کی تو مہک کی آنکھیں لبالب پانیوں سے بھر گئیں، بدوقت سر اثبات میں ہلایا۔

''منہ سے پھوٹ۔'' دینو مہک کے صرف سر ہلانے پر غضبناک ہو گیا۔

''نہیں ہوگا ابا ایسا، کبھی نہیں ہوگا۔'' مہک منمنائی۔

''چل اب جا، اپنا بوتھا ٹھیک کر۔'' دینو حکم صادر کر کے چارپائی پر سیدھا لیٹ گیا، سلطانہ آراء کی نگاہوں نے مہک کا چارپائی پر لیٹنے تک تعاقب کیا۔

☆☆☆

''چل اٹھ جا تو بھی اب، کچھ کھانے کو لے آ۔'' دینو نے قریبی چارپائی پر بیٹھی سلطانہ آراء کو پیر سے ٹھوکر ماری، سلطانہ آراء اس سلوک پر کینہ توز نگاہوں سے شوہر کو گھورتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

تاریک رات کے بعد طلوع ہونے والی صبح بہت روشن اور نکھری نکھری تھی، مہک نے بے دلی سے یونیفارم پہنا، وہ سیکنڈ ائیر کی سٹوڈنٹ تھی، بلا کی ذہین اور قابل، ہر سال سکالرشپ لیتی اپنی دیگر ضروریات کے لئے محلے کے بچوں کو انتہائی کم فیس پر ٹیوشن پڑھاتی تھی، یہی وجہ تھی تقریباً سارے گھروں کے بچے اسی کے پاس آتے تھے،

کیونکہ محلے کے سارے گھر ہی کم آمدن رکھتے تھے۔

''مہک آ ناشتا کر لے۔'' سلطانہ آراء کی آواز پر مہک کمرے سے باہر نکلی اور چولہے کے گرد رکھی چوکی پر بیٹھ گئی، سلطانہ آراء نے چنگیر میں گرم گرم خستہ پراٹھا ڈال کر چنگیر مہک کے سامنے رکھی اور کٹوری میں دہی ڈال کر اس کو تھمائی، بلال بھی دوسری چوکی پر بیٹھا ناشتہ کر رہا تھا، بلال محلے کے بالکل ساتھ واقع گورنمنٹ سکول میں زیر تعلیم تھا، مہک نے ناشتہ کرتے بلال کو دیکھ کر حسرت سے سوچا، کاش اس کا بھائی جوان ہوتا، وہ کتنی بے فکر ہوتی، مہک کا کالج آدھے گھنٹے کی مسافت پر تھا، راستے کی شروعات میں خاصی گہما گہمی ہوتی لیکن جیسے ہی راستہ آدھا طے ہوتا وہیں اسے مہک کے خوف کی حد شروع ہو جاتی تھی، راستہ خاصا سنسان اور ویران تھا، وین یا رکشہ لگوانے کی استطاعت نہ تھی، مہک نے بمشکل ناشتہ زہر مار کیا، مبادا اماں پھر جرح نہ شروع کر دے، ناشتے سے فارغ ہو کر مہک نے بڑی سی کالی چادر میں اپنے سر اور وجود کو ڈھانپا، بوسیدہ بیگ کندھے پر ڈالا اور فائل سینے سے لگا کر دھیمے لہجے میں سلام کرتی بیرونی دروازے کی دہلیز عبور کر گئی۔

آج بھی اس ویران جگہ سے گزرتے ہوئے اس کے پسینے چھوٹ رہے تھے، پچھلے کئی دنوں سے وہ اس اذیت میں مبتلا تھی نظریں جھکائے وہ دھڑکتے دل سے چل رہی تھی جب اسے اپنے پیچھے قدموں کی چاپ سنائی دی، اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا وہی عفریت آ چکا تھا۔

''کیا بات ہے؟ آج مزاج بڑے برہم ہیں۔'' مہک کی سماعتوں کے قریب سرگوشی ابھری، مہک کے ہاتھ کی گرفت نے فائل کو مضبوطی سے جکڑ لیا، اب وہ قدم سے قدم ملا کر چل رہا تھا، مہک نے خوفزدہ نگاہوں سے اپنے ہمقدم چلتے اس چھچھورے بندر کو دیکھا اسے کبھی وہ عفریت لگتا، کبھی بندر کی نسل کا بگڑا ہوا انسان، کان میں بالی ہاتھ میں کڑا پہنے، بالوں کی پونی، گھسی پٹی جینز کے اوپر انتہائی گہرے رنگ کی شرٹ، مہک کو کراہت سے ابکائی آ گئی۔

''یا اللہ!'' مہک کے قدموں نے تیزی اختیار کر لی۔

''زیادہ ون تو فائیو بننے کی ضرورت نہیں ہے، میرے ساتھ ساتھ چلو۔'' چھچھوندر نے رعب جھاڑا، مہک خوفزدہ ہرنی کی مانند سہم گئی، روزانہ اسے کالج آنے جانے کے لئے یہی راستہ اختیار کرنا پڑتا تھا، جو شومئی قسمت خاصا ویران تھا، مہک کو علم حاصل کرنے کا جنوں پسپائی اختیار کرنے نہ دیتا تھا، وگرنہ وہ جتنی خوفزدہ تھی وہ کب کی گھر بیٹھ چکی ہوتی، مہک کے ساتھ ساتھ چلتے وہ وقفے وقفے سے اپنی گندی زبان کے جوہر بھی اس پر آشکار کر رہا تھا، یکدم وہ سامنے کھڑا ہو گیا تو مہک سرسوں کا پھول بن گئی، اس کی زرد پڑتی رنگت دیکھ کر وہ مکروہ انداز میں ہنسا۔

''اوئے ہوئے چڑیا جتنا دل ہے تمہارا، چلو کیا یاد کرو گی کچھ نہیں کہتا، اب میں چلوں چھٹی ٹائم ملاقات ہو گی۔'' خود ہی سوال جواب کرتا مہک کا خون خشک کر کے وہ دفعان ہوا تو بے بسی کے بے پایاں احساس سے مہک کی آنکھوں سے آنسو بہ نکلے، قدموں کو بمشکل گھسیٹتے وہ کالج گیٹ کی جانب چل دی، کیونکہ ہر روز کی طرح وہ آج بھی اسے کالج سے کچھ فاصلے پر چھوڑ کر دفع ہوا تھا۔

مہک سارا دن غائب دماغی سے پیریڈز اٹینڈ کرتی رہی، اردو کے پیریڈ میں وہ کتاب پر

نگاہ جمائے پریشان کن سوچوں میں مستغرق تھی، ٹیچر صدف نے مہک کی غائب دماغی کو پوری شدت سے نوٹ کیا، ٹیچر صدف کی زیرک نگاہوں نے مہک کے وجود پر چھائی پریشانی کو بھانپ لیا، پوری کلاس کے سامنے بازپرس کرنے کی بجائے وہ تنہائی میں اس کی پریشانی کی بابت استفسار کریں گی، یہی سوچ کر ٹیچر صدف کلاس کو لیکچر دینے لگیں۔

پیریڈ اوور ہوا، سب لڑکیاں سائنس سبجیکٹ کا پیریڈ لینے لیب میں چلی گئیں، مہک ہنوز اسی پوزیشن میں گم صم بیٹھی رہی، اسے کوئی ہوش نہ تھا کہ اس کا بیالوجی کا پیریڈ ہے، خوف نے آکٹوپس کی طرح اس کے وجود کو جکڑ رکھا تھا، ٹیچر صدف گم صم بیٹھی مہک کی چیئر کے پاس آ کھڑی ہوئی، کسی کی موجودگی کے احساس سے مہک نے اپنا چہرہ اوپر اٹھایا، اس کا چہرہ اس کی اندرونی کیفیت کا غماز تھا۔

''کوئی مسئلہ ہے مہک۔'' ٹیچر صدف نے مشفق نرم لہجے میں استفسار کیا، ٹیچر صدف کے مشفق انداز سے مہک کے آنسو چھلک گئے۔

''رونا نہیں مہک، آپ بتائیے کیا مسئلہ ہے۔'' مہک کے رونے سے ٹیچر صدف کے دل کو کچھ ہوا، چیئر گھسیٹ کر مہک کے عین سامنے بیٹھ گئیں، مہک جو یہ بوجھ سہہ سہہ کر تھک نڈھال ہو چکی تھی مخلص اور ہمدرد کندھا دستیاب ہونے پر اپنا سارا غم پریشانی کہتی چلی گئی، بات مکمل ہوئی تو ٹیچر صدف سوچ میں پڑ گئیں، معاملہ واقعی گمبھیر تھا، اگر اس لڑکے کی پھینٹی لگوائی جاتی تو کیا گارنٹی تھی کہ وہ مہک کو دوبارہ تنگ نہ کرے، بدلہ لینے کے چکر میں وہ مہک کو نقصان بھی پہنچا سکتا تھا اور پھر اگر وہ باز آ جائے تو مہک کو آئندہ تعلیمی سفر میں ایسا مسئلہ درپیش ہو سکتا ہے، ٹیچر صدف مہک کے تعلیم حاصل کرنے کے شوق جنوں سے آگاہ تھیں، ٹیچر صدف کے چہرے پر یک لخت مہربان مسکراہٹ جھلکی، مسئلے کا حل تو سامنے تھا، انہیں مہک کو وہ حل بتانا تھا۔

''مہک! تم نماز پڑھتی ہو۔'' ٹیچر صدف نے استفسار کیا، مہک نے شرمندگی سے سر جھکا لیا، ٹیچر صدف کو تاسف نے آ گھیرا۔

''دیکھو مہک، جیسا تم نے بتایا ہے تو ڈر اس مسئلے کو ختم نہیں کرے، بلکہ اور بڑھا دے گا، تمہیں تعلیم حاصل کرنے کا شوق ہے تمہیں خود کو مضبوط بنانا ہوگا، تمہاری بزدلی ایسے گھٹیا لوگوں کو بہادر بنا دے گی، تمہاری بہادری، پراعتماد، نڈر انداز ان کو بزدل بنا دے گا، طاقت تمہارے اندر ہے تمہیں اسے سامنے لانا ہے، جانتی ہو وہ طاقت کیا ہے، جو تمہیں نڈر بنائے گی۔'' ٹیچر صدف کا انداز معنی خیز تھا، مہک کے چہرے پر لاعلمی کا تاثر بکھرا، اس نے سر نفی میں ہلا دیا۔

''وہ طاقت اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین ہے، تم پانچ وقت نماز پڑھو، اپنا ہر مسئلہ اس کے سامنے رکھو، وہ مہربان ذات تو ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے، تم دنیاوی سہاروں کی طرف دیکھتی رہیں کہ کاش میرا بھائی یا ابا مجھے چھوڑنے آتا، تم نے ایک دفعہ بھی اپنے رب کا سہارا پکڑا، جو سب سہاروں سے مضبوط اور پائیدار سہارا ہے، کبھی ساتھ نہ چھوڑنے والا، ایک بات یاد رکھو مہک، جو اللہ سے ڈرتا ہے، سب اس کی عزت کرنے لگتے ہیں، وہ لوگوں کا محبوب بن جاتا ہے، تم اللہ سے ڈرنے کی بجائے اس کے بندوں سے خوف کھاتی ہو کیونکہ تمہارا ایمان کمزور ہے۔''

مہک کی ندامت کے باعث نگاہیں مزید جھک گئیں، واقعی اس نے کبھی نماز نہ پڑھی تھی کبھی کلام الٰہی کی تلاوت نہ کی تھی، اس نے تو کبھی

عافیت کی دعا بھی نہ مانگی تھی، پر بھی رب تعالیٰ نے اسے راہ دکھائی تھی ٹیچر صدف کی رہنمائی کی صورت، اسے اپنے اللہ پر ٹوٹ کر پیار آیا، اس پل اس نے خود سے عہد کیا وہ کبھی نماز نہ چھوڑے گی، صرف اپنے رب سے ڈرے گی، ٹیچر صدف کی زبان سے گویا موتی جھڑ رہے تھے، مہک توجہ سے ان موتیوں کو چننے لگی، اسے لگ رہا تھا ٹیچر کے الفاظ اس کے اندر نئی روح پھونک رہے ہیں۔

''روزانہ آیت الکرسی کا حصار اپنے گرد کھینچ کر گھر سے نکلا کرو، جو بھی مسئلہ ہو اپنے خالق کے سامنے بیان کرو، وہ ستر ماؤں سے زیادہ مہربان سارے راستے آسان کر دے گا۔'' مہک نے بے اختیار سر اثبات میں ہلا دیا، تو ٹیچر صدف اس کے خوبصورت معصوم چہرے سے چھلکتے عزم کو دیکھ کر طمانیت سے مسکرا دیں، کلاس روم سے نکلتے وقت وہ جانتی تھیں مہک کے چہرے پر اب خوف کی بجائے اعتماد اور رب پر بھروسے کے بادل چھائے رہیں گے، جن سے برسنے والی یقین اور رہنمائی کی بارش اسے ہر قسم کی پریشانی سے محفوظ رکھے گی۔

☆☆☆

کالج سے واپسی پر مہک انوکھے جذبے سے سرشار تھی، کالج میں آج اس نے نماز ظہر ادا کی تھی اور خوب گڑگڑا کر اللہ سے مدد مانگی تھی، آج پہلی بار اس کا دل سکون آشنا ہوا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کے دل کو ہر قسم کے خوف سے آزاد کر کے سکون کی بارش میں بھگو دیا تھا، اسی ویران رستے پر تیز قدموں سے چلتے یہ یقین اس کے ہمراہ تھا کہ اللہ اس کی شہہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔

پر اعتماد قدموں سے وہ جا رہی تھی، جب وہی چھچھوندر اس کے ہم قدم ہوا، اس نے اس لمحے اپنے رب کو پوری شدت سے یاد کیا، اسی لمحے اس نے اپنے قدموں میں بجلی بھرتے محسوس کی۔

''واہ جی واہ آج تو انداز ہی نرالے ہیں جناب کے، قدموں میں گویا پارہ بھر گیا ہے۔'' یونہی جھلاتا وہ مہک کے پیچھے لپکا اور مہک کے عین سامنے راستہ روک کر کھڑا ہو گیا اور ہوس بھری نگاہیں مہک کے چہرے پر مرکوز کر دیں، مہک نے تنفر بھری بے خوف نظر اس کی کریہہ شکل پر ڈالی، پان سے لتھڑے ہونٹ دیکھ کر تو اسے ابکائی آنے لگی۔

''کیا کہنے جناب کے، پریوں جیسی صورت ہے تمہاری۔'' اس کی بکواس سن کر مہک کے اندر اشتعال کی لہر اٹھی، گرج کر دھاڑی۔

''میرے راستے سے ہٹ جاؤ، وگرنہ تمہارا برا حشر کر دوں گی۔'' مخروطی انگلی اٹھا کر وارن کیا۔

''بڑا اکڑ رہی ہے آج، یہاں ہے ہی کون جو تجھے میرے ہاتھوں سے بچائے گا۔'' وہ دو قدم مزید قریب ہوا، مہک سرعت سے پیچھے ہٹی اور پورے یقین سے بولی۔

''میرا اللہ مجھے تجھ جیسے خبیث سے بچائے گا۔'' اسی پل مہک کو لگا اس کے چہرے کا رنگ متغیر ہوا تھا، گویا اس نے کسی خوفناک چیز کو دیکھ لیا ہو، وہ الٹے قدموں پیچھے ہٹنے لگا، اس سے پہلے کہ وہ سرپٹ دوڑ لگاتا اس کے قدم وہیں منجمد ہو گئے، مہک جو اس کی خوفزدہ حالت دیکھ کر اللہ کی ذات کی مشکور تھی، لیکن بائیک کے انجن کی غراہٹ لحہ بہ لحہ قریب محسوس ہوئی تو پلٹ کر دیکھا پیٹرلنگ کرتا موٹر بائیک پر بیٹھے نوجوان لڑکے کے قریب بڑھتا دیکھ کر ششدر رہ گئی، ایلیٹ

نورس کا نوجوان اپنی بائیک پر پیٹرلنگ کرتا اس طرف آنکلا تھا، جب ایک عجیب وغریب حلیے والے لڑکے کو ایک کالج کی لڑکی کو تنگ کرتے دیکھا تو اپنی بائیک اس جانب موڑ دی، اب وہ لڑکے بالکل قریب کھڑا خونخوار نگاہوں سے اس لڑکے کے رہے سہے اوسان بھی خطا کررہا تھا، اس امداد غیبی پر مہک کی آنکھیں نم ہوگئیں، زوردار جھانپڑ نوجوان نے اس لڑکے کے چہرے پر رسید کردیا، لڑکا لڑکھڑا کر مہک کے قدموں میں گر گیا، مہک نے سرعت سے قدم پیچھے کیے۔

''تم جیسے گھٹیا لوگوں نے شریف لڑکیوں کا پڑھنا محال کر رکھا ہے، تجھے تو میں ایسے نہیں چھوڑوں گا، اس معصوم لڑکی کو ہراساں کرتے ہو۔'' ایک زوردار گھونسا لڑکے کو کالر سے پکڑ کر کھڑا کرکے پھر جڑ دیا، لڑکا بلبلا اٹھا۔

''معاف کردو صاحب، آئندہ ایسی غلطی نہیں ہوگی۔'' وہ ہاتھ باندھ کر گڑگڑانے لگا، مہک کے اندر کہیں سکون سا اترنے لگا، اس کی گھگھیاہٹ پر تمسخر بھری مسکراہٹ اس بارعب پولیس کے جوان کے چہرے پر پھیل گئی۔

''ہونہہ تمہیں معاف کردوں، تم نے کبھی اس لڑکی پر رحم کھایا تھا، نہ بیٹا نہ تجھے تو ایسے نہیں چھوڑوں گا، تجھے جیل کی سیر کرواؤں گا، سارا خناس جو دماغ میں بھرا ہے نا، ناک کے راستے نکل جائے گا۔'' نوجوان گرجا تھا، لڑکا مزید سہم کر رحم طلب نگاہوں سے مہک کو دیکھنے لگا، مہک نے رخ پھیرلیا۔

اس گھٹیا انسان کی وجہ سے وہ جس ذہنی کرب کا شکار رہی تھی اس پر اس کو سزا ملنا چاہیے تھی، نوجوان نے کال کرکے چند مزید نوجوانوں کو جگہ کا بتا کر بلایا، لڑکے کی نگاہوں کے سامنے جیل کی سلاخیں گھومنے لگیں، وہ بے بسی سے پولیس کے نوجوان کو دیکھ کر رہ گیا، نوجوان کال سے فارغ ہوکر مہک کی جانب متوجہ ہوا اور بڑے نرم لہجے میں بولا۔

''آئندہ آپ کو کوئی تنگ نہ کرے گا بلکہ کسی پیاری گڑیا کو کوئی خبیث انسان پریشان نہ کرے گا، میں آج ہی ان جگہوں پر پولیس کے جوانوں کی ڈیوٹی لگواتا ہوں، جہاں سے طالبات کا گزر ہوتا ہے، اس راستے پر پولیس کے دو تین جوان تعینات کردوں گا، کالج کے کھلنے اور بند ہونے کے اوقات میں ان کی ڈیوٹی پر موجود ہونا لازم ہو گا۔'' مہک نے پرسکون سانس خارج کی اور دھیمے لہجے میں بولی۔

''بھائی آپ کا شکریہ، سب سے بڑھ کر میرے اللہ کا شکریہ جس نے آپ کو میری مدد کے لئے بھیجا، آپ نے ان جگہوں پر پولیس کی ڈیوٹی لگوا کر طالبات پر احسان کیا ہے۔''

''گڑیا احسان کیسا، یہ تو ہمارا فرض ہے۔'' نوجوان کا لہجہ آہنی عزم لئے ہوئے تھا۔

''اب میں جاؤں۔'' مہک نے معصومیت سے جانے کی اجازت چاہی۔

''اوکے گڑیا آپ بے فکر ہوکر جاؤ، میں ذرا اس گدھے کو سنبھال لوں۔'' نوجوان پرشفقت لہجے میں بولا، مہک دل میں رب کو یاد کرتی اپنے راستے پر چل دی، اب اسے کوئی خوف لاحق نہ تھا، کیونکہ وہ یقین کی دولت پا چکی تھی، کہ اللہ ہر مشکل وقت میں مدد بھیجتا ہے اور وقت نے ثابت کردیا تھا کہ یقین کی دولت نے اس کے جنوں کے سفر کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیا تھا۔

☆☆☆

حاصل مطالعہ

تحریم محمود

استغفار

حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب شیطان مردود ہو گیا تو اس نے کہا۔

''اے رب تیری عزت کی قسم! میں نے تیرے بندوں کو ہمیشہ بہکاتا رہوں گا جب تک ان کی روحیں ان کے جسموں میں رہیں گی۔''

اللہ رب العزت نے فرمایا۔

''مجھے قسم ہے اپنی عزت اور جاہ و جلال کی اور اپنے اعلیٰ مقام کی کہ جب تک وہ استغفار کرتے رہیں گے میں ان کو بخشتا رہوں گا۔''

شگفتہ رحیم، فیصل آباد

نظر رکھیے

☆ اپنے خیالات پر، کیونکہ یہ الفاظ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

☆ اپنے الفاظ پر، کیونکہ یہ عمل کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔

☆ اپنے اعمال پر، کیونکہ یہ عادات میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

☆ اپنی عادتوں پر، کیونکہ یہ شخصیت کا روپ دھار لیتی ہے۔

☆ اپنی شخصیت پر، کیونکہ یہ آپ کا مقدر بن جاتی ہے۔

نوشین الطاف، نیو راجو پنڈی باغاں

چراغ زندگی

O کسی کام کا آغاز اس کی نصف کامیابی ہے، بغیر مقصد کے زندگی کبھی پائیدار نہیں ہوتی سو آغاز بہتر اور مقصد بہترین ہونا چاہیے۔

O جس چیز کو دیکھنے سے نظر خراب ہو اسے نہ دیکھنا بہتر ہے۔

O آدمی جب تک ٹوٹتا نہیں اسے پتہ نہیں چلتا کہ وہ کتنا مضبوط ہے۔

O کردار کی مضبوطی میں دو چیزیں شامل ہیں ایک قوت ارادی اور دوسری ضبط نفس۔

O محبت میں محبت جائز ہے دھوکا نہیں۔

محبوب کے لئے

O مجھے یقین ہے کہ اگر میں مر جاؤں اور تم میری قبر کے پاس سے گزرو تو میں زمین کی گہرائیوں میں بھی تمہارے قدموں کی آواز سن لوں گا۔ (بینی ٹو پیرز گلڈوس)

O جتنی بار تم میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ لاتے ہو اگر اتنی بار میں ہاتھ بڑھا کر آسمان سے ایک ستارہ توڑ سکوں تو رات کا سارا آسمان میری ہتھیلی پر آ جائے۔ (ڈورتھی پارکر)

O ہر روز میں تمہیں گزرے ہوئے کل سے زیادہ اور آنے والے کل سے کم محبت کرتی ہوں۔ (روز منڈ جیرالڈ)

O تمہارے ساتھ گزرے ہوئے لمحات میرے نزدیک ایک خوشبو دار باغ ایک ملگجی شام اور ان میں گنگناتے ہوئے ایک فوارے کی مانند ہے صرف تم ہی مجھے احساس دلاتی ہو کہ میں زندہ ہوں، کہا جاتا ہے کہ دوسروں نے فرشتوں کو دیکھا ہے لیکن میں نے تمہیں دیکھا ہے اور میرے لئے یہ ہی کافی ہے۔

(جارج مور)

○ پیار ایسے ہی سکھ پہنچاتا ہے جیسے کے بارش کے بعد دھوپ۔ (شیکسپیئر)

نازیہ، لاہور

اخلاص کا مفہوم

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں۔

''میں نے اخلاص ایک حجام سے سیکھا، وہ اس وقت مکہ معظمہ میں کسی رئیس شخص کے بال بنا رہا تھا میرے مالی حالات نہایت شکستہ تھے میں نے حجام سے کہا۔

''میں اجرت کے طور پر تمہیں ایک پیسہ نہیں دے سکتا بس تم اللہ کے لئے میرے بال بنا دو۔''

میری بات سنتے ہی حجام نے اس رئیس کو چھوڑ دیا اور مجھ سے مخاطب ہو کر بولا۔

''تم بیٹھ جاؤ۔''

مکے کے رئیس نے حجام کے طرز عمل پر اعتراض کیا تو وہ معذرت کرتے ہوئے بولا۔

''جب اللہ کا نام اور واسطہ درمیان میں آتا ہے تو میں پھر سارے کام چھوڑ دیتا ہوں۔''

حجام کا جواب سن کر مجھے بڑا تعجب ہوا پھر اس نے قریب آ کر میرے سر پر بوسہ دیا اور بال بنانے لگا اپنے کام سے فارغ ہو کر حجام نے مجھے ایک پڑیا دی، جس میں کچھ رقم تھی۔

''اسے اپنے استعمال میں لائیے۔'' حجام کے لہجے میں بڑا اخلوص تھا۔

میں نے رقم قبول کر لی اور اس کے ساتھ نیت کی کہ مجھے جو پہلی فتوح حاصل ہو گی وہ حجام کی نذر کروں گا۔

پھر چند روز بعد جب میرے پاس کچھ روپیہ آیا تو میں سیدھا اس حجام کے پاس پہنچا اور رقم اسے پیش کر دی۔

''یہ کیا ہے؟''

حجام نے حیران ہو کر پوچھا، میں نے اس کے سامنے پورا واقعہ بیان کر دیا، میری نیت کا حال سن کر حجام کے چہرے پر ناگواری کا رنگ ابھر آیا۔

''اے شخص! تجھے شرم نہیں آتی، تو نے اللہ کی راہ میں بال بنانے کا کہا تھا اور اب کہتا ہے کہ اللہ کی راہ میں کام کرے اور پھر اس کی مزدوری لے۔'' حضرت جنید بغدادیؒ اکثر فرماتے تھے۔

''میں نے اخلاص کا مفہوم اسی حجام سے سیکھا ہے۔''

ماریہ عثمان، سرگودھا

باتوں سے خوشبو آئے

☆ بے بسوں کی مدد کرنا، مجبوروں کی ضرورت پوری کرنا، بھوکوں کو کھانا کھلانا عذاب دوزخ سے محفوظ رکھتا ہے۔

☆ مومن کی معراج نماز ہے اس کے بغیر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں ہو سکتا۔

☆ اللہ سے محبت کرنے والوں کا وہ مقام ہے جو ملائکہ کو بھی نصیب نہیں ہوا۔

☆ عارف وہ ہے جو ''راہ عشق'' میں اللہ کے سوا کچھ نہ دیکھے۔

☆ حاجت روائی کے لئے ''سورۃ فاتحہ'' کثرت سے پڑھنی چاہیے۔

☆ ملک ایک کھیتی ہے اور عدل اس کا پاسبان، پاسبان نہ ہو تو کھیتی اجڑ جاتی ہے۔

☆ ہر بچے کی پیدائش اس بات کا پیغام ہے کہ اللہ ابھی انسان سے مایوس نہیں ہوا۔

☆ ایک عالم کی طاقت ایک لاکھ جاہلوں سے زیادہ ہوتی ہے۔

☆ اگر کوئی عالم اپنی خوبیاں بتائے تو پانی کا نالہ ہے، اگر خاموش ہو تو بحر ہے۔

☆ تم دوزخ سے نہیں بھاگو بلکہ ایسے اعمال

اختیار کرو کہ دوزخ خود تم سے دور بھاگے۔

حمیرا رضا، ساہیوال

جان لیجیے

○ یہ نیا وقت کے بہتے دریا کے کناروں پر پھیلی ریت ہے اسے چھانو گے تو پتا چلے گا کہ ہر ذرہ سونا نہیں ہوتا۔

○ تم دنیا کے کسی بھی کونے میں چلے جاؤ، لوٹ کر اپنے ہی گھر آؤ گے کیونکہ یہی وہ جگہ ہے جہاں وہ لوگ بستے ہیں جو تمہارے حقیقی خیر خواہ ہیں۔

○ کچھ دل بہت نازک ہوتے ہیں ان پر لفظ استعمال کرنے سے پہلے ان کے حوصلوں کو جان لو ورنہ یا وہ دل ٹوٹ جائے گا یا تم خود۔

○ تنہائیاں اور اداسیاں بہت دردناک ہوتی ہیں اللہ سے دعا کیجیے کہ وہ کسی ایسی خطا کے کرنے سے آپ کو محفوظ رکھے کہ جس کی سزا اس عذاب کی صورت میں آپ کو ملے۔

○ تمہارا بہترین دوست وہ ہے جو تمہاری لغزشوں کو بھلا دے اور تمہاری نیکیوں کو یاد رکھے۔

○ جس شخص کو سال بھر کوئی تکلیف یا رنج نہ پہنچے وہ جان لے کہ اس سے اس کا رب ناراض ہے۔

ماہ رخ آصف، خانیوال

ذرا سنیے

○ شادی ایک ایسا بندھن ہے جس میں وہ شریف شہریوں کو خوامخواہ ایک دوسرے سے لڑنے پر مجبور کر دیا جاتا ہے۔

○ اللہ نے عورت کو مرد کی پیشانی سے نہیں بنایا کہ وہ مرد پر حکومت کرے اور نہ اس کے پاؤں سے پیدا کیا کہ اس کی غلامی کرے بلکہ اس کی پسلیوں سے پیدا کیا کہ وہ اس کے دل کے قریب ہو۔

○ اگر دنیا میں عورت نہ ہوتی تو مرد ریاضت کے بغیر ہی ولی بن جاتا۔

صائمہ ابراہیم، فیصل آباد

افکار جبران

☆ اس عورت کے انتہائی عذاب کا اندازہ کون لگا سکتا ہے جو ان دو مردوں کے درمیان گرفتار ہو گئی ایک اس سے محبت کرتا ہے دوسرے کو دل دے بیٹھتی ہے۔

☆ میں نے دنیا اس لئے تیاگ دی کیوں کہ ان لاکھوں انسانوں سے شفقت اور نرمی سے پیش آتے آتے بے زار ہو گیا جو انکساری کو کمزوری، رحم دلی کو بزدلی اور امارت پرستی کو قوت خیال کرتے ہیں۔

☆ جب کوئی شخص تیرے ایسے گناہ کو معاف کرے جس کا تو نے ارتکاب کیا تھا تو اس کا ایک ایسا گناہ معاف ہو جاتا ہے جس کا وہ مرتکب ہوا۔

☆ بہترین انسان وہ ہے جب اس کی تعریف کی جائے تو وہ شرمندہ ہو اور جب برائی کی جائے تو خاموش ہو۔

وفا عبدالرحمان، راولپنڈی

سچ کہہ رہے ہیں

○ ہر نوجوان شاعر ہوتا ہے، اصول پرست تصورات پر مر مٹنے والا مگر بد قسمتی سے دنیا کا نظام شاعر نہیں سیاست دان چلا رہے ہیں۔

○ سب اپنے اپنے نقطہ نظر سے حق بجانب ہوتے ہیں یہی تو سب سے بڑی مصیبت ہے۔

○ امن کی یادگار قائم کرنے کے لئے جنگ ضروری ہے

○ کاش میرا بیٹا غبی اور کند ذہن نکلے تا کہ کسی صوبے کا گورنر وغیرہ بن جائے، میں تو اپنی قابلیت اور ذہانت کے باعث مفلس اور ذلیل ہوں۔ (چینی عالم)

☆☆☆

سدرہ نعیم، شیخو پورہ

بیاض

تسنیم طاہر

نوشین الطاف ---- نیوراجو پنڈی

سکون قرب میں اترو تو دیا کر لینا
کبھی جو ٹوٹ کے بکھرو تو یاد کر لینا
خوشی کے وقت چاہیے ہمیں بھولا دینا
غموں کی راہ جو دیکھو تو یاد کر لینا

....

چند لمحوں کی رفاقت ہی غنیمت ہے کہ پھر
چند لمحوں میں یہ شہرازہ بکھر جائے گا
اپنی یادوں کو سمٹیں گے بچھڑنے والے
کیسے معلوم ہے پھر کون کدھر جائے گا

....

تمام عمر زندگی سے دور رہے
تیری خوشی کے لئے تجھ سے دور رہے
اب اس سے بڑھ کر وفا کی سزا کیا ہو گی
کہ تیرے ہو کر بھی تجھ سے دور رہے

عماربن خالد ---- لاہور

بڑی خاموشی چھائی ہو صدائیں تب بھی ہوتی ہیں
گھٹن ہو ہر طرف ہر سو ہوائیں تب بھی ہوتی ہیں
مجھے اب بھی محبت پہ ایمان مکمل ہے
نہ ہو رشتہ کوئی قائم وفائیں تب بھی ہوتی ہیں

نازیہ مغل ---- لاہور

دل کے رشتے بھی کتنے عجیب ہوتے ہیں
دور رہ کر بھی کتنے قریب ہوتے ہیں
ہر کسی کو ملتی نہیں ان سے خوشیاں
جن کو مل جائیں خوشیاں وہ لوگ خوش نصیب ہوتے ہیں

....

محبت میں تیری میں حد سے بڑھ گیا تھا
تیری خاطر دنیا کا ہر ستم سہہ گیا تھا
یہ کیسی سزا دی تو نے اسے سنگدل
کہ تیری بے وفائی سے میں اک پل میں مر گیا تھا

....

لاکھ بھلانا چاہو مجھ کو پر پھر بھی بھول نہ پاؤ گے
لاکھ سمجھا تو خود کو تم پر اپنے دل کو سمجھا نہ پاؤ گے
اک پھول کو شاخ سے توڑ کر لبوں سے لگا لیا
اے زندگی تجھے چھوڑ کر ہم نے موت کو گلے لگا لیا

امیر زرداری ---- شہداد پور

کر لو رابطہ جب تک زندہ ہیں امیر
پھر مت کہنا کہ دل میں یاد بسا کر چلے گئے

....

کیسا ویران ہے یہ سلسلہ عشق زمانے کا
اک ریت کا محل ہے سمندر کے کنارے کا
کیوں یہاں اونچی لہریں ہزار اٹھتی ہیں امیر
جو وقت سے پہلے اندیشہ دیتی ہیں اسے گرانے کا

....

ہم آج بھی آپ کو چاتے ہیں اور چاہتے رہیں گے امیر
ہمارے دل میں ہے جو اس کا دل نہ ٹوٹے اے خدا
آج اتنی ہے تنہائی کی دیواروں کو غم سنانے لگے امیر
لیکن دل پھر سے ٹوٹ گیا جب کوئی جواب نہ ملا

نرگس سحر ---- شہداد پور

ذرا ہاتھ بڑھاؤ تمہاری دسترس سے باہر نہیں
چاند تاروں کو چھو لیتے ہیں ہمیشہ محنت کرنے والے
نہ مارتا ہے نہ زندہ رکھتا ہے دن ہیں یہ عذاب کے
غضب کا ظالم ہے میرا مسیحا رکھتا ہے چاہے تیزاب کے

....

کہتے ہو تم کیا ہے مجھ میں اک فقط انا
بس یہی میری متاع ہے یہی میرا سرمایہ ہے
آؤ اپنے جسم چن دیں اینٹ پتھر کی طرح
بے در و دیوار سہی گھر تو آخر اپنا ہے

....

جب لگی ٹھوکر دیار غیر میں
یاد آیا دھرتی ماں کا باہنوں میں سمیٹنا
کنول فریاد حسین ---- جلالپور جٹاں

یونہی آنکھوں سے آنسو بہتے نہیں
کسی اور کو ہم اپنا کہتے نہیں
ایک آپ ہی ہو جو زندگی میں رک سے گے
ورنہ کہنے کے لئے ہم کسی سے کہتے نہیں

....

تاریخ کہہ رہی ہے محرم کے چاند میں
شیدائیوں کے بخت اچانک الٹ گئے
اتنی غریب ہو گئی زاہرہ کی لاڈلی
زینب کے ایک لباس میں دو سال کٹ گے

....

حسین تیری عطا کا چشمہ دلوں کے دامن بھگو رہا ہے
یہ آسمان پر اداس بادل تیری محبت میں رو رہا ہے
صبا بھی گزرے جو کربلا سے تو اس کو کہتا ہے عرش والا
تو اور دھیرے گزر یہاں پر میرا حسین سو رہا ہے

....

برسوں بعد بھی اس کی عادت نہ بدلی ضد کی
کاش میں دوست نہیں اس کی عادت ہوتا
ایمن عزیز ---- میانوالی

چپکے چپکے کوئی مانوس سی آہٹ پا کر
دوستوں کو بھی کس عذر سے روکا ہو گا
یاد کر کے مجھے نم ہو گئی ہوں گی پلکیں
آنکھ میں پڑ گیا کچھ کہہ کر ٹالا ہو گا

....

ہوا کے زور سے ممکن نہیں بکھر جاؤں
یہ اور بات نہ دیکھوں اسے تو مر جاؤں
بدن کے شہر میں شہنائیوں کا میلہ ہے
حریف جاں میں تجھے ڈھونڈن کدھر جاؤں

....

گلی کے موڑ پہ بچوں کے ایک جمگھٹ میں
کسی نے درد بھری لے میں ماہیا گایا
مجھے کسی سے محبت نہیں مگر اے دوست
یہ کیا ہوا کہ دل بے قرار بھر آیا
شگفتہ رحیم ---- فیصل آباد

نہ جانے کسی گلی کے موڑ پہ ہم تم بچھڑ جائیں
وصال و ہجر کا یارو کوئی موسم نہیں ہوتا

....

تپش سے بچ کے گھٹاؤں میں بیٹھ جاتے ہیں
گئے ہوؤں کی صداؤں میں بیٹھ جاتے ہیں
ہم اردگرد کے موسم سے جب بھی گھبرائیں
تیرے خیال کی چھاؤں میں بیٹھ جاتے ہیں

....

جل چکے خواب تو پھر آگ بجھانے آیا
اک نئے ڈھنگ سے وہ چوٹ لگانے آیا
میرے پیروں تلے آنکھیں جو بچھاتا تھا کبھی
کانچ کی کرچیاں وہ رہ میں سجانے آیا
حمیرا رضا ---- ساہیوال

لفظوں کی جستجو میں سب کچھ گنوا دیا
وہ چل دیے اور میں طرز ادا بنتا رہا
اس کو کس نے رب سے مانگ لیا
میں سجدے میں گر کے حرف دعا ڈھونڈتا رہا

....

مھیں نے دنیا ہی میں دوزخ کی اذیت پالی
اپنے احساس کو رشتوں کے حوالے کر کے

....

میں کہتا ہوں مجھے پلکوں کی چھاؤں میں سدا رکھنا
وہ کہتی ہے مجھے شامل دعاؤں میں صدا رکھنا

....

در پیچ سلسلے دل کے
تیری تجھے کس کی تلاش

....

سکون ملتا ہے رونے سے دل کو بھی آذر
شدید ہو کبھی موسم تو بارشیں مانگوں

فائزہ عبدالمنان ---- کراچی

گفتگو کرنے کا کچھ اس میں ہنر ایسا تھا
وہ میری بات کا مفہوم بدل دیتا تھا

....

جنون میں ہوش کے سب سلسلے بھی ساتھ رکھتا ہے
وفا کرتا ہے لیکن فاصلے بھی ساتھ رکھتا ہے
کوئی آب و ہوا تو راس آئے گی کبھی اس کو
محبت کی ساری منطقیں بھی ساتھ رکھتا ہے

....

دھیان رکھنا ہر اک آہٹ پر
محبتوں میں میری بد حواسیاں نہ گئیں

عتیقہ منیر ---- سیالکوٹ

اسے کہو بہت نامراد شے ہے جنوں
اسے کہو کہ مجھے ہے بہت جنوں اس کا

....

خواہشوں کی محرومیاں مت پوچھ میرے ہم نفس
کہ میری نس نس میں خوابوں کا زہر اترا ہے

....

ہم ہی کریں کوئی صورت انہیں بلانے کی
سنا ہے ان کو تو عادت ہے بھول جانے کی
جفا کے ذکر پہ تم کیوں سنبھل کے بیٹھ گئے
تمہاری بات نہیں بات ہے زمانے کی

صائمہ سلیم ---- گجرات

پانی پہ بھی ریت پہ تڑپی چنی گئی
بنتی رہی ہے دکھ کا کبھی عنوان محبت
ہم نے پڑھے ہیں اتنے فسانے کہ بس
لگتا ہے ہر فسانے کی ہے جان محبت

....

رشتوں کو توڑنے میں ذرا احتیاط کرنا
رخ اپنا موڑنے میں ذرا احتیاط کرنا
ایسا نہ ہو کہ ایک دن پچھتاؤ ہر گھڑی
تم مجھ کو چھوڑنے میں ذرا احتیاط کرنا

....

اپنا آنچل سنبھال کر چلنا
چھیڑ خانی ہوا کی عادت ہے

نازیہ جمال ---- چکوال

دل کو تمہاری یاد کے آنسو عزیز تھے
دنیا کا کوئی درد سمونے نہیں دیا
ناصر یوں اس کی یاد چلی ہاتھ تھام کر
میلے میں اس جہاں کو کھونے نہیں دیا

....

جو لگ چکی ہے گرہ دل میں کھل نہیں سکتی
تو لاکھ ملتا رہے ہم سے دوستوں کی طرح

....

مختصر لفظوں میں ہے اب یہ مزاج زندگی
رابطہ سب سے ہے مگر واسطہ نہیں

سمن رضا ---- چیچہ وطنی

ہر چارہ گر کو چارہ گری سے گریز تھا
ورنہ ہمیں جو دکھ تھے بہت لادوا نہ تھے

....

وہ ریت کر کے میرے خواب کی زمینوں کو
میرے وجود میں دریا تلاش کرتا ہے
گنوا کے مجھ کو کسی عہد خوش گمانی میں
وہ شاید اب کوئی مجھ سا تلاش کرتا ہے

....

تم نے گم کر دیا تھا دانستہ
اب بھرے شہر میں مجھے ڈھونڈو

میں کہتا ہوں کوئی دل میں تمنا ہو تو بتلاؤ
وہ کہتی ہے محبت کی فضاؤں میں صدا رکھنا
ماریہ عثمان ---- سرگودھا
اپنے ترکش کے تیروں کی گنتی کرو
میرے گھاؤ گنو گے تو تھک جاؤ گے

....

انا پرست ہے اتنا کہ بات سے پہلے
وہ اٹھ کے بند میری ہر کتاب کر دے گا
میں سچ کہوں گی مگر پھر بھی ہار جاؤں گی
وہ جھوٹ بولے گا اور لا جواب کر دے گا

....

زرخیز زمینیں کبھی بنجر نہیں ہوتیں
دریا ہی بدل لیتے ہیں رستہ اسے کہنا
کچھ لوگ سفر کے لئے ہوتے نہیں موزوں
کچھ راستے کٹتے نہیں تنہا اسے کہنا
ماہ رخ آصف ---- خانیوال
غموں کو میلے دوپٹے میں جذب کر لینا
یہ حوصلے تو ہیں فقط غریب ماؤں کے

....

ہم جو روئے تو انہیں کہنا پڑا
اس طرح کرتی ہے برسات سفر

....

تھی میری تباہی میں کچھ درختوں کی بھی سازش
ورنہ یہ اجڑنے کا موسم تو نہیں تھا
صائمہ ابراہیم ---- فیصل آباد
محبت تو ازل سے ہے محبت تا ابد ہو گی
اسے میں عصر حاضر کا عقیدہ کہہ نہیں سکتا
کتاب زندگی میں ہے رقم باب محبت بھی
مگر کتنی ہیں سطریں خط کشیدہ کہہ نہیں سکتا

....

کچھ میں ہی جانتا ہوں جو مجھ پہ گزر گئی
دنیا تو لطف لے گی میرے واقعات میں

میرا تو جرم تذکرہ عام ہے مگر
کچھ دھجیاں ہیں میری زلیخا کے ہاتھ میں

....

ہر اک بار یہ سوچ کے دل بھر آیا ہے
اتنی عمر میں کیا کھویا کیا پایا ہے
وفا عبدالرحمان ---- راولپنڈی
اب تو ٹوٹی کشتی بھی آگ سے بچاتے ہیں
ہاں کبھی تھا نام اپنا بخت آزماؤں میں
صرف اس تکبر میں اس نے مجھ کو جیتا ہے
ذکر نہ ہو اس کا بھی کل کو نارساؤں میں

....

عمر بھر سنگ زنی کرتے رہے اہل وطن
یہ الگ بات کہ دفنائیں گے اعزاز کے ساتھ

....

اپنی اپنی انا کے قیدی تھے
ہمارے بیچ کوئی دوسرا نہ تھا
سدرہ نعیم ---- شیخوپورہ
وہ تعلق توڑ کر مہربان کر گیا
ربط جو فانی تھا اس کو غیر فانی کر گیا
میں سمجھا تھا کہ مل کر داستان پوری ہوئی
وہ تو بچھڑ کر پھر بڑی لمبی کہانی کر گیا

....

تیرے گرد ہے میری دعاؤں کا دائرہ
میں تیری عافیت کی مبارک لکیر ہوں

....

چکانے ہیں وہ قرضے سطح پر ہیں کہیں زیر زمیں ہیں
ابھی اس خاکداں میں تم بھی زندہ ہو ادھر ہم بھی نہیں ہیں
ابھی میداں میں ہم اپنے پیروں پر کھڑے ہیں ہار کیسی
ابھی تو کھیل کا آغاز ہے تم بھی یہیں ہم بھی یہیں ہیں
زاہدہ اظہر ---- حافظ آباد

☆☆☆

حنا کی محفل

عین غین

سعدیہ جبار ---- ملتان

س: وہ سفید کپڑوں میں زیادہ کیوں چمکتے ہیں؟

ج: وہ نہیں کپڑے چمکتے ہوں کے ایکسل کی وجہ سے۔

آنسہ ممتاز ---- رحیم یار خان

س: ع غ بھیا آداب عرض ہے؟

ج: وعلیکم السلام!

س: عینی بھیا نئے لوگ مل جانے کے باعث پرانے لوگ بھول گئے ہیں کیا؟

ج: کون سے پرانے لوگ۔

فریال امین ---- ٹوبہ ٹیک سنگھ

س: عینی بھیا تم لڑتے بہت ہو اسی لئے ہم تمہاری محفل میں شرکت نہیں کرتے؟

ج: میں تم سے کب لڑ کا ہوں جو یہ الزام لگا۔

س: عینی بھیا بہت ہو چکا اب تم واقعی اپنا نام تبدیل کرلو؟

ج: کیا بہت ہو چکا، جو میرے نام سے الرجک ہو۔

نازیہ کمال ---- حیدر آباد

س: خوشیاں ملیں تو جلد بھول جاتے ہیں، درد دیر تک زندگی کا حصہ رہتے ہیں کیوں؟

ج: ان کی کسک تڑپاتی جو ہے۔

س:

کچھ خواب سچے سے لگتے ہیں
موسم بھی اچھے سے لگتے ہیں
پھول تو تھے ہی پسند تجھے
کانٹے بھی اپنے سے لگتے ہیں

ج:

ممکن ہے کہ تو جس کو سمجھتا ہے بہاراں
اوروں کی نظر میں وہ موسم ہو خزاں کا

مریم رباب ---- خانیوال

س: انسان کا سب سے بڑا مسئلہ کیا ہے؟

ج: انسان ہونا۔

ام خدیجہ ---- شاہدرہ لاہور

س: دل میں اتر جانے والے لوگ کیسے ہوتے ہیں؟

ج: اچھے ہوتے ہیں۔

س: آئیں بائیں شائیں کب کیا جاتا ہے؟

ج: جب کوئی دل میں اتر جائے اور لوگ پوچھتے رہیں کہ وہ کیسا ہے؟

س: ہار کر بھی جیت کب محسوس ہوتی ہے؟

ج: جب مخالف بھی اپنا ہو۔

س:

دال میں جب کالے کی بجائے لال نظر آنا شروع ہو جائے تو اس کا کیا مطلب ہوتا ہے؟

ج: آنکھیں خراب ہیں۔

س: حلوائی کی دکان پر نانا جی کی فاتحہ کب دلوائی جاتی ہے؟

ج: جب حلوائی سے دوستی ہو۔

ثناء حیدر ---- سرگودھا

س: اگر رات کو دیر تک نیند نہ آئے تو......؟

ج: ڈاکٹر سے رجوع کریں۔

س: تم کو اتنے دن کے بعد دیکھ کر مجھے کیا ہوا؟

ج: خوشی اور کیا؟

س: کیا دل کی بات پڑھنے سے آنکھوں پر اثر پڑتا ہے؟ تم مجھ کو جھوٹے لگتے ہو؟
ج: میں تو لگتا ہوں، تم تو ہو۔

درثمین ---- میاں چنوں

س: اگر کوئی لڑکی کسی لڑکے کے ہاتھ پکڑ کر کہے بھلا کیا؟
ج: بھائی جان۔
س: سنا ہے نفرت محبت کی انتہا ہوتی ہے؟
ج: سنی سنائی باتوں پر اعتبار نہ کریں۔
س: دنیا کی سب سے خوبصورت شے کیا ہے؟
ج: جو آنکھوں اور دل کو بھا جائے۔
س: ایک اور ایک کتنے ہوتے ہیں؟
ج: تم کتنے چاہتی ہو۔

آسیہ وحید ---- لاہور

س: دنیا میں عاشقوں کی تعداد کتنی ہے؟
ج: جتنے آسمان پر ستارے ہیں۔
س: اگر کاغذ کے پھولوں سے خوشبو آنے لگے؟
ج: تو اصلی پھول کھلنا بھول جائیں گے۔
س: کیا حسن اور فن عارضی ہوتے ہیں؟
ج: فن تو عارضی نہیں ہوتا حسن کے بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے۔

جویریہ ناصر ---- گلبرگ لاہور

س: محبت کا کون سا روپ خوبصورت ہوتا ہے؟
ج: محبت کا ہر روپ خوبصورت ہوتا ہے۔
س: کیا کبھی عشق بھی کیا ہے؟
ج: ایسی باتیں بتانے کے لئے نہیں ہوتیں۔
س:
موت کا ایک دن متعین ہے
نیند رات بھر کیوں نہیں آتی
ج: موت کا وقت تو مقرر ہے لیکن نیند نہ آنے کی کوئی اور وجہ ہوگی۔
س: کبھی نمکین حلوہ کھایا ہے؟
ج: اتنی کنجوسی اچھی نہیں ہوتی کہ حلوہ نمکین بنانے لگی ہو۔

ام ایمن ---- گوجرانوالہ

س: عورت اگر کھلونا ہے تو مرد؟
ج: کھلونے کی چابی۔
س: دل کی آرزوئیں کہاں دم توڑتی ہیں؟
ج: جب شادی کی عمر گزر جائے۔
س: اگر میاں بیوی گاڑی کے دو پہیے ہیں تو بچے؟
ج: وہیل کپ۔
س: آج کل انسانیت کہاں گئی؟
ج: انسانوں کے ساتھ۔

عابدہ سعید ---- گجرات

س: آپ کی آخری خواہش؟
ج: ابھی تو پہلی پوری نہیں ہوئی۔
س: عورت زندگی میں سب سے زیادہ کس چیز کی تمنا کرتی ہے؟
ج: مالدار شوہر کی۔
س: عورت اگر غلطی کرے تو فوراً اعتراف کر لیتی ہے لیکن مرد حضرات......؟
ج: مرد تو غلطی نہ بھی کرے پھر بھی اعتراف کر لیتا ہے۔
س: لڑکیوں نے بال کٹوا دیئے اور لڑکوں نے بڑھا لئے؟
ج: آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔

فرح عامر ---- جہلم

س: مرد خواہ کتنا ہی بدصورت کیوں نہ ہو لڑکی خوبصورت چاہتا ہے؟
ج: آج کل لڑکیاں خوبصورتی نہیں مال دیکھتی ہیں۔
س: لڑکیوں نے دوپٹہ اوڑھنا کیوں چھوڑ دیا؟
ج: مردوں کی عقل پر جو پڑ گیا۔

☆☆☆

رنگ حنا

بائیس بھٹی

باتیں خلیل جبران کی

☆ اگر تیرا دل آتش فشاں ہے تو پھر کیوں توقع رکھتا ہے کہ وہ پھولوں کو تیرے ہاتھ میں تر و تازہ رہنے دے گا۔

☆ مبالغہ ایک حقیقت ہے جس کی فطرت قابو سے باہر ہے۔

☆ بڑے سے بڑے غنی اور بڑے سے بڑے فقیر کے درمیان حد فاصل ایک دن کی بھوک اور ایک دن کی پیاس ہے۔

☆ جب تمہارا غم یا خوشی حد سے بڑھ جائے تو دنیا تمہاری نظروں میں حقیر ہو جائے گی۔

☆ دوستی میں کوئی غرض پنہاں نہیں ہونی چاہیے سوائے اس کے کہ روح کی گہرائیاں پیش نظر ہوں۔

نازیہ مغل، لاہور

زندگی کیا ہے؟

☆ مرجھائے ہوئے پھولوں نے کہا زندگی چند ساعتوں کی کہانی ہے۔

☆ طالب علموں نے کہا زندگی ایک بوجھ ہے۔

☆ غریب مزدور نے کہا زندگی دکھوں کا گھر ہے۔

☆ تماشوں نے کہا زندگی ایک کھیل ہے۔

☆ نجومیوں نے کہا زندگی ایک قسمت کا حال ہے۔

☆ شاعر نے کہا زندگی ایک غم کا دریا ہے۔

☆ مگر میں نے کہا۔

☆ زندگی ایک نعمت ہے اس کی قدر کرو۔

نوشین الطاف، نیورا جو پنڈی باغاں

احتجاج

مخالف جماعتوں کے دو سیاستدان زور و شور سے بحث میں مصروف تھے، دونوں نے پہلے ایک دوسرے کو قائل کرنے کی ناکام کوشش کی پھر الزامات پر اتر آئے، ایک سیاستدان نے کہا۔

''مجھے معلوم ہے کہ تم کس کے اشارے پر ناچتے ہو۔''

دوسرے سیاستدان نے مشتعل ہو کر کہا۔

''احمق آدمی! سیاسی بحث میں میری بیوی کو کیوں گھسیٹتے ہو؟''

نعیمہ بخاری، اٹک

معمولی فرق

لکھ پتی نے بھکاری کو بھیک دیئے بغیر ڈانٹتے ہوئے کہا۔

''دفع ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے سے۔''

''اتنا غرور دکھانے کی ضرورت نہیں۔''

بھکاری نے متانت سے کہا۔

''آخر تم میں اور مجھ میں فرق ہی کیا ہے؟ صرف یہی کہ تم نے اپنی زندگی کا پہلا ملین کما لیا ہے اور میں نے ابھی کوشش شروع کی ہے۔''

ثمرین زاہرہ، خان پور

الارم

کراچی میں بینکوں میں بڑھتی ہوئی ڈکیتیوں کی روک تھام کے سلسلے میں ایک بینک میں الارم سسٹم لگایا گیا، کیشیئر کے پاؤں کے

قریب فرش میں ایک بٹن نصف کیا گیا، جسے دبانے سے قریبی پولیس اسٹیشن میں الارم بج سکتا تھا، الارم لگے ابھی تین دن ہوئے تھے کہ دو ڈاکو ٹی ٹی لیے بینک میں آن پہنچے، ایک نے گارڈ کو قابو کیا، دوسرے نے کیشیئر کو گن دکھا کر کیش کا مطالبہ کیا۔

کیشیئر نے کیش تو اس کے حوالے کر دیا مگر ساتھ ہی الارم کا بٹن بھی دبا دیا، چند سکینڈ بعد اس کے قریب رکھے فون کی گھنٹی بج اٹھی، کیشیئر نے فون ریسیو کرنا چاہا لیکن ڈاکو نے گن دکھا کر اسے باز رکھا اور خود ریسیور اٹھا لیا، دوسری طرف سے آواز آئی۔

''اوئے، میں تھانے سے بول رہا ہوں، ذرا دیکھ بھال کے بیٹھا کرو تمہیں پتہ ہی نہیں ہے کہ تمہارا پاؤں الارم کے بٹن پر رکھا ہوا ہے، پاؤں ادھر سے ہٹا بے وقوف، ادھر تھانے میں الارم بج رہا ہے۔''

نمرہ سعید، اوکاڑہ

دریافت

ایک سائنس دان نے دوسرے سائنس دان کو بتایا۔

''آج میں نے محض اتفاقاً ایک اہم چیز دریافت کر لی۔''

''وہ کیا؟''

دوسرے سائنس دان نے دلچسپی سے پوچھا۔

''مجھے پتا چلا ہے کہ آپ سیاہی کی دوات سامنے رکھ لیں تو کسی بھی فاؤنٹین پین میں سیاہی بھرنے کی زحمت کیے بغیر بھی اس سے لکھ سکتے ہیں۔''

طاہرہ رحمان، بہاول نگر

فرمائش

نئے نئے دولت مند ہونے والے ایک صاحب نے ایک پروفیسر صاحب کو بلایا، جو کئی زبانیں جانتے تھے۔

''پروفیسر صاحب! میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے بیٹے کو کوئی غیر ملکی زبان سکھائیں، آپ جو ٹیوشن فیس مانگیں گے، وہ میں دوں گا۔''

ان صاحب نے فرمائش کی۔

''ٹھیک ہے۔'' پروفیسر صاحب نے آمادگی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

''کون سی زبانیں سکھاؤں، انگریزی، فرانسیسی، جرمن، اطالوی یا روسی؟''

''بس ان میں سے جو زیادہ غیر ملکی ہو وہ سکھائیں۔''

عمرانہ علی، حاصل پور

پیش بندی

''تم ایک نہایت حسین لڑکی ہو۔''

''مجھے معلوم ہے کہ تم دل میں ایسا نہیں سمجھتے، لیکن پھر بھی کہہ رہے ہو۔''

''میں اصل میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ اگر میں ایسا نہیں کہوں گا، تب بھی تم دل میں ایسا ہی سمجھتی رہو گی۔''

معیار

جگو بدمعاش نے جنگل میں خفیہ بھٹی لگائی اور ٹھرا تیار کرنا شروع کر دیا، پہلی بار آزمائش کے طور پر اس نے ایک بوتل اپنے ایک جاننے والے دیہاتی کو بھیجی اور دوسرے روز اس سے رپورٹ مانگی۔

''کیسا تھا ہمارا ٹھرا؟''

''ٹھرا تو اچھا تھا۔'' دیہاتی نے ہانپتے ہوئے جواب دیا۔

''بس اسے پیتے ہوئے مجھے ذرا کھانسی آئی تو میری مونچھوں میں آگ لگ گئی۔''

عظمیٰ جبیں، لیہ

دو خبریں

ایک معروف آرٹسٹ کی بنائی ہوئی تصاویر کی نمائش ہو رہی تھی، آرٹسٹ نے اپنے سیکریٹری سے پوچھا۔

''کیا میری تصاویر میں کسی نے دلچسپی لی۔''

سیکرٹری بولا۔

''میرے پاس آپ کے لئے دو خبریں ہیں، ایک اچھی اور ایک بری۔''

''وہ کیسے؟'' انہیں حیرت ہوئی۔

''اچھی خبر یہ ہے کہ آپ کے ایک مدح نے آپ کی تمام تصاویر خریدتے ہوئے پوچھا تھا کہ اگر آرٹسٹ کا انتقال ہو جائے تو کیا ان تصاویر کے دام بہت زیادہ ہو جائیں گے؟''

میں نے کہا۔

''بالکل اس بات کے سو فیصد امکانات ہیں۔''

''اور بری خبر یہ ہے کہ وہ ستار آپ کے فیملی ڈاکٹر ہیں۔''

وردہ منیر، لاہور

ایک سے بڑھ کر ایک

لڑکی اپنے متوقع منگیتر کے ساتھ سیر کے لئے باہر جانے لگی تو ماں نے تخلیے میں بیٹی کو نصیحت کی۔

''اگر وہ تم سے بے تکلف ہونے کی کوشش کرے تو اسے ہرگز اس کی اجازت نہ دینا۔''

''اور مما! اگر اس نے بے تکلف ہونے کی کوشش نہ کی تو؟'' بیٹی نے تشویش سے پوچھا۔

☆

سیٹھ صاحب نے نخوت سے امیدوار کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

''اچھا تو تم میری بیٹی سے شادی کرنا چاہتے ہو؟ تم میں کوئی کاروباری صلاحیت بھی ہے یا نہیں؟''

''سر! میں آپ کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہوں، کیا آپ کو اس بات سے اندازہ نہیں ہوا؟ امیدوار نے نہایت نرمی سے دریافت کیا۔

ثمرہ شیرازی، پتوکی

کون بنے گا کروڑ پتی؟

معروف پروگرام کون بنے گا کروڑ پتی میں ایک سکھ ایک کروڑ جیتنے کے آخری مرحلے تک جا پہنچا تو پروگرام کے کمپیئر نے اس سے کہا۔

''آپ بے حد خوش قسمت ہیں اب میں آپ سے ایک بہت آسان سوال کرنے والا ہوں، آپ کے پتا (والد) کا نام کیا ہے؟''

سکھ خاموش رہا۔

کمپیئر نے اس سے دوبارہ پوچھا۔

''آخر آپ جواب کیوں نہیں دے رہے؟''

سکھ نے جواب دیا۔

''پہلے چار آپشن تو دو۔''

حمضعہ حماد، کراچی

ٹریڈ مارک

لندن کے ایک ٹیلر نے اپنا ٹریڈ مارک گندم کا دانہ رکھا، اس کے دوست نے حیرت سے پوچھا۔

''تمہارا کام کپڑے سینا ہے، یہ گندم کا دانہ تمہارا ٹریڈ مارک کہاں سے ہو گیا؟''

''یہ سارا سلسلہ ہی گندم کے دانے سے شروع ہوا ہے۔'' ٹیلر نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

''تصور کرو، اگر گندم کا دانہ نہ ہوتا تو کیا آج کپڑوں کا رواج ہوتا؟''

مصباح فیصل، کوہاٹ

☆☆☆

میری ڈائری سے

صائمہ محمود

نازیہ کمال: کی ڈائری سے ایک نظم
بہت دشوار ہوتا ہے
ذرا سا فیصلہ کرنا
کہ جیون کی کہانی کو
کہاں سے یاد رکھنا ہے
کسے کتنا بتانا ہے
کسی سے کتنا چھپانا ہے
کہاں رو رو کے ہنسنا ہے
کہاں ہنس ہنس کے رونا ہے
کہاں آواز دینی ہے
کہاں خاموش رہنا ہے
کہاں راستہ بدلنا ہے
کہاں سے لوٹ آنا ہے
بہت دشوار ہوتا ہے
ذرا سا فیصلہ کرنا

مریم رباب: کی ڈائری سے ایک نظم
کبھی ایک پل کو سوچو تم
ہم تسلیم کرتے ہیں
تمہیں فرصت نہیں ملتی
ہماری سوچ کے محور
کبھی ایک پل کو سوچو تم
تمہیں ہم یاد کرتے ہیں
اور اتنا یاد کرتے ہیں
کہ خود کو بھول جاتے ہیں!!!

ام خدیجہ: کی ڈائری سے ایک غزل
حالت بوجھل میں تیرا نام پکارا میں نے
یوں ہر طرح سے خود کو سنوارا میں نے
یاد کی گرد سے اٹی تھی زمین دل
اس کا روپ آنسوؤں سے نکھارا میں نے
صبح سے چل رہے تھے خوشبو کے جھونکے
صبح ہی لیا تھا تیرا نام پیارا میں نے
نہ جانے دل میں کیوں رونق آتی ہی نہیں
ہر حسیں منظر آنکھوں میں اتارا میں نے
زندگی ہو تو موت کہاں نظر آتی ہے
اب تو یہ بھی کر لیا ہے نظارہ میں نے

ثناء حیدر: کی ڈائری سے ایک نظم
"رسائی"
جب کبھی میری یاد کی دستک
تمہیں اپنے دل پہ سنائی دے
نیند کسی روٹھے ہوئے بچے کی طرح دکھائی دے
تو اس سے
اپنی پلکوں سے بے نام خواب نوچ کر
اس پر ٹھہرے ہوئے ستارے کی روشنی
آنکھوں میں بھر لینا
اپنی آنکھوں سے میری آنکھوں کو صدا دینا
آس پاس ہی کہیں دکھائی دوں
شاید کہیں آنکھ میں تجھے رسائی دوں

درِ ثمن: کی ڈائری سے ایک غزل
غم چھپانے میں ہوئے دونوں ہی ناکام تو پھر
ہو گیا تو بھی مرے ساتھ جو بدنام تو پھر
لے تو آؤں گا تیرا نام زبان پر جاناں!
مچ گیا شہر کی گلیوں میں جو کہرام تو پھر
دوست! میں تجھ کو بھلانے کو بھلا دوں لیکن
ہو گیا اس میں کسی روز جو ناکام تو پھر

میں تو سہہ لوں گا زمانے کی ہر اک بات مگر
دے دیا تو نے بھی مجھ کو کوئی الزام تو پھر
تیرا دعویٰ ہے کسی روز تو بھلا دے گا مجھے
اپنی کوشش میں جو تو ہو گیا ناکام تو پھر
آسیہ وحید ر: کی ڈائری سے ایک غزل
یوں لگتا ہے جیسے ہم دریا کے رخ پر رہے ہیں
اس اندھی لہروں کے قاتل دھارے پہ بہتے ہیں
صدیوں کی تاریخ یہاں قرطاس ہوا پر لکھتی
قرنوں کے افسانے ہم سے کوہ بیاباں کہتے ہیں
وقت سے پہلے بچوں نے چہرے میں ڈوبے رہتے ہیں
جب سے اندھی ظلمت نے سورج پر شب خوں مارا ہے
سب فرزا اپنے اپنے چہرے ڈھونڈتے رہتے ہیں
فارغ کہ کیسے دور میں یہ تاریخ ہمیں لے آئی ہے
اپنے دکھ سب سہتے ہیں تاریخ کے دکھ بھی سہتے ہیں
جویریہ ناصر: کی ڈائری سے ایک غزل
تتلی پھول اور پر بنا رہا ہوں
میں زندگی کا منظر بنا رہا ہوں
کوئی مرے وقت کو لوٹنے نہ آئے
میں لمحوں کو گوہر بنا رہا ہوں
آنکھوں میں پانی سمیٹ کر میں
کاغذ پر سمندر بنا رہا ہوں
کھڑکی دروازہ نہ روشندان کوئی
کتنا خوبصورت گھر بنا رہا ہوں
میری دھڑکن سے کہو ذرا انتظار کرو
میں حالات قدرے بہتر بنا رہا ہوں
ایک سمندر تو میرے لفظوں میں ہے
ایک دریا اپنے اندر بنا رہا ہوں
ام ایمن: کی ڈائری سے ایک نظم
''پکارے اپنا پاکستان''
لوگو!
دیس للکارے آج
گھر آنگن کو سجانا ہوگا
ماتھے سورج آنکھوں تارے
پوروں دیپ جلانا ہوگا
اجیالوں کو آنا ہوگا
اپنی دھوپ اور اپنی چھاؤں
اپنے کھیت اور اپنے گاؤں
اپنے بل پر آپ اٹھو تو
بنجر بھی کھلیان
پکارے اپنا پاکستان
نہ یہ مانگے راکھ انگارے
نا آکاش کے تارے
نا یہ بپھری موجیں چاہے
نا ویران کنارے
نا یہ مانگے خون کی برکھا
نا جیون اندھیارے
امن کا ٹھنڈا سایہ مانگے
جینے کے ارمان
پکارے اپنا پاکستان
پیلے مکھڑوں لالی چاہے
سوکھے ہونٹوں گیت
من نگری میں پریت
پیار کا رشتہ ان مٹ ہووے
اس ڈوری کو تھامو
جھولی جھولی آس کی چمپا
اس خوشبو کو جانو
دکھ کا بندھن سکھ ناتا
انسان کی پہچان
پکارے اپنا پاکستان
عابدہ سعید: کی ڈائری سے ایک غزل
پھر ساون رت کی پون چلی تم یاد آئے
پھر پتوں کی پازیب بجی تم یاد آئے
پھر کونجیں بولیں گھاس کے ہرے سمندر میں
رت آئی پیلے پھولوں کی تم یاد آئے

پھر گاگا بولا گھر کے سونے آنگن میں
پھر امرت رس کی بوند پڑی تم یاد آئے
دن بھر تو میں دنیا کے دھندوں میں کھویا رہا
جب دیواروں سے دھوپ ڈھلی تم یاد آئے
فرح عامر: کی ڈائری سے خوبصورت نظم
ہم بنجارے دل والے ہیں
اور پینٹھ میں ڈیرے ڈالے ہیں
تم دھوکا دینے والی ہو
ہم دھوکا کھانے والے ہیں
اس میں تو نہیں شرماؤ گی
کیا دھوکہ دینے آؤ گی
سب مال نکالو، لے آؤ
اے بستی والو، لے آؤ
یہ تن کا جھوٹا جادو بھی
یہ تال بناتے آنسو بھی
یہ جال بچھاتے گیسو بھی
یہ لرزش ڈولتے سینے کی
پر سچ نہیں بولتے سینے کی
یہ ہونٹ بھی ہم سے کیا چوری
کیا سچ مچ جھوٹے ہیں گوری
ان رمزوں میں، ان گھاتوں میں
ان دعووں میں، ان باتوں میں
کچھ میل حقیقت کا تو نہیں
کچھ کھوٹ صداق کا تو نہیں
یہ سارے دھوکے لے آؤ
کیوں رکھو خود سے دور ہمیں
جو دام کہو، منظور ہمیں
ان کانچ کے منکوں کے بدلے
ہاں بولو گوری کیا لو گی
تم ایک جہاں کی اشرفیاں
یا دل اور جان کی اشرفیاں
فائزہ قاسم: کی ڈائری سے ایک غزل
آؤ کہ آج غور کریں اس سوال پر
دیکھے تھے ہم نے جو وہ حسین خواب کیا ہوئے
دولت بڑھی تو ملک میں افلاس کیوں بڑھا
خوشحالی عوام کے اسباب کیا ہوئے
جمہوریت نواز بشر دوست امن خواہ
خود کو جو خود دیے تھے القاب لا علاج ہے
مذہب کا روگ آج بھی کیوں لا علاج ہے
وہ نسخہ ہائے نادر و نایاب کیا ہوئے
ہر کوچہ شعلہ زار ہے ہر شہر قتل گاہ
یکجہتی حیات کے آداب کیا ہوئے
صحرائے تیرگی میں بھٹکتی ہے زندگی
ابھرے تھے جو افق پہ وہ مہتاب کیا ہوئے
نعیم امین: کی ڈائری سے ایک غزل
آنکھوں کے اضطراب نے جینے نہیں دیا
اک حسن لا جواب نے جینے نہیں دیا
ہر آن میری آنکھ میں منظر وہی رہا
مجھ کو کسی کے خواب نے جینے نہیں دیا
اپنوں نے اپنے شہر سے جب دربدر کیا
ہجرت کے پھر عذاب نے جینے نہیں دیا
کانٹوں سے کٹ گئیں مری انگلیاں سبھی
پھولوں کے انتخاب نے جینے نہیں دیا
آکاش سے حکیم زمیں پر جب آ گیا
شہرت کے آفتاب نے جینے نہیں دیا
ہما رائے: کی ڈائری سے ایک نظم
"محبت مر رہی ہے"
وہی میرے دل کی تیرے خیالوں سے
شاداب دھرتی ہے
وہی تیرے تصور کو سوچتی میری آنکھ
دعائیں کرتی ہے
وہی شب ہے، وہی سب ہے
وہی دن ہیں، وہیں سخن ہے
☆☆☆

حنا کا دستر خوان

افراح طارق

کریملائز ایپل کیک

اشیاء

سیب (بڑے سائز کے)	سات عدد
پانی	دو کپ
چینی	آدھا کپ
مکھن	پچاس گرام
سادہ اسفنج کیک	ایک پاؤ
فریش کریم	آدھا کپ
چینی	ایک کھانے کا چمچہ
دودھ	دو کھانے کے چمچے
پستے بادام (کٹے ہوئے)	چار کھانے کے چمچے

ترکیب

سیب چھیل کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹ لیں، اب ان کو پین میں ڈال کر اس میں دو کپ پانی ڈالیں اور ہلکی آنچ پر پکنے دیں، پانی خشک ہو جائے اور سیب بالکل گل جائیں تو اتار کر چمچہ سے دبا دبا کر یکجان کر لیں، اب دوسرے پین میں چینی ڈال کر چولہے پر رکھیں، جب گولڈن سا سیرپ بن جائے تو اس میں مکھن ڈال دیں، ساتھ ہی سیب بھی ڈال کر مکس کر لیں، دودھ ڈال کر مکس کر لیں اور چولہے سے اتار دیں، کیک کو درمیان سے کاٹ لیں، ایک حصے پر سیب والا آدھا مکسچر پھیلائیں اوپر دوسرا حصہ (کیک کا) رکھیں، اوپر بھی سیب کا بقیہ مکسچر پھیلا کر پستے، بادام چھڑک دیں، کناروں پر کریم سے پھول بنا کر کیک کو سرو کریں۔

بلیک فاریسٹ کیک

اشیاء

انڈے	چار عدد
میدہ	پانچ کھانے کے چمچے
بیکنگ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
کیسٹر شوگر	چالیس گرام
کوکو پاؤڈر	دو کھانے کے چمچے
ونیلا ایسنس	چند قطرے

ترکیب

انڈے اور کیسٹر شوگر کو اچھی طرح پھینٹ لیں، یہاں تک کہ اس میں جھاگ بن جائیں اور وہ یکجا ہو جائیں، ونیلا ایسنس شامل کریں اور مستقل پھینٹتی رہیں، میدہ، کوکو پاؤڈر اور بیکنگ پاؤڈر کو تین مرتبہ چھان لیں۔

اس کو احتیاط سے انڈے اور شوگر کے آمیزے میں ڈالتی جائیں اور مستقل پھینٹیں، آٹھ انچ کے چوکور پین میں یہ آمیزہ ڈالیں، پہلے سے گرم اوون میں 250.c پر رکھ کر بیس منٹ کے لئے بیک کریں۔

آئسنگ کے لئے۔

اشیاء

کیسٹر شوگر	چھ کھانے کے چمچے

ترکیب

کریم میں دو کھانے کے چمچے کیسٹر شوگر ملائیں اور اچھی طرح پھینٹیں، اسی طرح باقی شکر ملا کر اتنا پھینٹیں کہ کریم بالکل گاڑھی ہو جائے اور شکر حل ہو جائے۔

چاکلیٹ سوس کے لئے۔

آئسنگ شوگر	چار کھانے کے چمچے
کوکو پاؤڈر	دو کھانے کے چمچے
مکھن	دو چائے کے چمچے
پانی	دو کھانے کے چمچے

ان سب کو ایک ساتھ ملا کر دھیمی آنچ پر گاڑھا ہونے تک پکائیں۔

فیلنگ کے لئے۔

انناس، آڑو، چیری، حسب ضرورت (کیوبز کاٹ لیں)۔

ترکیب

پہلے سے تیار شدہ کیک کو درمیان سے کاٹیں، نچلے حصے پر انناس کے ٹکڑے اور رس پھیلا دیں، اب اس پر کریم اور چاکلیٹ سوس ڈالیں، کیک کا اوپری حصہ رکھ دیں، اب اس پر باقی رس ڈالیں، اوپری حصے کو کناروں پر اچھی طرح کریم لگائیں، اب اس پر چاکلیٹ سوس ڈالیں اور کانٹے کی مدد سے ڈیزائن بنا لیں، مزے دار بلیک فارسٹ کیک تیار ہے۔

کریمی شیر خرما

اشیاء

دودھ	آدھا کلو
کریم	آدھا کپ
چاول کا آٹا	ایک کھانے کا چمچہ
کیوڑہ	ایک کھانے کا چمچہ
پستے، بادام ناریل، چھوہارے حسب ضرورت	
چینی	ایک کپ
باریک سویاں	آدھا کپ
گھی	ایک کھانے کا چمچہ
الائچی پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ

ترکیب

دودھ کو ابال لیں، آدھا کپ ٹھنڈے دودھ میں چاول کا آٹا مکس کر کے گرم دودھ میں شامل کر دیں اور چینی بھی ڈال دیں، فرائنگ پین میں گھی گرم کریں، اس میں سویاں اور بادام، پستے، ناریل، چھوہارے ہلکی آنچ پر فرائی کریں اور پکتے دودھ میں شامل کر کے ہلکی آنچ پر دس منٹ پکائیں، الائچی پاؤڈر، کیوڑہ اور کریم مکس کر دیں اور گرم گرم سرو کریں۔

وال نٹ مفنز

اشیاء

میدہ	دو سو گرام
چینی	ایک سو اسی گرام
مکھن	آدھا گرام
اخروٹ (توڑ لیں)	آدھا کپ
بیکنگ پاؤڈر	ایک چوتھائی کا چمچہ
کنڈیسنڈ ملک	سو ملی لیٹر

ترکیب

اوون کو پہلے سے گرم کر لیں، ایک پیالے میں میدہ اور بیکنگ پاؤڈر کو چھان لیں، چینی کو باریک پیس لیں، چینی میں مکھن اور کنڈیسنڈ ملک شامل کر کے اس کو اتنا پھینٹیں کہ یہ ایک نرم اور پھولا ہوا آمیزہ بن جائے، اس کو اخروٹ اور میدے میں شامل کر کے اس طرح مکس کریں کہ گٹھلیاں نہ بنیں، مفن ٹرے کو گریس کر کے یہ آمیزہ ٹرے میں بنے ہوئے کیس میں ڈالیں، پہلے سے گرم کیے ہوئے اوون میں 160.c پر اٹھارہ سے بیس منٹ تک بیک کریں، شاشلک اسٹک مفن کے اندر ڈال کر چیک کریں کہ مفن مکمل تیار ہو یا نہیں ہے، تیار ہونے کے بعد اوون کو بند کر کے مفنز کو اوون کے اندر ہی ٹھنڈا ہونے دیں، ٹھنڈا ہونے پر اوون میں سے نکال کر مفنز کو ٹرے میں بھی نکال لیں، شام کی چائے کے ساتھ سرو کریں۔

بنگالی مٹھائی

اشیاء

پنیر	ایک پاؤ
کھویا	ایک پاؤ
ناریل پاؤڈر	آدھا کپ
کنڈینسنڈ ملک	ایک پاؤ
ونیلا ایسنس	ایک پاؤ
پستہ	ایک پاؤ
بادام	ایک پاؤ
چاندی کے ورق	چند عدد

ترکیب

ایک برتن میں پنیر اور کھوئے کو اچھی طرح سے مکس کریں، اس میں ایک کپ ناریل پاؤڈر ڈالیں اور دوبارہ سے مکس کریں اور پیڑے جس شیپ کے بنانا چاہیں بنالیں۔

کنڈینسنڈ ملک میں ونیلا ایسنس مکس کریں اور اس کو خوب ٹھنڈا کرلیں، ایک سرونگ ڈش میں پیڑے رکھیں، اوپر سے ٹھنڈا دودھ ڈالیں، بادام اور پستے باریک چوپ کرکے ڈالیں، چاندی کے ورق سے گارنش کریں۔

سورتی گری

اشیاء

کھویا	ایک پاؤ
بیسن	دو کھانے کے چمچے
سوجی	دو کھانے کے چمچے
بادام، پستے	حسب پسند
چینی	حسب پسند
چھوٹی الائچی پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
عرق گلاب	دو کھانے کے چمچے
گھی	چار کھانے کے چمچے
میدہ	ایک کپ

(میدے میں گھی ڈال کر گوندھ لیں)

آئسنگ کے لئے۔

آئسنگ شوگر	ایک کپ
الائچی پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
مکھن	آدھا کپ

ترکیب

کھویا اور سوجی الگ الگ بھون لیں، پتلی میں ایک کھانے کا چمچہ گھی گرم کرکے اس میں بیسن ڈال کر بھون لیں۔

کھوئے میں سوجی، بیسن اور بادام، چینی، چھوٹی الائچی پاؤڈر، عرق گلاب ملا کر بالز بنالیں اور الگ رکھ دیں۔

میدہ کی چھوٹی پوری بنالیں اور اس میں بال رکھ کر بال کو پیک کردیں اور ڈیپ فرائی کرلیں، مکھن گرم کرکے اس میں الائچی پاؤڈر ڈال کر آئسنگ شوگر مکس کرلیں، فرائی کی ہوئی بالز اچھی طرح ٹھنڈی ہوجائیں تو اس پر اوپر سے آئسنگ ڈال دیں، بادام اور پستے اوپر لگا کر سرو کریں۔

سویوں کا رینبو کیک

اشیاء

باریک سویاں	آدھا پیکٹ
کھویا	تین سو گرام
الائچی پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
گھی	تین چائے کا چمچے
چینی کا گاڑھا	آدھا کپ
پستے، بادام (سلائس کرلیں) گارنشنگ کے لئے	
کلر، لال، پیلا، ہرا	حسب ضرورت

ترکیب

ایک پین میں گھی گرم کرکے سویوں کو بھون کر اس میں الائچی پاؤڈر مکس کرلیں اور سویوں کو تین حصوں میں تقسیم کرلیں۔

ایک پش آؤٹ کیک ٹن اسے ایک طرف رکھیں، پین میں ایک حصہ سویوں کا ڈالیں، اس

میں آدھا شیرہ ڈال کر ہلکی آنچ پر پکائیں، ساتھ آدھا کپ دودھ میں پیلا رنگ مکس کر کے ڈالیں اور متواتر چمچہ چلاتی رہیں، سویوں کا مکسچر گاڑھا ہو جائے تو کیک ٹن میں ڈال کر پریس کر دیں، اس پر کھوئے کی تہہ ڈال کر پریس کریں، اسی طرح ہرا حصہ تیار کر کے کھوئے پر ڈالیں اور دبا کر پریس کر دیں، اس پر بھی کھویا ڈالیں، پریس کر دیں لال حصہ اس طرح تیار کریں اور کھوئے پر ڈال کر پریس کر دیں، اس پر بادام پستے ڈال کر گارنش کر دیں، ٹھنڈا ہونے پر پین سے نکال کر پلیٹ میں رکھیں اور سرو کریں۔

فروٹ کسٹرڈ ڈیلائیٹ

اشیاء

ونیلا کسٹرڈ	دو کھانے کے چمچے
دودھ	آدھا لیٹر
چینی	آدھا کپ
لال جیلی	ایک پیکٹ
میٹھے بسکٹ	حسب ضرورت
مکس فروٹ	ایک کپ
پائن ایپل	ایک کپ
کریم	حسب پسند
بادام سلائس کرلیں	دو کھانے کے چمچے

ترکیب

دودھ کو گرم کریں، چینی ڈالیں، کسٹرڈ تھوڑے ٹھنڈے دودھ میں مکس کر کے ڈالیں، چمچہ چلاتی رہیں، کسٹرڈ گاڑھا ہو جائے تو چولہا بند کر دیں، کسٹرڈ ٹھنڈا ہو جائے تو آدھا کپ کریم اور مکس فروٹ مکس کر دیں اور تھوڑے بسکٹ بھی کچل کر مکس کر دیں، ڈش میں کسٹرڈ ڈالیں، اس پر بسکٹ کا چورا چھڑک دیں، کریم جیلی پائن ایپل اور بادام سلائس سے گارنش کر دیں اور ٹھنڈا کر کے سرو کریں۔

سویوں کا قلفہ

اشیاء

دودھ	دو کلو
سویاں	150 گرام
(تھوڑا سا پانی ڈال کر بوائل کر کے پیس کر لیں)	
الائچی پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
کھوئے کی برفی	آدھا کلو
چاول کا آٹا	آدھا کپ
پستہ، بادام	آدھا کپ
(ہم وزن لے کر پاؤڈر بنالیں)	
کارن فلور	دو کھانے کے چمچے
(تھوڑے سے پانی میں گھول لیں)	
قلفہ کے سانچے	حسب ضرورت
شکر دانے	حسب ضرورت

ترکیب

ایک پتیلی میں دودھ گرم کریں اور اتنا پکائیں کہ وہ آدھا رہ جائے، اس میں الائچی پاؤڈر، کارن فلور اور چاول کا آٹا اور سویوں کا پیسٹ ڈال کر اتنا پکائیں کہ وہ گاڑھا ہو جائے، آخر میں بادام، پستہ پاؤڈر ڈال کر اتار لیں، اب اس میں کھوئے کی برفی چورا کر کے ڈال دیں اور بیٹر سے اچھی طرح مکس کر لیں اور تین گھنٹے کے لئے کسی باؤل میں ڈال کر فریز کر دیں، تین گھنٹے بعد نکال کر دوبارہ بیٹر سے فلافی ہو جانے تک چلائیں اور فریز کر دیں، اسی طرح دو دفعہ کریں، دوسری دفعہ میں بیٹر سے بیٹ کرنے کے بعد قلفہ سانچے میں بھر کر ڈھکن لگا کر فریز کر دیں، نہایت نرم اور مزے دار سویوں کا قلفہ تیار ہے، ہر قلفہ سانچے میں چھ مہینے سے زیادہ مدت تک استعمال کر سکتی ہیں۔

☆☆☆

کس قیامت کے یہ نامے

فوزیہ شفیق

السلام علیکم!

آپ کے خطوط اور ان کے جوابات کے ساتھ حاضر ہیں آپ سب کی صحت و سلامتی کی دعاؤں کے ساتھ۔

رب العالمین نے کائنات کو جس تناسب و توازن کے ساتھ بنایا اسی طرح اس کمال مہربانی سے انسان کی تخلیق کر کے اس کو اشرف المخلوقات اور زمین پر اپنا نائب بنایا، ان تمام مہربانیوں کا مقصد یہ تھا کہ انسان اپنی ذات پر توجہ دے اور اپنی فلاح کے لئے نیک افعال و اعمال انجام دے، لیکن یہ کام وہ تنہا نہیں کر سکتا اس کے اعمال کا صحیح اندازہ تو اس وقت ہوتا ہے جب وہ اپنے جیسے دوسرے انسانوں کے ساتھ مل کر زندگی گزارے، ایسے میں اس کی شخصیت تعمیر ہوتی ہے۔

شخصیت سے مراد اس کا مزاج، عقل و دانش اور معاشرتی رویہ ہے، اسلام کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اعلیٰ اخلاق کا مالک ہوتا ہے کہ دوسرے لوگ اس سے راحت پا سکیں، لیکن اگر ہم اپنے ارد گرد نظر ڈالیں تو سوائے افسوس اور دکھ کے کچھ حاصل نہیں ہوتا، انسان اپنی تخلیق کا مقصد بھول گیا ہے، خود غرضی اور دھوکہ دہی عام ہو گئی ہے، انسان، انسانوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگ رہا ہے، نفسا نفسی کا دور چل رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو انسانیت کا احترام کرنے کا سلیقہ عطا کرے اور ہمیں آپس میں مل جل کر رہنے کی توفیق عطا کرے آمین۔

آیئے آپ کے خطوط کی محفل کی ابتداء ذکر اللہ اور اس کے پیارے محبوب آقائے دو جہاںؐ کے نام سے کرتے ہیں اور درود پاک، کلمہ طیبہ اور استغفار کا ورد کرتے ہیں۔

اپنی دعاؤں میں یاد رکھیئے گا اور اپنا بہت سا خیال رکھیئے گا اور ان کا بھی جو آپ سے محبت کرتے ہیں آپ کو خوش دیکھنا چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

یہ پہلا خط ہمیں منہا رمشہ کا فیصل آباد سے موصول ہوا ہے وہ لکھتی ہیں۔

حنا کا شمارہ بہت لیٹ 11 ستمبر کو ملا، حمد و نعت اور پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیاری باتیں پڑھی اور ایمان کو تازہ کیا، باقی تحریروں پر بات کرنے سے پہلے ایک بات بتا دوں پھر تحریروں کی طرف آؤں گی میں نے دسمبر 2017ء کے شمارے پر بھی تبصرہ کیا تھا جو شائع بھی ہوا تھا، طویل غیر حاضری کے بعد اس لئے حاضر ہو رہی ہوں کہ میں گریجویشن کے ایگزام دے رہی تھی اور اب تو میرا رزلٹ بھی آؤٹ ہو چکا ہے اور وہ بھی میری برتھ ڈے کے دن 14 اگست کو ہی تھا اور اللہ کے کرم سے میں نے سیکنڈ ڈویژن حاصل کی، اب آتی ہوں تبصرے کی جانب۔

''دل گزیدہ'' بہت اچھا جا رہا ہے، ام مریم میری فیورٹ رائٹر ہیں، حمدان اور قدر کی نوک جھونک بہت اچھی لگتی ہے، پلیز حمدان اور قدر کو

الگ مت کیجئے گا اور ایک ریکوئسٹ ہے کہ سلیمان صاحب کو بجائے حمدان کو مون لکھا کریں، اس کی شخصیت اور نام کے ساتھ سوٹ کرتا ہے، سلیمان صاحب نے قدر کی ماں خولہ کو تو ایسے ہی طلاق دے دی لیکن اس سحر کار عورت روشنی سے شادی کرتے وقت نہ انہیں اس کے چال چلن نظر آئے اور نہ ہی اپنی عمر کا لحاظ آیا، جب شادی کرنا ہی تھی تو قدر کے بچپن میں ہی کر لیتے، قدر کا غصہ بالکل بجا ہے، شانزے کا تو عبرت ناک انجام ہونا چاہیے، اتنی سازشی ہے بالکل انڈین ڈراموں کی ویمپ کی طرح، سدرہ اعجاز کا ناول ''تیرے عشق نچایا'' پسند آیا اگلی قسط کا انتظار رہے گا، نگہت غفار کا افسانہ ''بدلت رت'' معاشرے کی عکاسی کرتا اچھا افسانہ تھا، ماں باپ اگر اولاد کو غلط فیصلہ کر کے جہنم میں جھونک دیں تو ضروری تو نہیں کہ لڑکی ان کا کیا گیا غلط فیصلہ نبھاتی رہے، آج کی عورت خود مختار ہے، لیکن جیہ پھر بھی اپنے نفسیاتی شوہر کو برداشت کرتی رہی، نندوں کے ظلم برداشت کرتی رہی، اگر اولاد ہو جاتی تو بچوں کا تو مستقبل خراب ہوتا ناں، تھینک گاڈ اس کے گھر والوں نے اس کے لئے اسٹینڈ لیا اور اسے اس جہنم سے نجات دلوائی، پھر اللہ نے بھی اس کے شوہر اور نندوں کو ان کے ظلم کی سزا دی۔

''پربت کے اس پار کہیں'' میں نشرہ کو کہاں پھنسا دیا نایاب آپی، امید ہے ہیام جلد ہی اسے ڈھونڈ نکالے گا، ہیام اور نشرہ میرے فیورٹ کردار ہیں، جہاندار کو خون کی ہولی کھیلنے سے روک دیں نایاب آپی، آخر میں امن و امان ہونا چاہیے، شاہوار اور عشیہ کی شادی کر کے آپ نے بہت اچھا کیا، اب اسامہ بھی عشیہ کو بھول جائے، امام ضرور فرخزاد کا بیٹا ہے یعنی جہاندار کا بھتیجا اور ہیام اس کا بھانجا، انتظار ہے کب یہ رشتے آخر میں اکٹھے ہوں گے، ندا علی عباس کا ناولٹ ''ڈھل گیا ہجر کا دن'' بہت اچھا ناولٹ تھا، سکینہ، جمشید اور شجاعت کا قدرت نے بہت اچھا انجام کیا اور عنایہ کو آخر میں اس کی خوشیاں مل ہی گئیں، فرح طاہر کا افسانہ ''نازک ڈور'' بھی مرد کی فطرت پہ اچھا افسانہ تھا، آخر میں ایک بات، فوزیہ آپی مجھے بھی کہانی لکھنے کا بہت شوق ہے جلد ہی حنا میں بھیجوں گی، پلیز شائع کر دیجئے گا۔

منہا رمشہ اس محفل میں آپ کا آنا ہمیں بے حد اچھا لگا، سب سے پہلے امتحانات میں کامیابی پر مبارک باد قبول کیجئے اور گزری ہوئی سالگرہ کی اللہ تعالیٰ آپ کو لمبی زندگی اور بہت سی کامیابی عطا کرے آمین، آپ کی تجاویز اور رائے مصنفین کو پہنچائی جا رہی ہے، ستمبر کے شمارہ کے لئے پسندیدگی کا شکریہ، اپنی تحریر ہمیں ضرور بھیجئے، قابل اشاعت ہوئی تو انشاء اللہ ضرور شائع ہو گی، آئندہ بھی اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا شکریہ۔

رافعہ شہزاد: چکوال سے لکھتی ہیں۔

ستمبر کا شمارہ عروہ سسٹرز کے ٹائٹل سے سجا ملا، آج کل تو جہاں دیکھیں یہی دونوں بہنیں نظر آ رہی ہیں خیر آگے بڑھے تو سردار طاہر صاحب کی باتوں سے اتفاق کرتے ہوئے اسلامیات والے حصے میں پہنچے، حمد و نعت اور پیارے نبی کی پیاری باتوں سے دل کے نگر کو روشن کیا، انشاء نامہ میں ایک عرصے بعد انشاء جی کی شاعری پڑھنے کو ملی واہ کیا ہی خوبصورت انداز ہے انشاء جی کا ''پھر تمہارا خط آیا'' کمال کی نظم پڑھنے کے بعد بڑی دیر تک اسی نظم کے سحر میں گم رہے، ''دل گزیدہ'' ام مریم اگلے صفحات پر نظر آئیں، سمجھ نہیں آ رہی یہ قدر کی ناعقلی پہ ماتم کریں یا حمدان کے ظرف

کی داد دیں دوسری طرف ام مریم جی آپ نے شانزے اور علی شیر کو کیوں اس قدر ڈھیل دی ہے کہ وہ جو چاہتے ہیں وہ کر گزرتے ہیں اور اس پہ ان کی سازشیں کی سمجھ میں نہیں آتیں اوپر سے یہ ایک اور مکاری سے بھر پور کردار روشنی ٹپک پڑی ہے اللہ رحم کرے غانیہ بیچاری پر نایاب جیلانی آپ اب اپنی تحریر کو بربتوں سے اتار ہی لیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کے ناول کے سبھی کردار بربتوں کے پار سچ میں پتھر میں ڈھل جائیں، پلیز کچھ خیال کریں صندیر خان کے قسمت میں ہیام کے گھر کی لڑکیاں کیوں؟ اور پولو کے میچ کو اب ہو ہی جانا چاہیے۔

اف فوزیہ آپی یہ کیا مکمل ناول دو اور وہ بھی باقی آئندہ کا لیبل کے ساتھ یہ کیا بات ہوئی پہلے ناولٹ ایسے چل رہے ہیں اور اب مکمل ناول بھی، سدرہ اعجاز کا ''تیرے عشق نچایا'' بے حد پسند آیا اگرچہ بہت سی جگہ سدرہ انصاف نہیں کر پائیں کردار و واقعات سے مگر اس کے باوجود شروع سے آخر تک دلچسپی برقرار رہی مکمل تبصرہ دوسرا حصہ پڑھ کر ہی کریں گے۔

جبکہ سونیا چوہدری کا ''محبت کا فسوں'' اچھی تحریر تو تھی مگر بہت اچھی نہیں، سونیا کی تحریر محبتوں کی چاشنی سے بھر پور ہوتی ہے مگر اس میں اس چیز کی کمی محسوس ہوئی، دیکھیں اگلے حصے میں شاید اس وہ اس کا ازالہ کر دیں، ناولٹ میں تحسین اختر کا ''شہر دل کے راستے'' دلچسپی سے بھر پور ہے، رانیہ کی ساتھ تحسین آپ جو مرضی کریں ہمیں اعتراض نہیں ہوگا کہ وہ والدین کی نافرمان ہے، مگر پلیز خدا کے لئے موحد اب دوبارہ حریم کی زندگی میں نہیں آنا چاہیے اور پلیز مریم کو پہلے جیسا نرم اور محبت بھرا انداز رکھنے والی بنا دیں اور یہ آپ نے نہال کا ایکسیڈنٹ کیوں کروا دیا پلیز حریم کے لئے خوشیوں بھرا یہ دروازہ کھلا رکھیے گا۔

''می رقصم'' بھی بشریٰ سیال اچھے انداز میں لے کر آگے بڑھ رہی ہیں بشریٰ آپی پلیز کہانی کو بلاوجہ طویل نہ کیجیے گا ورنہ آپ کی تحریر کی دلکشی ماند پڑ جائے گی۔

افسانوں میں فوزیہ سرور کا افسانہ ''قرض حسنہ'' سب سے بہترین تحریر تھی اس ماہ کی جبکہ نگہت غفار کی تحریر ''بدلتی رت'' گزارہ تھا ان کے لکھنے کا انداز سچی کہانیوں جیسا لگا، فرح طاہر کا ''نازک ڈور'' نے بھی کوئی خاص تاثر نہیں چھوڑا، فرح طاہر نے شاید طویل تحریر لکھنا چھوڑ دی ہے حنا میں اکثر ان کے مختصر افسانے ہی شائع ہوتے ہیں، مستقل سلسلے ہمیشہ کی طرح بھی بے حد پسند آئے، ہاں ہمیں ایک اعتراض ہے کہ دستر خوان اس مرتبہ عیدالضحیٰ کے حوالے سے کیوں نہیں تھا۔

رافعہ شہزاد اس محفل میں خوش آمدید، ستمبر کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ، مکمل ناول کے سلسلے میں گزارش ہے کہ مصنفین بہنیں اب طویل تحریر لکھنے کی طرف زیادہ راغب ہیں، ہماری مجبوری ہے کہ ہمیں یہ طریقہ اختیار کرنا پڑا، امید ہے ہماری مجبوری کو مدنظر رکھتے آپ ہم سے تعاون کریں گی آپ کی تعریف اور تنقید ان سطور کے ذریعے مصنفین کو مل گئی ہے شکریہ قبول کیجیے، ہم اگلے ماہ آپ کی رائے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

ریحہ گل: فیصل آباد سے تشریف لائی ہیں وہ لکھتی ہیں۔

میں ماہ نامہ حنا کی کافی عرصہ سے قاری ہوں مگر آج پہلی بار اس محفل میں آئی ہوں، سب سے پہلے بات نایاب جیلانی کے ناول ''پربت کے اس پار کہیں'' کی جانب نایاب آپی کا ناول

بہت اچھا جا رہا ہے مگر آپ سے گزارش ہے کہ جہاندار اور نیل بر کی سٹوری زیادہ شامل کیا کریں اور ان کا رومانس بھی لکھا کریں، نشرہ کیوں دشمنوں کے بیچ پھنس گئی ہے اسے خیریت سے گھر پہنچا دیجئے اور رہیام بہت بزدل ہے اسے دلیر ہونا چاہیے آخر وہ پٹھان ہے، عشیہ اور شاہوار کی زندگی اب خوشگوار ہی ہونی چاہیے، اسامہ کے دل سے عشیہ کی محبت نکال دیں نایاب آپی، ام مریم آپی آپ کا ناول ''تم آخری جزیرہ ہو'' میرا فیورٹ تھا اس میں معاذ حسن کا کردار میرا آئیڈیل تھا، اب آپ کا ناول ''دل گزیدہ'' بہت اچھا جا رہا ہے اور حنا کے باقی ناولز اور افسانے بھی بہت اچھے ہوتے ہیں اور حنا میں سندس جبیں کیوں غائب ہیں، میری گزارش ہے سندس آپی کہ آپ ایک اور ناول حنا کے لئے لکھیں، آپی مجھے لکھنے کا بہت شوق ہے میں نے ایک افسانہ لکھا ہے، آپ کو ارسال کر رہی ہوں پلیز ضرور شائع کیجئے گا شکریہ۔

ریحہ گل خوش آمدید آپ کی آمد نے رونق دوبالا کر دی اس محفل کی، ستمبر کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ آپ کی فرمائش سندس جبیں تک پہنچائی جا رہی ہے، آپ کے ساتھ ہم بھی ان کی تحریر کے منتظر ہیں، آپ کا افسانہ قابل اشاعت ہوا تو ضرور شائع ہوگا، اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا شکریہ۔

طوبیٰ ضیاء: کی ای میل سکھر سے موصول ہوئی ہے وہ اپنی رائے کا اظہار کچھ یوں کر رہی ہے۔

ستمبر کا سرورق ہماری طرف سے ریجیکٹ، کیا ضرورت تھی ان دونوں بہنوں کی شکلیں سرورق پر سجانے کی، یہاں میری ایک فرمائش ہے کہ پلیز اریج فاطمہ کا ٹائٹل بھی دیں۔

''انشاء نامہ'' ہمیشہ کی طرح پسند آیا، انشاء جی کی نثر کے ساتھ شاعری بھی اعلیٰ ہے ''دل گزیدہ'' میں پتا نہیں ام مریم کیوں غانیہ کی فیملی کے پیچھے پڑ گئیں کہ ان کے گھر والوں کی قسمت میں صرف پریشانیاں ہی رہ گئیں ہیں جبکہ قدر جیسی بے وقوف اور شانزے جیسی ہوشیار لڑکی نہ دیکھی نہ سنی، سونیا چوہدری کا مکمل ناول ''محبت کا فسوں'' کا پہلا حصہ پسند آیا، جبکہ سدرہ اعجاز نے بھی اچھی کوشش کی ''تیرے عشق نچایا'' کا پہلا حصہ دلچسپ لگا، تحسین اختر اور بشریٰ سیال دونوں کے ناولٹ بس سو سو ہے یعنی گزارے لائق۔

افسانوں میں ''قرض حسنہ'' بے حد پسند آیا،

طوبیٰ ضیاء خوش رہو ستمبر کے شمارے کے لئے پسندیدگی کا شکریہ، ٹائٹل کے سلسلے میں آپ کی فرمائش نوٹ کر لی ہے انشاء اللہ جلد پوری کریں گے شکریہ۔

☆☆☆